دوسرا سوال ضرورتِ نبوت

سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”میں روحانی طور پر کسر صلیب کے لئے اور نیز اختلافات کے دور کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ ان ہی دونوں امروں نے تقاضا کیا کہ میں بھیجا جاؤں۔ میرے لئے ضروری نہیں تھا کہ میں اپنی حقیقت کی کوئی اور دلیل پیش کروں کیونکہ ضرورت خود دلیل ہے۔“(ضرورۃ الامام صفحہ ۲۵۔ روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۴۹۵)

- رسالت و نبوت کیا ہے؟
- رسول اور انبیاء کیوں اور کب بھیجے جاتے ہیں؟
- ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ خشکی اور تری میں فساد
  - I. قرآن کو ترک کر دینا
  - II. نفسانی خیالات کی پیروی کرنا
  - III. آباؤاجداد کے دین کو درست ماننا
  - IV. امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کر دینا
  - V. نور سے نکل کر ظلمات میں گھِر جانا
  - VI. علماء کی اندھی تقلید کرنا
  - VII. فرقوں میں تقسیم ہو جانا
  - VIII. دنیا سے محبت اور موت کا خوف
  - IX. مسلمانوں پر غیر مسلموں کا عموماً اور مسیحیوں کا خصوصاً سیاسی و دینی غلبہ
- زمانہ قبلِ مسیحؑ کے مسلمانوں کی حالت
- زمانہ بعد از مسیحؑ کے مسلمانوں کی حالت
- زمانہ قبلِ مسیحؑ کے علماء کی حالت
- زمانہ بعد مسیحؑ کے علماء کی حالت
- ظلمات سے نور کی طرف لانا
- حدیث مجدد
- اسلام میں جماعت اور امام کی ضرورت و اہمیت

ضرورتِ زمانہ اجرائے نبوت کی ایک محکم دلیل ہے۔ یعنی وہ کونسے حالات اور زمانے کی وہ کونسی ضروریات ہوتی ہیں جو ایک نبی اور رسول کے بھیجے جانے کا تقاضا کرتی ہیں اور خدا تعالیٰ کی رحمت بھی جوش میں آتی ہے اور وہ انسانوں پر رحمت و فضل کی نگاہ کرتے ہوئے انہیں اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لانے کا سامان کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ انسانوں کے اپنے اعمال کے باعث زمین پر فتنہ و فساد پھیل چکا ہے اور عوام کے ساتھ ساتھ علماء، جنہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سونپا گیا تھا، بھی بگڑ چکے

ہیں تو وہ انسانوں کی حالت پر رحم کرتے ہوئے ان کو دوبارہ ہدایت پر قائم کرنے کیلئے ایک ہادی کو بھیجتا ہے۔۔ قرآن میں لکھا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کھانا کھایا کرتے تھے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہر وقت کھانا ہی کھاتے رہتے تھے بلکہ دیگر انسانوں کی طرح جب ضرورت محسوس ہوتی تھی تب کھانا کھایا کرتے تھے اسی طرح اجرائے نبوت کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت نبی بھیجتا رہتا ہے اور دنیا میں ہر وقت کوئی نہ کوئی نبی موجود رہتا ہے بلکہ نبی اُس وقت ہی بھیجا جاتا ہے جب ضرورت ہوتی ہے۔ فی زمانہ اگر ضرورت موجود ہو گی تو نبی بھی آتے رہیں گے اور اگر نبی آنے بند ہو جائیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اب انسانوں کو نبی کی ضرورت نہیں رہی۔ لیکن زمانے کے حالات اور قرآنی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کی ضرورت اب بھی موجود ہے۔ سب سے پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید کی رو سے رسالت و نبوت کیا ہے۔

رسالت و نبوت کیا ہے

خیر اور رحمت

﴿2:106﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا وہ ہر گز پسند نہیں کرتے کہ تم پر تمہارے ربّ کی طرف سے کوئی خیر اُتاری جائے حالانکہ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے خاص کر لیتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔

﴿43:32﴾ وَقَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿43:33﴾ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ

اور انہوں نے کہا کیوں نہ یہ قرآن دو معروف بستیوں کے کسی بڑے شخص پر اتارا گیا؟ کیا وہ ہیں جو تیرے ربّ کی رحمت تقسیم کریں گے؟ ہم ہی ہیں جنہوں نے ان کی معیشت کے سامان ان کے درمیان اس ورلی زندگی میں تقسیم کئے ہیں اور ان میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسروں پر ہم نے مراتب کے لحاظ سے فوقیت بخشی ہے تاکہ ان میں سے بعض، بعض کو زیر نگیں کر لیں۔ اور تیرے ربّ کی رحمت اُس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

﴿44:6﴾ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿44:7﴾ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۙ

ایک ایسے امر کے طور پر جو ہماری طرف سے ہے۔ یقیناً ہم ہی رسول بھیجنے والے ہیں۔ رحمت کے طور پر تیرے ربّ کی طرف سے۔ بے شک وہی بہت سننے والا (اور) دائمی علم رکھنے والا ہے۔

اللہ کا فضل

﴿2:91﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۗ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ

بہت بُرا ہے جو انہوں نے اپنے نفوس بیچ کر ان کے بدلے میں حاصل کیا کہ اُس (حق) کا انکار کر رہے ہیں جو اللہ نے اتارا۔ اس بات کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل نازل کرتا ہے۔ پس وہ غضب پر غضب لئے ہوئے لَوٹے اور کافروں کے لئے رُسوا کن عذاب (مقدر) ہے۔

﴿4:70﴾ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿4:71﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا

اور جو بھی اللہ کی اور اِس رسول کی اطاعت کرے تو یہی وہ لوگ ہیں جو اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے (یعنی) نبیوں میں سے، صدیقوں میں سے، شہیدوں میں سے اور صالحین میں سے۔ اور یہ بہت ہی اچھے ساتھی ہیں۔ یہ اللہ کا خاص فضل ہے۔ اور اللہ صاحبِ علم ہونے کے لحاظ سے بہت کافی ہے۔

نعمت

﴿5:21﴾ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّ اٰتٰكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ

اور (یاد کرو) وہ وقت جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا۔ اے میری قوم! اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب اس نے تمہارے درمیان انبیاء بنائے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور اس نے تمہیں وہ کچھ دیا جو جہانوں میں سے کسی اور کو نہ دیا۔

احسان

﴿3:165﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

یقیناً اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب اس نے ان کے اندر انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا۔ وہ ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ جبکہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

﴿14:12﴾ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ..

ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم تمہاری طرح کے بشر ہونے کے سوا کچھ نہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان کرتا ہے۔

رسول اور انبیاء کیوں اور کب بھیجے جاتے ہیں

ایک بہت سادہ سی مثال ہے کہ جب کسی شخص کو ہلکا پھلکا مرض یعنی سر درد، زکام وغیرہ لاحق ہوتا ہے تو وہ فارمیسی سے دوا خرید کر اپنا علاج کرتا ہے۔ اگر مرض بڑھ جائے تو پھر وہ ڈاکٹر کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ڈاکٹر کی دوا سے بھی آرام نہ آئے تو مریض کو سپیشلسٹ کی طرف رجوع کرنے کو کہا جاتا ہے۔ جب یہاں سے بھی شفا نہ ملے تو ہسپتال میں داخل کر لیا جاتا ہے جہاں بعض اوقات سرجری کے مرحلے سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔ اور کبھی کبھی ایسا مرحلہ بھی آجاتا ہے جب ڈاکٹر بھی جواب دے دیتے ہیں اور مریض کے لواحقین

سے کہتے ہیں کہ اس کے لئے دعا کریں۔ اب اللہ کے سوا اسے کوئی نہیں بچا سکتا۔ جسمانی بیماریوں کی طرح روحانی امراض کے علاج کے بھی تقریباً یہی تمام مراحل ہوتے ہیں۔ چھوٹے موٹے انفرادی گناہوں کا مداوا استغفار وغیرہ سے ہو جاتا ہے۔ اس سے زیادہ شدید روحانی بیماریوں کے لئے لوگ علماء اور متقی بزرگان سے دعا اور نصائح کے لئے رجوع کرتے ہیں۔ لیکن جب علماء اور بزرگان سمیت پوری قوم اجتماعی طور پر روحانی امراض کا شکار ہو جائے اور وہ کیفیت پیدا ہو جائے جسے قرآن میں [30:42] ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ خشکی اور تری پر فساد غالب آ گیا، سے ظاہر کیا گیا ہے۔ یعنی عوام بھی بگڑ گئے اور علماء وصوفیاء بھی۔ ایسے تاریک زمانہ میں جب ہر طرف ظلمات پھیل چکی ہوں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے روحانی طبیب یعنی رسول اور نبی مبعوث کئے جاتے ہیں تا کہ وہ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں۔ سورۃ الروم کی اس آیت کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے حضرت قتادہؒ کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں: ''عن قتادة قوله : (ظَهَرَ الفسادُ فِي البَرّ والبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ) قال : هذا قبل أن يَبعث الله نبيه محمدا صلى الله عليه وسلم ، امتلأت ضلالة وظلما ، فلما بعث الله نبيه رجع راجعون من الناس. ''نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے ایسا تھا کہ ہر طرف گمراہی اور تاریکی پھیل چکی تھی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مبعوث کیا تو لوگ آپ ﷺ کی طرف لوٹنے لگے۔

سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''اب اتمام حجت کے لئے میں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ اسی کے موافق جو ابھی میں نے ذکر کیا ہے خدائے تعالیٰ نے اس زمانہ کو تاریک پا کر اور دنیا کو غفلت اور کفر اور شرک میں غرق دیکھ کر ایمان اور صدق اور تقویٰ اور راست بازی کو زائل ہوتے ہوئے مشاہدہ کر کے مجھے بھیجا ہے کہ تا وہ دوبارہ دنیا میں علمی اور عملی اور اخلاقی اور ایمانی سچائی کو قائم کرے اور تا اسلام کو ان لوگوں کے حملہ سے بچائے جو فلسفیت اور نیچریت اور اباحت اور شرک اور دہریّت کے لباس میں اس الٰہی باغ کو کچھ نقصان پہنچانا چاہتے ہیں سوا ے حق کے طالبو سوچ کر دیکھو کہ کیا یہ وقت وہی وقت نہیں ہے جس میں اسلام کے لئے آسمانی مدد کی ضرورت تھی۔'' (آئینہ کمالاتِ اسلام۔ روحانی خزائن۔ جلد 5، صفحہ 251)

''اور بعض نادانوں کا یہ خیال کہ گویا میں نے افتراء کے طور پر الہام کا دعویٰ کیا ہے غلط ہے بلکہ درحقیقت یہ کام اس قادر خدا کا ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور اس جہان کو بنایا ہے۔ جس زمانہ میں لوگوں کا ایمان خدا پر کم ہو جاتا ہے اس وقت میرے جیسا ایک انسان پیدا کیا جاتا ہے اور خدا اس سے ہمکلام ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے اپنے عجائب کام دکھلاتا ہے۔ یہاں تک کہ لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ خدا ہے۔ میں عام اطلاع دیتا ہوں کہ کوئی انسان خواہ ایشیائی ہو خواہ یوروپین اگر میری صحبت میں رہے تو وہ ضرور کچھ عرصہ بعد میری ان باتوں کی سچائی کو معلوم کر لے گا'' (اشتہار واجب الاظہار، مندرجہ کتاب البریہ صفحہ۔18، روحانی خزائن جلد۔13)

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت　　　　میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

سیّد ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کا ضرورتِ نبوّت کا اعتراف

''دنیا میں انسان کے لیے فکر و عمل کے بہت سے مختلف راستے ممکن ہیں اور عملاً موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سارے راستے بیک وقت تو حق نہیں ہو سکتے۔ سچائی تو ایک ہی ہے اور صحیح نظریۂ حیات صرف وہی ہو سکتا ہے جو اُس سچائی کے مطابق ہو۔ اور عمل کے بے شمار ممکن راستوں میں سے صحیح راستہ بھی صرف وہی ہو سکتا ہے جو صحیح نظریۂ حیات پر مبنی ہو۔ اس صحیح نظریے اور صحیح راہ عمل سے واقف ہونا انسان کی سب سے بڑی ضرورت ہے، بلکہ اصل بنیادی ضرورت یہی ہے۔ کیونکہ دوسری تمام چیزیں تو انسان کی صرف اُن ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں جو ایک اونچے درجے کا جانور ہونے کی حیثیت سے اس کو لاحق ہوا کرتی ہیں۔ مگر یہ ایک ضرورت ایسی ہے جو انسان ہونے کی حیثیت سے اس کو لاحق ہے۔ یہ اگر پوری نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آدمی کی ساری زندگی ہی ناکام ہو گئی۔ اب غور کرو کہ

جس خدا نے تمہیں وجود میں لانے سے پہلے تمہارے لیے یہ کچھ سروسامان مہیا کر کے رکھا اور جس نے وجود میں لانے کے بعد تمہاری حیوانی زندگی کی ایک ایک ضرورت کو پورا کرنے کا اتنی دقیقہ سنجی کے ساتھ اتنے بڑے پیمانے پر انتظام کیا، کیا اس سے تم یہ توقع رکھتے ہو کہ اس نے تمہاری انسانی زندگی کی اس سب سے بڑی اور اصلی ضرورت کو پورا کرنے کا بندوبست نہ کیا ہو گا؟ یہی بندوبست تو ہے جو نبوّت کے ذریعہ سے کیا گیا ہے۔ اگر تم نبوّت کو نہیں مانتے تو بتاؤ کہ تمہارے خیال میں خدا نے انسان کی ہدایت کے لیے اور کونسا انتظام کیا ہے؟ اس کے جواب میں تم نہ یہ کہہ سکتے ہو کہ خدا نے ہمیں راستہ تلاش کرنے کے لیے عقل و فکر دے رکھی ہے، کیونکہ انسانی عقل و فکر پہلے ہی بے شمار مختلف راستے ایجاد کر بیٹھی ہے جو راہِ راست کی صحیح دریافت میں اس کی ناکامی کا کُھلا ثبوت ہے۔ اور نہ تم یہ ہی کہہ سکتے ہو کہ خدا نے ہماری رہنمائی کا کوئی انتظام نہیں کیا ہے، کیونکہ خدا کے ساتھ اس سے بڑھ کر بدگمانی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ وہ جانور ہونے کی حیثیت سے تو تمہاری پرورش اور تمہارے نشونما کا اتنا مفصل اور مکمل انتظام کرے، مگر انسان ہونے کی حیثیت سے تم کو یونہی تاریکیوں میں بھٹکنے اور ٹھوکریں کھانے کے لیے چھوڑ دے۔" (تفہیم القرآن سورۃ النحل زیر تفسیر آیت وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ)

جب غیر احمدیوں کو تبلیغ کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس قرآن مجید کی شکل میں اکمل کتاب و شریعت موجود ہے۔ اس کی موجودگی میں ہمیں کسی رسول کی ضرورت نہیں۔ خرابی بس یہی ہے کہ ہم اس کی طرف توجہ نہیں کر رہے، اس پر عمل نہیں کر رہے۔ گویا خرابی ہم میں ہے دین میں نہیں۔ غیر احمدیوں کے اس عذر کی مثال اس طرح سے ہے کہ ایک لڑکا ایران سے ہو کر پنجاب واپس آیا تو اسے ہر وقت فارسی بولنے کا بہت شوق تھا۔ ایک دن وہ سخت بیمار ہو گیا اور شدید بخار کی حالت میں اپنی ان پڑھ ماں سے آب آب کہتا رہا یعنی مجھے پانی دو۔ بیچاری ان پڑھ ماں کو آب کا مطلب پتہ نہیں تھا اور وہ پریشان تھی کہ بیٹا پتہ نہیں کیا کہہ رہا ہے۔ اسی حالت میں وہ مر گیا۔ بعد میں لوگوں نے اسے بتایا کہ وہ پانی مانگ رہا تھا جو کہ سرہانے دھرا تھا۔ اس پر وہ ماں بولی، "آب آب کر موئیوں پُتر افارسیاں گھر گالے" یعنی اے بیٹا تو آب آب کر تا مر گیا۔ فارسی نے میرا گھر تباہ کر دیا۔ یہی حال غیر احمدیوں کا ہے۔ اکمل شریعت سرہانے دھری ہے لیکن وہ اس سے بے خبر روز بروز مرتے جا رہے ہیں۔ ان کے اپنے اعترافات کے مطابق، جو آگے چل کر بیان کئے جائیں گے، یہ قرآن کو مکمل طور پر ترک کر چکے ہیں اور ان پر یہ آیت پوری طرح صادق آچکی ہے

﴿25:31﴾ وَ قَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا

اور رسول کہے گا اے میرے ربّ! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو متروک کر چھوڑا ہے۔

پھر ترکِ قرآن کے نتیجے میں ایسا ہوتا ہے کہ یہ تارکِ قرآن لوگ اللہ کی کتاب کے خلاف گناہ و جرائم کرتے ہوئے وقت کے نبی کے دشمن بن جاتے ہیں۔

﴿25:32﴾ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّ نَصِيْرًا

اور اسی طرح ہم ہر نبی کے لئے مجرموں میں سے دشمن بنا دیتے ہیں۔ اور بہت کافی ہے تیرا ربّ بطور ہادی اور بطور مددگار۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ابتداء ہی میں سورۃ البقرۃ کے اندر یہود کی بداعمالیوں کا تفصیلاً ذکر کر کے مسلمانوں کو تنبیہ کر دی کہ تم سے پہلے یہ قوم تھی جسے اللہ نے تمام جہانوں پر فضیلت دی، انہیں کتاب دی، ان میں پے درپے رسول بھیجے لیکن پھر ان کی بداعمالیوں، اللہ کی نافرمانیوں، کتاب کو پس پشت پھینک دینے اور رسولوں کے انکار کے باعث انہیں اللہ کے غضب اور ذلت کا مورد بنایا۔

اکمل کتاب لیکن ابتر حالت

اکمل اور محفوظ شریعت وکتاب پاس ہونے کے باوجود مسلمان انفرادی اور اجتماعی طور پر مندرجہ ذیل گناہوں بلکہ جرائم کی ابتر حالت میں ملوّث ہیں:

- فرقہ واریت کا شکار ہیں جسے اللہ نے قرآن میں شرک اور عذاب قرار دیا ہے،
- کتاب وسنّت کو چھوڑ کر اپنے اپنے فرقے کے علماء کی اندھی پیروی کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ﴿9:31﴾ میں انہیں اللہ کے علاوہ رب بنانے سے تعبیر کیا ہے۔
- دین میں اختلافات کا شکار ہو کر آپس میں بغاوت کرتے ہوئے کسی کی بات نہیں مانتے،
- اللہ کے احکامات سے سرکشی کرتے ہیں جس کا نتیجہ اللہ تعالیٰ نے سورہ طٰہٰ میں عذاب اور ہلاکت قرار دیا ہے(20:82)
- ایک دوسرے کو قتل کرتے اور جان مال آبرو بیدردی سے لوٹتے ہیں،
- علماء عمومی طور پر گمراہ اور بد اعمال ہیں،
- مدارس میں قاری بچوں سے زیادتیاں کرتے اور انہیں قتل کرتے ہیں،
- قبر پرستی کرتے، غیر اللہ کو مدد کے لئے پکارتے ہیں،
- مساجد فتنوں کا گڑھ بن چکی ہیں،
- صحابہ کرامؓ پر لعن طعن کرتے اور خلفائے ثلاثہ کو مرتد و منافق قرار دیتے ہیں،
- ایک گروہ احادیث کو یکسر مسترد کرتا ہے تو دوسرا گروہ انہیں قرآن پر قاضی قرار دیتا ہے؛
- سیاسی معاشی اخلاقی روحانی علمی دینی زوال کا ایک لمبے عرصے سے مسلسل شکار ہوتے چلے جارہے ہیں وغیرہ وغیرہ
- مسلمانوں کی اکثریت اعتقاداً نہیں عملاً منافق ہے

عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي ﷺ قال "آية المنافق ثلاث إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان (بخاری کتاب الایمان باب علامۃ المنافق)

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، منافق کی علامتیں تین ہیں۔ جب بات کرے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے اس کے خلاف کرے اور جب اس کو امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍ رضي الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَلَّةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَلَّةٌ مِنْ نِفَاقٍ حَتَّى يَدَعَهَا إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب خصالۃ المنافق)

عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص میں یہ چاروں خصلتیں جمع ہو جائیں تو وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت پائی جائے تو سمجھ لو کہ اس میں منافق کی ایک خصلت پیدا ہو گئی جب تک کہ اس کو چھوڑ نہ دے جب بات کرے تو جھوٹ بولے جب عہد کرے تو توڑ ڈالے جب وعدہ کرے تو وعدے کی خلاف ورزی کرے اور جب جھگڑا کرے تو آپے سے باہر ہو جائے سفیان کی حدیث میں یوں ہے کہ جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو گی اس میں نفاق کی علامت ہو گی۔

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ (مسلم کتاب الایمان باب نماز چھوڑنے پر کفر کے اطلاق کا بیان)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ انسان اور اس کے کفر و شرک کے درمیان نظر آنے والا فرق نماز چھوڑنے کا فرق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح کو ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم قرار دیا ہے اور اُن لوگوں کو بڑے مجرم قرار دیا ہے جو ایمان رکھنے، کتاب پاس ہونے اور اسے پڑھتے رہنے کے باوجود اس پر عمل نہیں کرتے۔

﴿2:45﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو جب کہ تم کتاب بھی پڑھتے ہو۔ آخر تم عقل کیوں نہیں کرتے؟

﴿2:114﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَىْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ

اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ (کی بنا) کسی چیز پر نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود (کی بنا) کسی چیز پر نہیں حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں نے بھی جو کچھ علم نہیں رکھتے ان کے قول کے مشابہ بات کی۔ پس اللہ قیامت کے روز اُن کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کو اس بناء پر ان کے اہل میں شامل نہیں کیا کیونکہ اس کا عمل غیر صالح تھا:

﴿11:47﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ

اس نے کہا اے نوح! یقیناً وہ تیرے اہل میں سے نہیں۔ بلاشبہ وہ تو سراپا ایک ناپاک عمل تھا۔ پس مجھ سے وہ نہ مانگ جس کا تجھے کچھ علم نہیں۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں مبادا تُو جاہلوں میں سے ہو جائے۔

حضرت امام بخاریؒ کے زمانہ میں مرجئہ فرقہ کا فتنہ پھیل رہا تھا جو محض ایمان کو نجات کا باعث سمجھتے تھے اور عمل کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی تردید میں حضرت امام بخاریؒ نے بخاری کتاب الایمان میں ایک باب باندھ کر اُس کا نام "من قال إن الايمان هو العمل" رکھا ہے یعنی ایمان اصل میں عمل ہی ہے اور اس کی بنیاد قرآن مجید کی چند آیات پر رکھی ہے جن میں اعمال صالحہ کرنے والوں کو جنت کی بشارت اور نہ کرنے والوں کو جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔

صحیح مسلم کتاب الایمان باب الْمُبَادَرَةُ بالاعمالِ قَبْلَ تَظَاهُرُ الفتن اور سنن الترمذی ابواب الفتن باب سَتَكُونُ فِتَنٌ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ اور مسند احمد مسند ابو ھریرۃؓ میں درج ایک حدیث کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دورِ فتن میں آدمی صبح کو مومن ہو گا تو شام کو کافر یا پھر شام کو مؤمن ہو گا تو صبح کو کافر اور وہ اپنے دین کو دنیا کے عوض بیچ ڈالے گا

پھر اسی کتاب میں باب اِفشاء السلام من الاِسلام میں حدیث درج کی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ سب سے بہترین اسلام یہ ہے کہ تم کھانا کھلاؤ اور ہر شخص کو سلام کرو چاہے تم اسے جانتے ہو یا نہیں جانتے۔ یہاں بھی نبی اکرم ﷺ نے عمل کو اسلام بلکہ بہترین اسلام قرار دیا ہے۔

پھر یہ کہ پچھلے زمانوں کے وہ لوگ جو بے عملی کی حالت میں مر گئے اور اب بھی مرتے جا رہے ہیں ان کی نجات کیسے ہو گی؟ وہ اللہ کو کیا جواب دیں گے کہ اکمل کتاب و شریعت کے ہوتے ہوئے بھی انہوں نے اس پر کیوں عمل نہیں کیا؟ اللہ اور رسول اللہ ﷺ نے حبل اللہ کو اکٹھا ہو کر مضبوطی سے پکڑنے، صادقین کے ساتھ ہونے اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنے کے ساتھ ساتھ امام اور جماعت کو مضبوطی سے پکڑنے کا جو حکم دیا تھا اس پر کیوں عمل نہیں کیا؟ یہی سوال فرعون نے موسیٰؑ سے کیا تھا کہ پہلے زمانوں کے لوگوں کا جن کے پاس ہدایت نہیں آئی کیا بنے گا۔ اس کو جواب موسیٰؑ نے یہ دیا کہ ان کا علم اللہ کے پاس ہے۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿20:50﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿20:51﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿20:52﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿20:53﴾

اس نے کہا تم دونوں کا ربّ ہے کون؟ اے موسیٰ! اس نے کہا ہمارا ربّ وہ ہے جس نے ہر چیز کو اُس کی خِلقت عطا کی پھر ہدایت کی راہ پر ڈال دیا۔ اس نے کہا پھر پہلی قوموں کا کیا حال ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ اُن کا علم میرے ربّ کے پاس ایک کتاب میں ہے۔ میرا ربّ نہ بھٹکتا ہے نہ بھولتا ہے۔

بے شک دین اسلام حقوق اللہ یعنی عبادات کے بارے میں جبر و اکراہ سے نہیں بلکہ وعظ و نصیحت سے کام لیتے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تلقین کرتا ہے لیکن حقوق العباد یعنی معاملات کے نفاذ اور ان سے روگردانی کرنے والوں کی سزا کے بارے میں ایک نظام ہمارے سامنے رکھتا ہے۔ ان دونوں حقوق کی پاسداری سے ہی ایک اسلامی معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ دنیا میں جب بھی کوئی ریاست اور ادارہ قوانین بناتا ہے تو اس کے نفاذ اور عمل کو یقینی بنانے کے لئے ایک نظام وضع کرتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو ملک میں ہر طرف بدامنی لاقانونیت اور انتشار پھیل جائے۔ حیرت ہے کہ سیاسی سماجی اور معاشرتی اور معاشی طور پر تو قوانین بنانے کے ساتھ ساتھ اُن کے نفاذ کو بھی یقینی بنایا جائے اور حکومت و ریاست کے ایسے نمائندگان اور اہلکاران مقرر کئے جائیں جو ان قوانین کے نفاذ و عمل کو یقینی بنائیں اور ان کی خلاف ورزی پر سزائیں دیں لیکن احکم الحاکمین خدا کی طرف سے نازل کئے گئے دین میں ایسا کوئی نظام موجود نہ ہو، امّت میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والا کوئی گروہ موجود نہ ہو اور جب علماء، جن کا یہ کام ہے وہ اسے ترک کر کے سیاست و اقتدار کی جنگ میں کود جائیں پھر بھی اللہ کی طرف سے انہیں نصیحت کرنے والا، بشارت و انذار کرنے والا، ظلمات سے نور کی طرف لانے والا کوئی نہ آئے! مسلمانوں کے موجودہ حالات خود ان کے ہر طبقے کے اعترافات کے مطابق الٰہی قوانین کی خلاف ورزی کی سزا ہیں۔

قرآنِ کریم بتاتا ہے کہ رسل اور انبیاء کب آتے ہیں اور کیا کرنے آتے ہیں:

انبیاء کب آتے ہیں

جب ہر جگہ فساد برپا ہو جاتا ہے

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿30:42﴾ الروم

لوگوں نے جو اپنے ہاتھوں بدیاں کمائیں ان کے نتیجہ میں فساد خشکی پر بھی غالب آگیا اور تری پر بھی تاکہ وہ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزا چکھائے تاکہ شاید وہ رجوع کریں۔

جب لوگ سرکش اور فسادی ہو جاتے ہیں

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ * اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ * الَّتِىْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِى الْبِلَادِ * وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ * وَفِرْعَوْنَ ذِى الْاَوْتَادِ * الَّذِيْنَ طَغَوْا فِى الْبِلَادِ * فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ﴿89:7-13﴾ الفجر

کیا تُو نے دیکھا نہیں کہ تیرے ربّ نے عاد سے کیا کیا؟ (یعنی عاد کی شاخ) اِرم کے ساتھ، جو بڑے ستونوں والے تھے۔ جن جیسی تعمیر ملکوں میں کبھی نہیں کی گئی۔ اور ثمود کے ساتھ، جنہوں نے وادی میں چٹانیں تراشی تھیں۔ اور فرعون کے ساتھ، جو کیل کانٹوں سے لیس تھا۔ (یہ) وہ لوگ (تھے) جنہوں نے ملکوں میں سرکشی کی۔ اور ان میں بہت زیادہ فساد کیا۔

جب علماء دوسروں کو نیکی کی تلقین کرتے ہیں لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتے

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿2:45﴾ البقرة

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو جب کہ تم کتاب بھی پڑھتے ہو۔ آخر تم عقل کیوں نہیں کرتے؟

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿5:64﴾ المائدة

کیوں نہ ربّانیوں نے اور (کلامُ اللہ کی حفاظت پر مقرر) علماء نے انہیں گناہ کی بات کہنے اور ان کے حرام کھانے سے روکا۔ یقیناً بہت ہی برا ہے جو وہ کیا کرتے تھے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿62:6﴾ الجمعة

ان لوگوں کی مثال جن پر تورات کی ذمہ داری ڈالی گئی پھر اُسے (جیسا کہ حق تھا) انہوں نے اُٹھائے نہ رکھا، گدھے کی سی ہے جو کتابوں کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ کیا ہی بُری ہے اُن لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

جب لوگ فرقہ واریت کا شکار ہو جاتے ہیں جسے شرک اور عذاب کہا گیا ہے

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ج وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ * ﴿3:104﴾ آل عمران

اور اللہ کی رسّی کو سب کے سب مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو آپس میں باندھ دیا اور پھر اس کی نعمت سے تم بھائی بھائی ہو گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر (کھڑے) تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیات کھول کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ شاید تم ہدایت پا جاؤ۔

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿30:32﴾ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿30:33﴾ الروم

ہمیشہ اُس کی طرف جھکتے ہوئے (چلو) اور اُس کا تقویٰ اختیار کرو اور نماز کو قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو۔ (یعنی) اُن میں سے (نہ ہو) جنہوں نے اپنے دین کو تقسیم کر دیا اور وہ فرقہ فرقہ (ہو چکے) تھے۔ ہر گروہ (والے) جو اُن کے پاس تھا اُس پر اترا رہے تھے۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَن يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّن فَوْقِكُمْ أَوْ مِن تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُم بَأْسَ بَعْضٍ انظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ ﴿6:66﴾ الانعام

کہہ دے کہ وہ قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے قدموں کے نیچے سے یا تمہیں شکوک میں مبتلا کر کے گروہوں میں بانٹ دے اور تم میں سے بعض کو بعض دوسروں کی طرف سے عذاب کا مزہ چکھائے۔ دیکھ کس طرح ہم نشانات کو پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ کسی طرح سمجھ جائیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿6:160﴾ الانعام

یقیناً وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ در گروہ ہو گئے، تیرا ان سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ ان کا معاملہ خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔ پھر وہ اُن کو اُس کی خبر دے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔

جب لوگ ضلالِ مبین کا شکار ہو جاتے ہیں

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ٭ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿62:3﴾ الجمعة

وہی ہے جس نے اُمّی لوگوں میں انہی میں سے ایک عظیم رسول مبعوث کیا۔ وہ اُن پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی کھلی گمراہی میں تھے۔

جب مومنین بھی ضلالِ مبین کا شکار ہو جاتے ہیں

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿3:165﴾ آل عمران

یقیناً اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب اس نے ان کے اندر انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا۔ وہ ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ جبکہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

جب نزولِ کتاب پر طویل مدت کے بعد دل سخت ہو جاتے ہیں

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَ لَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿57:17﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿57:18﴾ الحديد

کیا ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر اور اُس حق (کے رعب) سے جو اُترا ہے ان کے دل پھٹ کر گر جائیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ بنیں جو پہلے کتاب دیئے گئے تھے؟ پس ان پر زمانہ طول پکڑ گیا تو ان کے دل سخت ہوگئے اور بہت سے ان میں سے بدعہد تھے۔ جان لو کہ اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد ضرور زندہ کرتا ہے۔ ہم آیات کو تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کر چکے ہیں تاکہ تم عقل سے کام لو۔

جب لوگ کتاب اللہ کو حکم بنانے سے انکار کر دیتے ہیں

وَ لَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿2:102﴾ البقرة

اور جب بھی ان کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی رسول آیا جو اُس کی تصدیق کرنے والا تھا جو اُن کے پاس تھا تو ان میں سے ایک گروہ نے جنہیں کتاب دی گئی اللہ کی کتاب کو پس پُشت ڈال دیا، گویا وہ علم ہی نہ رکھتے ہوں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿3:24﴾ آل عمران

کیا تو نے ان کی طرف نظر نہیں دوڑائی جنہیں کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا۔ انہیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے پھر بھی ان میں سے ایک فریق پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے اور وہ اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۚ﴿4:62﴾ النساء

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف آؤ جو اللہ نے اتارا ہے اور رسول کی طرف آؤ تو منافقوں کو تو دیکھے گا کہ وہ تجھ سے پرے ہٹ جاتے ہیں۔

جب لوگ علماء کو اللہ کے علاوہ رب بنالیتے ہیں

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿9:31﴾ التوبة

انہوں نے اپنے علمائے دین اور راہبوں کو اللہ سے الگ رب بنا رکھا ہے اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ ایک ہی معبود کی عبادت کریں۔ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ وہ پاک ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔

جب لوگ آباء کے دین کی پیروی پر اصرار کرتے ہیں

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَن يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴿23:25﴾المؤمنون

پس ان سرداروں نے جنہوں نے اس کی قوم میں کفر کیا، کہا یہ تو تمہاری طرح کے ایک بشر کے سوا کچھ نہیں۔ یہ چاہتا ہے کہ تم پر اپنی فضیلت قائم کرے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتے اتار دیتا۔ ہم نے تو اپنے گزشتہ آباؤاجداد کے تعلق میں ایسا نہیں سنا۔

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿43:23﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿43:24﴾ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿43:25﴾الزخرف

بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباءواجداد کو ایک مسلک پر پایا اور ہم یقیناً انہی کے نقوشِ قدم پر ہدایت پانے والے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے کبھی تجھ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر اسکے خوشحال لوگوں نے کہا کہ یقیناً ہم نے اپنے آباءواجداد کو ایک خاص مسلک پر پایا اور یقیناً ہم انہی کے نقوشِ قدم پر چلنے والے ہیں۔ اس نے کہا کیا اس صورت میں بھی کہ میں اس سے بہتر چیز لے آؤں جس پر تم نے اپنے آباء کو پایا؟ انہوں نے کہا یقیناً ہم ان باتوں کا انکار کرتے ہیں جن کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا ائْتُوا بِآبَائِنَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿45:26﴾الجاثية

اور جب ہماری کھلی کھلی آیات اُن پر پڑھی جاتی ہیں تو اُن کی دلیل اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے آباءواجداد کو واپس لے آؤ، اگر تم سچے ہو۔

انبیاء کیا کرنے آتے ہیں

اظہارِ دین یعنی غلبۂ دین کرنے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿9:33﴾التوبة

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اسے سب دینوں پر غالب کر دے خواہ مشرک کیسا ہی ناپسند کریں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿48:29﴾الفتح

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اُسے دین (کے ہر شعبہ) پر کلیۃً غالب کردے۔ اور گواہ کے طور پر اللہ بہت کافی ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿61:10﴾ الصف

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اُسے دین (کے ہر شعبہ) پر کلیّۃً غالب کردے خواہ مشرک برا منائیں۔

توحید کے قیام، عبادت الٰہی کی تلقین اور کفر و شرک سے روکنے کے لئے

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿3:80﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿3:81﴾ آل عمران

کسی بشر کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ اُسے کتاب اور حکمت اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ اللہ کے علاوہ میری عبادت کرنے والے بن جاؤ۔ بلکہ (وہ تو یہی کہتا ہے کہ) ربّانی ہو جاؤ، بوجہ اس کے کہ تم کتاب پڑھاتے ہو اور بوجہ اس کے کہ تم (اُسے) پڑھتے ہو۔ اور نہ وہ تمہیں یہ حکم دے سکتا ہے کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو ہی ربّ بنا بیٹھو۔ کیا وہ تمہیں کفر کی تعلیم دے گا بعد اس کے کہ تم فرمانبردار ہو چکے ہو۔

تلاوت آیات تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ نفس کرنے کے لئے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿2:130﴾ البقرة

اور اے ہمارے ربّ! تو ان میں انہی میں سے ایک عظیم رسول مبعوث کر جو ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور انہیں کتاب کی تعلیم دے اور (اس کی) حکمت بھی سکھائے اور اُن کا تزکیہ کردے۔ یقیناً تو ہی کامل غلبہ والا (اور) حکمت والا ہے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿2:152﴾ البقرة

جیسا کہ ہم نے تمہارے اندر تم ہی میں سے رسول بھیجا ہے جو تم پر ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور (اس کی) حکمت سکھاتا ہے اور تمہیں ان باتوں کی تعلیم دیتا ہے جن کا تمہیں پہلے کچھ علم نہ تھا۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿3:165﴾ آل عمران

یقیناً اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب اس نے ان کے اندر انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا۔ وہ ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ جبکہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

بشارت دینے اور انذار کرنے کے لئے

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿6:49﴾

اور ہم پیغمبر نہیں بھیجتے مگر اس حیثیت میں کہ وہ بشارت دینے والے اور انذار کرنے والے ہوتے ہیں۔ پس جو ایمان لے آئے اور اصلاح کرے تو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ کوئی غم کریں گے۔

ظلمات سے نکال کر نور میں لانے کے لئے:

الٓرٰ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿14:2﴾ ابراہیم

اَنَا اللّٰہُ اَرٰی: میں اللہ ہوں۔ میں دیکھتا ہوں۔ یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تیری طرف اتاری ہے تاکہ تُو لوگوں کو ان کے ربّ کے حکم سے اندھیروں سے نور کی طرف نکالتے ہوئے اس راستہ پر ڈال دے جو کامل غلبہ والے (اور) صاحبِ حمد کا راستہ ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَکَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَکِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِکَ لَاٰيٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ ﴿14:6﴾ ابراہیم

اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو اپنے نشانات کے ساتھ (یہ اِذن دے کر) بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لا اور انہیں اللہ کے دن یاد کرا۔ یقیناً اس میں ہر بہت صبر کرنے والے (اور) بہت شکر کرنے والے کے لئے بہت سے نشانات ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿57:10﴾ الحدید

وہی ہے جو اپنے بندے پر روشن آیات اُتارتا ہے تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکال لے جائے اور یقیناً اللہ تم پر بہت مہربان (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے مردہ قوم کو زندہ کرنے کے لئے: ﴿8:25﴾

مردہ قوم کو زندہ کرنے کے لئے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا يُحْيِيْکُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿8:25﴾ الانفال

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ اور رسول کی آواز پر لبیک کہا کرو جب وہ تمہیں بلائے تاکہ وہ تمہیں زندہ کرے اور جان لو کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے اور یہ بھی (جان لو) کہ تم اسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے۔

بداعمالیوں سے روکنے کے لئے

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿7:81﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿7:82﴾ الاعراف

اور لوط کو (بھی بھیجا) جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جیسی تم سے پہلے تمام جہانوں میں سے کسی نے نہیں کی۔ یقیناً تم شہوانی جذبات کی خاطر عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس آتے ہو۔ بلکہ تم ایک بہت ہی حد سے بڑھی ہوئی قوم ہو۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿7:86﴾ الاعراف

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو (بھیجا)۔ اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ یقیناً تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے کھلی کھلی نشانی آچکی ہے۔ پس ماپ اور تول پورا کیا کرو اور لوگوں کو اُن کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلایا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر تھا اگر تم ایمان لانے والے ہوتے۔

مؤمن کہلانے والوں کے درمیان خبیث اور طیّب میں تمیز کے لئے

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿3:180﴾ آل عمران

اللہ ایسا نہیں کہ وہ مومنوں کو اس حال پر چھوڑ دے جس پر تم ہو یہاں تک کہ خبیث کو طیّب سے نتھار کر الگ کر دے۔ اور اللہ کی یہ سنّت نہیں کہ تم (سب) کو غیب پر مطلع کرے۔ بلکہ اللہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے چُن لیتا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔ اور اگر تم ایمان لے آؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے لئے بہت بڑا اجر ہے۔

اس آیت کریمہ میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ مومن بھی بگڑ سکتے ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ ان میں بھی ایسے لوگ پیدا ہو سکتے ہیں جو کہلاتے تو مومن ہیں لیکن ان کے عقائد و اعمال میں بُعد المشرقین ہوتا ہے۔ جیسے اس وقت مسلمانوں میں صحابہؓ پر تبرّا کرنے والے شیعہ، صحابہؓ کی محبت کے دعویدار دیوبندی، قبر پرستی اور غیر اللہ کو پکارنے والے بریلوی، خالص توحید کے علمبردار اہلحدیث، حدیث کو قرآن پر فوقیت دینے والے اور حدیث کا انکار کرنے والے موجود ہیں۔ یہ سب متضاد عقائد و اعمال والے فرقے خود کو مؤمن کہتے ہیں۔

دوسری بات اس آیت کریمہ میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں میں خبیثوں کے ظاہر ہونے کے وقت ان کی اس حالت سے لاتعلق نہیں رہتا بلکہ اپنی سنّت کے مطابق ایسے ماموروں کو مبعوث کرتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ علم غیب کے ذریعے مومنوں اور خبیثوں میں فرق بتادیتا ہے۔ بعض لوگ کسی ایک عقیدہ کے حامل افراد کی کثرت سے مرعوب ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اتنی بڑی تعداد میں لوگ گمراہ نہیں ہوسکتے۔ خبیث اور طیّب کے ذکر والی مندرجہ بالا آیات کے ضمن میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ اس آیت کو بھی درج کر دیا جائے جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ خبیث کی کثرت سے مرعوب مت ہو۔

سورۃ المائدۃ ﴿5:101﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

تُو کہہ دے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہوسکتے خواہ تجھے ناپاک کی کثرت کیسی ہی پسند آئے۔ پس اے عقل والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

عَنْ زَیْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا. أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَیْہَا فَزِعًا. یَقُوْلُ: لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ. وَیْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ. فُتِحَ الْیَوْمَ مِنْ رَدْمِ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مِثْلُ ھٰذِہٖ۔ وَحَلَّقَ بِإِصْبَعِہِ الْإِبْھَامِ وَالَّتِيْ تَلِیْھَا۔ قَالَتْ زَیْنَبُ بِنْتُ جَحْشٍ: فَقُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ أَنَھْلِکُ وَفِیْنَا الصَّالِحُوْنَ؟ قَالَ: نَعَمْ. إِذَا کَثُرَ الْخَبَثُ۔ (صحیح البخاری۔ کتاب احادیث الانبیاء۔ باب قول اللّٰہ تعالیٰ و یسألونک عن ذی القرنین)

زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے یہاں تشریف لائے آپ کچھ گھبرائے ہوئے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں، ملک عرب میں اس برائی کی وجہ سے بربادی آجائے گی جس کے دن قریب آنے کو ہیں، آج یاجوج ماجوج نے دیوار میں اتنا سوراخ کر دیا ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھے اور اس کے قریب کی انگلی سے حلقہ بنا کر بتلایا۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم اس کے باوجود ہلاک کر دیئے جائیں گے کہ ہم میں نیک لوگ بھی موجود ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں! جب خباثت کی کثرت ہوگی۔

لوگوں سے آپس کی دشمنی دور کرنے، ان میں الفت قائم کرنے اور انہیں آگ کے گڑھے میں گرنے سے بچانے کے لئے

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ ﴿3:104﴾ آل عمران

اور اللہ کی رسّی کو سب کے سب مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو آپس میں باندھ دیا اور پھر اس کی نعمت سے تم بھائی بھائی ہوگئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر (کھڑے) تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچالیا۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیات کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ شاید تم ہدایت پا جاؤ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ جب بھی لوگوں میں ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں تو ان کی اصلاح ایک رسول کے ذریعے ہوتی ہے۔ اور آخر میں فرمایا کہ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ لوگ ہدایت پا جائیں۔ لیکن افسوس کہ آج کے زمانہ کے مسلمان ان تمام حالات کا شکار ہونے کے باوجود رسول کی بعثت اور اس کے ذریعہ اپنی اصلاح کا انکار کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے انصار سے خطاب فرماتے ہوئے اسی آیت کے مطابق بتایا کہ اللہ تعالیٰ رسول کے ذریعہ گمراہی دشمنی اور تفرقہ دور کر کے لوگوں کے دلوں میں الفت اور اتحاد پیدا کرتا ہے۔

یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ أَلَمْ أَجِدْکُمْ ضُلَّالًا فَھَدَاکُمُ اللّٰہُ بِي؟ وَکُنْتُمْ مُتَفَرِّقِیْنَ فَأَلَّفَکُمُ اللّٰہُ بِي؟ وَعَالَۃً فَأَغْنَاکُمُ اللّٰہُ بِي؟" (بخاری کتاب المغازی۔ باب 56 غزوۃ الطائف حدیث 4330)

اے انصاریو! کیا میں نے تمہیں گمراہ نہیں پایا تھا پھر تم کو میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت نصیب کی اور تم میں آپس میں دشمنی اور نااتفاقی تھی تو اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تم میں باہم الفت پیدا کی اور تم محتاج تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ غنی کیا۔

حضرت جعفرؓ ابن ابی طالب نے نجاشی کے دربار میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ اُن کی قوم شرک، فواحش، کمزوروں پر ظُلم، رشتہ داروں اور ہمسایوں کے حقوق کی پامالی وغیرہ میں ملوث تھی جن سے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے ذریعہ انہیں نجات دی۔

أیہا الملک، کنّا قومًا أھل الجاھلیة، نعبد الاصنام، و نأکل المیتة، و ناتي الفواحش، و نقطع الارحام، و نُسيء الجوار و یاکل القويّ منّا الضعیف، فکنّا علیٰ ذٰلک حتّٰی بعث اللّٰہ الینا رسولًا منّا، نعرف نسبہ و صِدقہ و امانتہ و عفافہ، فدعانا الی اللّٰہ لنوحّدہ و نعبدہ و نخلع ما کنّا نعبد نحن و آباؤنا من الحجارة و الاوثان، و امرنا بالصدق الحدیث، و اداء الامانة و صلة الرحِم و حسن الجوار و الکفّ عن المحارم و الدماء و نھانا عن الفواحش و قول الزور و اکل مال الیتیم و قذف المحصنات و امرنا ان نعبد اللّٰہ وحدہ لا نشرک بہ شیئًا و امرنا بالصلاة و الزکاة۔۔۔فصدقناہ و آمنّا بہ و اتّبعناہ علی ما جاء بہ من اللّٰہ فعبدنا اللّٰہ وحدہ فلم نشرک بہ شیًا و حرّمنا ما حرّم علینا و احللنا ما احلّ علینا، فعدا علینا قومنا، فعذّبونا و فتنونا عن دیننا لیردّونا الی عبادة الاوثان من عبادة اللّٰہ تعالیٰ و ان نستحلّ من الخبائث فلما قھرونا و ظلمونا و ضیّقوا علینا و حالوا بیننا و بین دیننا، خرجنا الی بلادک و اخترناک علی من سواک و رغبنا في جوارک و رجونا ان لا نُظلم عندک ایھا الملک۔'' (السیرة النبویّة لابن ھشام۔ الجزء الاول۔ صفحہ 362)

اے بادشاہ۔ ہم جاہل قوم تھے، بتوں کی عبادت کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، فواحش کے مرتکب ہوتے تھے، رشتوں کو قطع کرتے تھے، پڑوسیوں کا خیال نہیں کرتے تھے، ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا۔ ہم اسی حال میں تھے یہاں تک کہ اللہ نے ہم میں ہم میں سے ہی ایک رسول مبعوث کیا جس کے نسب، صدق و امانت اور پاکیزگی کو ہم جانتے تھے۔ اس رسول نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا کہ ہم اسے ایک جانیں اور اس کی عبادت کریں اور جن پتھروں اور خداؤں کی ہم اور ہمارے آباء عبادت کرتے تھے انہیں ترک کر دیں۔ اور اس نے ہمیں سچائی، صلہ رحمی، اور پڑوسی سے حسن سلوک کرنے، محرمات اور خون بہانے سے رکنے کا حکم دیا اور ہمیں فواحش، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور نیک عورتوں پر جھوٹے الزام لگانے سے منع کیا اور ہمیں حکم دیا کہ ہم اللہ واحد ہی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ کریں اور ہم کو نماز اور زکاۃ کا حکم دیا۔۔۔ پس ہم نے ان کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لے آئے اور وہ اللہ کی طرف سے جو بھی لائے تھے اس کی اتباع کی، صرف اللہ واحد کی عبادت کرنے لگے اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کیا اور جسے انہوں نے حرام کیا اسے حرام سمجھا اور جسے حلال کہا اسے حلال سمجھا۔ اس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی، ہمیں بہت تکلیفیں پہنچائیں اور ہمیں ہمارے دین کے متعلق بڑے فتنوں میں ڈالا تا کہ وہ ہمیں اللہ کی عبادت سے بتوں کی عبادت کی طرف لوٹا دیں اور یہ کہ ہم خبائث کو حلال کر لیں۔ پس جب انہوں نے ہم پر ظلم و زیادتی کی اور ہمیں تنگی میں ڈال دیا اور ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان حائل ہو گئے تو پھر ہم آپ کے ملک کی طرف نکل آئے اور آپ کو اختیار کر لیا اور آپ کے ہمراہ رہنا پسند کیا اور اے بادشاہ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ کی طرف سے ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

بطور حَکَم اختلافات کا فیصلہ کرنے

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ...﴿2:214﴾البقرة

تمام انسان ایک ہی امت تھے۔ پس اللہ نے نبی مبعوث کئے اس حال میں کہ وہ بشارت دینے والے تھے اور انذار کرنے والے تھے۔ اور ان کے ساتھ حق پر مبنی کتاب بھی نازل کی تا کہ وہ لوگوں کے درمیان ان امور میں فیصلہ کرے جن میں انہوں نے اختلاف کیا۔

عذاب سے پہلے اتمامِ حجّت کرنے کے لئے

رسول کی بعثت کا ایک زمانہ وہ ہوتا ہے جب ایک قوم اپنے اجتماعی گناہوں اور جرائم کے باعث اللہ تعالیٰ کے عذاب کی مستحق ہو جاتی ہے۔

سورۃ الانعام ﴿6:7﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں جن کو ہم نے زمین میں ایسی تمکنت بخشی تھی جو تمکنت تمہیں نہیں بخشی اور ہم نے ان پر موسلا دھار بارش برساتے ہوئے بادل بھیجے اور ہم نے ایسے دریا بنائے جو ان کے زیر تصرف بہتے تھے۔ پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور ان کے بعد ہم نے دوسری قوموں کو پروان چڑھایا۔

کوئی قوم بھی اللہ تعالیٰ کی اس سنّت سے مستثنیٰ نہیں ہے چاہے وہ اللہ تعالیٰ کی کتنی ہی محبوب قوم کیوں نہ رہ چکی ہو

سورۃ المائدۃ ﴿5:19﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ۚ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ

اور یہود اور نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ کی اولاد ہیں اور اس کے محبوب ہیں۔ تو کہہ دے پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی وجہ سے عذاب کیوں دیتا ہے؟ نہیں، بلکہ تم ان میں سے جن کو اُس نے پیدا کیا محض بشر ہو۔ وہ جسے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے اور اس کی بھی جو اُن دونوں کے درمیان ہے اور آخر اسی کی طرف لَوٹ کر جانا ہے۔

اللہ تعالیٰ رسول مبعوث کرنے سے پہلے عذاب نہیں بھیجتا

...وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿17:16﴾ بنی اسرائیل

اور ہم ہرگز عذاب نہیں دیتے یہاں تک کہ کوئی رسول بھیج دیں (اور حجت تمام کر دیں)۔

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿26:209﴾ الشعراء

اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہیں کی مگر اس کے لئے ڈرانے والے (بھیجے جا چکے) تھے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿28:60﴾ القصص

اور تیرا ربّ بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا یہاں تک کہ ان (بستیوں) کی ماں میں رسول مبعوث کر چکا ہوتا ہے جو اُن پر ہماری آیات پڑھتا ہے۔ اور ہم اس کے سوا بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے کہ ان کے بسنے والے ظالم ہو چکے ہوں۔

عذاب سے پہلے رسول کی بعثت اس قوم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور اتمام حجّت ہوتی ہے تا کہ وہ یہ نہ کہیں کہ اگر ان کی طرف رسول مبعوث کیا جاتا تو ہو سکتا ہے کہ وہ ایمان لے آتے اور عذاب سے بچ جاتے۔

وَ لَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْ لَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰى ﴿20:135﴾ طٰهٰ

اور اگر ہم انہیں اس سے پہلے کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے اے ہمارے ربّ! کیوں نہ تُو نے ہماری طرف رسول بھیجا کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے پیشتر اس کے کہ ہم ذلیل اور رُسوا ہو جاتے۔

وَلَوْ لَاۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْ لَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿28:48﴾ القصص

اور مبادا انہیں کوئی مصیبت پہنچے بسبب اس کے جو اُن کے ہاتھوں نے آگے بھیجا تو وہ کہیں کہ اے ہمارے ربّ! کیوں نہ تو نے ہماری طرف کوئی رسول بھیجا تا کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اور مومنوں میں سے ہو جاتے۔

اسی سُنّتُ اللہ کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا جنہوں نے انذار و تبشیر کے ذریعہ قوم کو دعوت حق دی لیکن قوم نے اس کا انکار کیا اور پھر زلازل، طاعون اور دیگر زمینی و آسمانی آفات کی شکل میں پے در پے عذاب کی مورد بنتی رہی۔ حضورؑ فرماتے ہیں:

کیوں غضب بھڑکا خدا کا مجھ سے پوچھو غافلو! ہو گئے ہیں اس کا مُوجب میرے جھٹلانے کے دن

عذاب کی حالت میں ہونے کے اعترافات

قوم پر یکے بعد دیگرے عذاب وارد ہونے کا یہ محض الزام نہیں ہے بلکہ علماء اعتراف کرتے ہیں کہ وہ اس وقت حالتِ عذاب میں ہیں۔

"کسی انسانی گروہ کو اس کی شامت اعمال کی بناء پر اللہ عزّوجلّ گوناگوں طریقوں سے عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ عذاب کی بدترین شکل کی طرف اشارہ سورہ انعام کی آیت نمبر ۶۵ کے ایک حصہ میں یوں کیا گیا ہے۔ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ۔ ترجمہ: یا تمہیں فرقہ فرقہ کر دے اور ایک کو دوسرے (سے لڑا کر آپس کی) لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ اس فرمان الٰہی کی تفسیر میں علّامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری تحریر فرماتے ہیں۔" اس کے علاوہ سخت تر عذاب یہ ہے کہ آپس میں انتشار اور بے اتفاقی کی وباء پھوٹ پڑتی ہے۔ ایک قوم کے فرزند، ایک ملّت کے افراد مختلف ٹولیوں اور فرقوں میں بٹ جاتے ہیں۔ کہیں مذہب وجہ فساد بن جاتا ہے اور کہیں سیاست باعث انتشار۔ اپنوں کی عزّت اپنے ہاتھوں خاک میں ملا دینا بڑا کارنامہ تصوّر کیا جاتا ہے۔ اوروں کو رہنے دیجئے اپنے گھر کا حال دیکھئے۔ جب سے ہم نے صراط مستقیم سے انحراف کیا ہے ہم کن پستیوں میں دھکیل دیئے گئے ہیں۔ ایک خُدا، ایک رسول، ایک کتاب اور ایک کعبہ پر ایمان رکھنے والے کس نفاق اور انتشار کا شکار ہیں۔" (تفسیر ضیاء القرآن جلد اوّل صفحہ 566)۔۔۔ بدقسمتی سے پاکستان میں عذاب کی یہ گھڑی آچکی ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے چشم بینا دی ہے وہ اس لمحہ بہ لمحہ شدید تر ہوتے ہوئے عذاب کی ہولناکیوں کو دیکھ رہے ہیں اور اس کے جہنّمی شعلوں کی تپش کو اپنے دل دردمند میں محسوس کر رہے ہیں۔"
(وحدت امت۔ مولانا محمد اسحاق۔ دیباچہ صفحہ 5,6)

”حضرت ہزاروی نے کراچی کے حالات کو اللہ کا عذاب قرار دیتے ہوئے ان حالات سے نجات کے لئے بڑے دل سوز انداز میں دعا کی۔“(حامد میر۔کالم قلم کمان۔جنگ 14 جولائی 2011)

سنی اتحاد کونسل پاکستان کے چیئرمین اور قومی اسمبلی کے رکن صاحبزادہ حاجی فضل کریم نے کہا ہے کہ طوفانی بارشیں، سیلاب، ڈینگی وائرس جیسے مسائل اللہ کے عذاب کی مختلف شکلیں ہیں جو حکمرانوں کی بداعمالیوں اور ملک میں جاری ظلم کے نظام اور احکاماتِ الٰہی سے روگردانی کا نتیجہ ہیں۔“ (روزنامہ ایکسپریس۔15 ستمبر 2011)

”اللہ نے قرآن پاک میں اپنے غیض وغضب کی تین علامتیں بتائی ہیں۔ان تینوں میں سے رسول اللہ ﷺ نے سب سے کم ترین یہ بتائی کہ تمہیں آپس میں لڑا کر ایک دوسرے کی گردنیں کٹوا کر عذاب کا مزہ چکھایا جائے۔یہ عذاب ہم پر برسوں سے مسلط ہے۔“(اوریا مقبول جان۔کالم حرف راز۔روزنامہ ایکسپریس۔14 جولائی 2012)

”حدیث میں آتا ہے کہ جب انسان میں امانت میں خیانت آجائے وہ لوگوں کے مال کھانا شروع کر دے، رزیل لوگ حکمران بن جائیں اور عوام کے مال کی لوٹ مار شروع کر دیں تو قوم پر تین عذاب مسلط ہوتے ہیں۔ایک آسمانوں سے طوفان وبارش کے ذریعے ایک زلزلے کے ذریعے اور تیسرا آپس میں لڑائی کرا کے ان کو ختم کرتے ہیں۔“(مفتی نعیم۔جنگ۔17 اپریل 2013)

”شیخ الاسلام ڈاکٹر طاہر القادری نے کہا ہے کہ جس معاشرے کی غالب اکثریت اللہ کی راہ چھوڑ دے اور وہ ندامت، شرمندگی اور توبہ کی طرف بھی نہ پلٹے تو وہاں اللہ اپنا عذاب بھیجتا ہے۔مہنگائی، غربت، لوڈشیڈنگ، دہشت گردی، قتل وغارت گری، خونی رشتوں کا عدم احترام، رزق میں تنگی، کرپٹ حکمرانوں کا وجود اور ظالم، استحصالی اور کرپٹ نظام کے خلاف بے شعوری اللہ کے عذاب کی مختلف شکلیں ہیں۔“(جنگ۔07 اگست 2013)

”جب پورے معاشرے میں ظلم وناانصافی پھیلی ہوئی ہو اور ایمان کے آخری درجے کے مطابق بھی دلوں میں سے گناہ کا احساس ختم ہو جائے تو قدرت کے عذاب سے کیونکر بچ سکتے ہیں۔“(اُمّت۔08 جون 2014)

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، قرآن کی رو سے کسی قوم پر عذاب کا وارد ہونا اور غیر احمدی علماء کا حالتِ عذاب میں ہونے کا اعتراف اس بات کا ثبوت ہے کہ اس قوم میں ایک رسول مبعوث ہو چکا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر عذاب میں مبتلا قوم اپنے اندر مبعوث رسول پر ایمان لے آئے تو یہ عذاب اب بھی ٹل سکتا ہے۔

سورۃ یونس ﴿10:99﴾ فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ۔

پس کیوں یونس کی قوم کے سوا ایسی کوئی بستی والے نہیں ہوئے جو ایمان لائے ہوں اور جن کو اُن کے ایمان نے فائدہ پہنچایا ہو۔جب وہ ایمان لائے تو ہم نے ان سے اس دنیوی زندگی میں ذلّت کا عذاب دور کر دیا اور انہیں ایک مدت تک سامانِ معیشت عطا کئے۔

آج مسلمانوں میں وہی حالات یعنی دشمنی، قتل وغارت، عقیدہ کی گمراہی، تفرقہ اور ایک دوسرے کے حقوق کی پامالی وغیرہ خود ان کے اپنے اعترافات کے مطابق بدرجہ اتم موجود ہیں۔اور یہ کہ ان تمام مندرجہ بالا آیات، حدیث، حضرت جعفرؓ کی تقریر اور مفسرین کے اقوال کے مطابق اس کا حل ایک رسول کی بعثت کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے ۔سوال یہ ہے کہ جب ماضی میں انہی خرابیوں کو دور کرنے کے لئے رسول مبعوث ہوتے تھے تو اس دور میں وہی خرابیاں بغیر رسول کے کیسے دور ہو سکتی ہیں؟ اور اگر دور ہو سکتی

ہیں تو پھر یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ ماضی میں بھی ان کے تدارک کے لئے کبھی کوئی رسول مبعوث نہیں ہوا۔ غیر احمدی علماء سے سوال ہے کہ ضرورتِ نبوت کی قرآن و حدیث سے جتنی وجوہات اوپر بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک کے متعلق ہی بتادیں کہ یہ وجہ اُن میں نہیں پائی جاتی جس کی بناء پر اب انہیں نبی کی ضرورت نہیں ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اب بھی قوم کو رشد و ہدایت عطا فرمائے، انہیں امام الزمان کی شناخت اور پیروی اور توبہ کی توفیق عطا فرمائے، اور جن عذابوں میں مبتلا ہیں ان سے نجات دے۔ آمین!

تمہاری زلف میں پہنچی تو۔۔۔

ایک مشہور شعر ہے کہ: "تمہاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی وہ تیرگی جو میرے نامہ سیاہ میں تھی"۔ یہ شعر اس وقت پڑھا جاتا ہے جب کوئی شخص اس بات کو اپنے لئے جائز اور مستحسن قرار دے رہا ہو جسے وہ دوسرے کے لئے ناقابل پسندیدہ اور ناجائز سمجھتا ہے۔ غیر احمدی مسلمان علماء کے بہت سے فتاویٰ اور بیانات اسی شعر کے حسب حال ٹھہرتے ہیں۔ جماعت اسلامی کے بانی جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے جماعت احمدیہ کے خلاف ایک کتابچہ بنام "ختم نبوت" تحریر فرمایا جس میں منجملہ دیگر دلائل کے ختم نبوت کی اپنی خود ساختہ تشریح کے حق میں "نئی نبوّت اب امّت کے لئے رحمت نہیں بلکہ لعنت ہے" کے زیر عنوان عدم ضرورتِ نبوت کی ایک دلیل یہ بھی پیش فرمائی۔ آپ لکھتے ہیں:

"تیسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ نبی جب بھی کسی قوم میں آئے گا فوراً اس میں کفر و ایمان کا سوال اٹھ کھڑا ہو گا۔ جو اس کو مانیں گے وہ ایک امّت قرار پائیں گے اور جو اس کو نہ مانیں گے وہ لامحالہ دوسری امّت ہوں گے۔ ان دونوں امّتوں کا اختلاف محض فروعی اختلاف نہ ہو گا بلکہ ایک نبی پر ایمان لانے اور نہ لانے کا ایسا بنیادی اختلاف ہو گا جو انہیں اس وقت تک جمع نہ ہونے دے گا جب تک ان میں سے کوئی اپنا ایک عقیدہ نہ چھوڑ دے۔ پھر ان کے لئے عملاً بھی ہدایت اور قانون کے ماخذ الگ الگ ہوں گے۔ کیونکہ ایک گروہ اپنے تسلیم کردہ نبی کی پیش کی ہوئی وحی اور اس کی سنّت سے قانون لے گا اور دوسرا گروہ اس کے ماخذ قانون ہونے کا سرے سے منکر ہو گا۔ اس بناء پر ان کا ایک مشترک معاشرہ بن جانا کسی طرح بھی ممکن نہ ہو گا۔ ان حقائق کو اگر کوئی شخص نگاہ میں رکھے تو اس پر یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ ختم نبوّت امّت مسلمہ کے لئے اللہ کی ایک بہت بڑی رحمت ہے جس کی بدولت ہی اس امّت کا ایک دائمی اور عالمگیر برادری بننا ممکن ہوا ہے۔ اس چیز نے مسلمانوں کو ایسے ہر بنیادی اختلاف سے محفوظ کر دیا ہے جو ان کے اندر مستقل تفریق کا موجب ہو سکتا ہو۔ اب جو شخص بھی محمد ﷺ کو اپنا ہادی اور رہبر مانے اور ان کی دی ہوئی تعلیم کے سوا کسی اور ماخذ ہدایت کی طرف رجوع کرنے کا قائل نہ ہو وہ اس برادری کا فرد ہے اور ہر وقت ہو سکتا ہے۔ یہ وحدت اس امّت کو کبھی نصیب نہیں ہو سکتی تھی اگر نبوّت کا دروازہ بند نہ ہو جاتا کیونکہ ہر نبی کے آنے پر یہ پارہ پارہ ہوتی رہتی۔ آدمی سوچے تو اس کی عقل خود یہ کہے گی کہ جب تمام دنیا کے لئے ایک نبی بھیج دیا جائے اور جب اس نبی کے ذریعے دین کی تکمیل بھی کر دی جائے اور جب اس نبی کی تعلیم کو پوری طرح محفوظ بھی کر دیا جائے تو نبوّت کا دروازہ بند ہو جانا چاہئے تاکہ اس آخری نبی کی پیروی پر جمع ہو کر تمام دنیا میں ہمیشہ کے لئے اہل ایمان کی ایک ہی امّت بن سکے اور بلاضرورت نئے نئے نبیوں کی آمد سے اس امّت میں بار بار تفرقہ نہ برپا ہوتا رہے۔ نبی خواہ "ظلّی" ہو یا "بروزی"۔ "امّتی" ہو یا صاحب شریعت اور صاحب کتاب، بہر حال جو شخص نبی ہو گا اور خدا کی طرف سے بھیجا ہوا ہو گا اس کے آنے کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ اس کے ماننے والے ایک امّت بنیں اور نہ ماننے والے کافر قرار پائیں۔ یہ تفریق اس حالت میں تو ناگزیر ہے جب کہ نبی کے بھیجے جانے کی فی الواقع ضرورت ہو، مگر جب اس کے آنے کی کوئی ضرورت باقی نہ رہے تو خدا کی حکمت اور اس کی رحمت سے یہ بات قطعی بعید ہے کہ وہ خواہ مخواہ اپنے بندوں کو کفر و ایمان کی کشمکش میں مبتلا کرے اور انہیں کبھی ایک امّت نہ بننے دے۔ لہٰذا جو کچھ قرآن سے ثابت ہے اور جو کچھ سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ عقل بھی اس کو صحیح تسلیم کرتی ہے۔ اور اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اب نبوّت کا دروازہ بند ہی رہنا چاہئے۔" (رسالہ ختم نبوت۔ ص۔ 35 تا 37)

مودودی صاحب کی مندرجہ بالا عبارت کا لب لباب یہ ہے کہ ہر نبی کی آمد سے لازمی طور پر انسانوں میں دو ایسے گروہ پیدا ہو جاتے ہیں جن میں سے ایک ایمان لانے والا اور دوسرا انکار کرنے والا ہوتا ہے اور اب اگر امت مسلمہ میں، جو مودودی صاحب کے بقول ایک متحد امت ہے (یاللعجب!) کسی نبی کی آمد کا اقرار کیا جائے تو امت کے اتحاد کے

پارہ پارہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ مودودی صاحب اپنی قائم کردہ دعوت یعنی تحریک جماعت اسلامی کی بعینہٖ اسی ضرورت کو بیان فرماتے اور اس کے انکار پر ''مسلمان کہلانے والی قوم'' کو سخت وعید سناتے ہیں۔ 26 مارچ 1944 کو پٹھانکوٹ میں تقریر کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا:

''اس موقع پر میں ایک بات نہایت صفائی کے ساتھ کہہ دینا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ اس قسم کی ایک دعوت کا، جیسی کہ ہماری یہ دعوت ہے، کسی مسلمان قوم کے اندر اٹھنا اس کو ایک بڑی سخت آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔ جب تک حق کے بعض منتشر اجزاء باطل کی آمیزش کے ساتھ سامنے آتے رہیں، ایک مسلمان قوم کے لئے ان کو قبول نہ کرنے اور ان کا ساتھ نہ دینے کا ایک معقول سبب موجود رہتا ہے اور اس کا عذر مقبول ہوتا رہتا ہے۔ مگر جب پورا حق بالکل بے نقاب ہو کر اپنی خالص صورت میں سامنے رکھ دیا جائے اور اس کی طرف اسلام کا دعویٰ رکھنے والی قوم کو دعوت دی جائے تو اس کے لئے ناگزیر ہو جاتا ہے کہ یا تو اس کا ساتھ دے اور اس خدمت کو انجام دینے کے لئے اٹھ کھڑی ہو جو امت مسلمہ کی پیدائش کی ایک ہی غرض ہے یا نہیں تو اسے رد کرکے وہی پوزیشن اختیار کرلے جو اس سے پہلے یہودی قوم اختیار کر چکی ہے۔ ایسی صورت میں ان دوراہوں کے سوا کسی تیسری راہ کی گنجائش اس قوم کے لئے باقی نہیں رہتی۔ یہ عین ممکن ہے کہ اس دوٹوک فیصلہ میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مسلمانوں کو ڈھیل دے اور اس نوعیت کی یکے بعد دیگرے کئی دعوتوں کے اٹھنے تک دیکھتا رہے کہ وہ ان کے ساتھ کیا روش اختیار کرتے ہیں۔ لیکن بہر حال اس دعوت کی طرف سے منہ موڑنے کا انجام آخر کار وہی ہے جو میں نے آپ سے عرض کر دیا۔ غیر مسلم اقوام کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ لیکن مسلمان اگر حق سے منہ موڑیں اور اپنے مقصد وجود کی طرف صریح دعوت سن کر الٹے پاؤں پھر جائیں تو یہ وہ جرم ہے جس پر خدا نے کسی نبی کی امت کو معاف نہیں کیا ہے۔ اب چونکہ یہ دعوت ہندوستان میں اٹھ چکی ہے۔ اس لئے کم از کم ہندی مسلمانوں کے لئے آزمائش کا وہ خوفناک لمحہ آ ہی گیا ہے۔ رہے دوسرے ممالک کے مسلمان تو ہم ان تک اپنی دعوت پہنچانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اگر ہمیں اس کوشش میں کامیابی ہوگئی تو جہاں جہاں یہ پہنچے گی وہاں کے مسلمان بھی اسی آزمائش میں پڑ جائیں گے۔ میں یہ دعویٰ کرنے کے لئے تو کوئی بنیاد نہیں رکھتا کہ یہ آخری موقع ہے جو مسلمانوں کو مل رہا ہے اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ ممکن ہے ابھی کچھ اور مواقع مسلمانوں کے لئے مقدر ہوں۔ لیکن قرآن کی بنیاد پر میں اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ مسلمانوں کے لئے یہ وقت ہے ایک نازک وقت۔'' (روداد جماعت اسلامی: روداد اجتماع دارالاسلام: حصہ دوم ص۔ 17 تا 20)

نبی کے آنے سے مومنین اور منکرین کے جن دو گروہوں کے قیام سے مودودی صاحب امت مسلمہ کو ڈرا رہے ہیں اور نبوت کا دروازہ بند کرکے کفر و اسلام کی جس کشمکش سے وہ مسلمانوں کو بچانا چاہتے ہیں، جماعت اسلامی کے قیام سے مسلمانوں کو، جنہیں وہ مسلمان کی بجائے ''مسلمان کہلانے والی قوم'' کہہ رہے ہیں، انہی دو ناگزیر راہوں کے پیدا ہونے کی خبر دے رہے ہیں اور انہیں اسی آزمائش میں ڈال رہے ہیں جو ان کے بقول ایک نبی کی آمد سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی شراب وہی ہے بوتل وہی ہے صرف لیبل بدل دیا گیا ہے۔ حیرت ہے کہ بانی جماعت احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نبوت کا دعویٰ کریں تو آپ کو پہلے سے پارہ پارہ امت کا اتحاد خطرہ میں دکھائی دے اور جب آپ خود دعویٰ مسیحیت و نبوت کئے بغیر مسلمانوں کو اپنی دعوت پیش کریں تو انہیں انکار کی صورت میں یہودی بننے کا ڈراوا دیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ مودودی صاحب نے یہ تقریر 1944 میں کی جبکہ ختم نبوت کا کتابچہ 1962 میں تحریر فرمایا۔ گویا 1944 کی بات چند سال بعد یعنی 1962 میں ہی بھول گئے یا پھر وہی بات ہے کہ تمہاری زلف میں پہنچی تو...

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ خشکی اور تری میں فساد

ذیل میں غیر احمدی مسلمان علماء کی کتب، اخبارات ورسائل سے چند حوالہ جات پیش کئے جا رہے ہیں جن سے سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دورِ مبارک سے لے کر آج تک مسلمانوں اور علماء کی ناگفتہ بہ بلکہ امام الزّمانؑ کے انکار کے باعث روزبروز بگڑتی ہوئی حالت کی شہادت اور ایک امام کی ضرورت کی پُردرد پکار خود اُن علماء کی تحریروں سے ملتی ہے۔ بدقسمتی سے ان علماء نے مرض اور اس کا علاج جاننے کے باوجود اس پر آشوب دور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہونے والے امام کا انکار کر دیا اور نہ صرف خود گمراہ ہوئے بلکہ کروڑوں لوگوں کو بھی گمراہ کیا اور پھر واویلا کرتے ہیں کہ مرزا صاحب کیسے امام مہدی اور مسیح موعود ہیں جن کے آنے سے حالات میں ذرا بھی بہتری نہیں ہوئی۔ حالانکہ سیدھی سی بات ہے کہ فائدہ اس مریض کو ہوگا جو ڈاکٹر کو ڈاکٹر تسلیم کرتے ہوئے اس کا تجویز کردہ نسخہ لے کر اس میں لکھی ہوئی دوا استعمال کرے۔ لیکن

یہاں الٹا حساب ہے کہ مسیحا کو مسیحا تسلیم نہیں کرتے، اس کے تجویز کردہ نسخہ کو مستند نہیں مانتے، اس کی بتائی ہوئی دوا استعمال نہیں کرتے جس کے نتیجہ میں مرض بگڑ تا جارہا ہے اور الزام اور قصور بھی مسیحا کا بتایا جارہا ہے۔ جن لوگوں نے مسیحا کو تسلیم کیا ان کی اور نہ ماننے والوں کی حالت میں نمایاں فرق دیکھا جاسکتا ہے۔

زمانہ قبلِ مسیحؑ کے مسلمانوں کی حالت

مسلمانوں کی ابتر دینی حالت اور اس کے علاج کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

”وہ لوگ جو مسلمان کہلاتے ہیں اور ان میں سے جو غریب اور مفلس ہیں اکثر اُن میں سے چوری اور خیانت اور حرامخوری میں نہایت دلیر پائے جاتے ہیں۔ جھوٹ بہت بولتے ہیں اور کئی قسم کے خسیس اور مکروہ حرکات اُن سے سرزد ہوتے ہیں اور وحشیوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ نماز کا تو ذکر کیا کئی کئی دنوں تک مُنہ بھی نہیں دھوتے اور کپڑے بھی صاف نہیں کرتے۔ اور جو لوگ امیر اور رئیس اور نواب یا بڑے بڑے تاجر اور زمیندار اور ٹھیکیدار اور دولتمند ہیں وہ اکثر عیاشیوں میں مشغول ہیں اور شراب خوری اور زناکاری اور بداخلاقی اور فضول خرچی ان کی عادت ہے اور صرف نام کے مسلمان ہیں اور دینی امور میں اور دین کی ہمدردی میں سخت لاپرواہ پائے جاتے ہیں۔۔۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ سچے دل سے خداتعالیٰ کے احکامات بجالاویں۔ نماز کے پابند ہوں۔ ہر ایک فسق وفجور سے پرہیز کریں۔ توبہ کریں اور نیک بختی اور خداترسی اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوں۔ غریبوں اور ہمسائیوں اور یتیموں اور بیواؤں اور مسافروں اور درماندوں کے ساتھ نیک سلوک کریں اور صدقہ وخیرات دیں اور جماعت کے ساتھ نمازیں پڑھیں اور نماز میں اس بلا سے محفوظ رہنے کے لئے رو رو کر دعا کریں۔ پچھلی رات اٹھیں اور نماز میں دعائیں کریں۔ غرض ہر قسم کے نیک کام بجالاویں اور ہر قسم کے ظلم سے بچیں اور اس خدا سے ڈریں کہ جو اپنے غضب سے ایک دم میں ہی دنیا کو ہلاک کرسکتا ہے“ (مجموعہ اشتہارات۔ جلد سوم صفحہ 6)

مسلماں را مسلماں باز کردند

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مسلمانوں کی اسی دینی، اخلاقی اور روحانی حالتِ زار کو اپنی بعثت کی وجہ بتاتے ہیں۔ حضورؑ فرماتے ہیں کہ وہ مسلمان کو حقیقی مسلمان بنانے کے لئے تشریف لائے ہیں۔

﴿چو دورِ خسروی آغاز کردند مسلماں را مسلماں باز کردند﴾

میں دورِ خسروی کا آغاز کرنے آیا ہوں اور مسلمان کو حقیقی مسلمان بنانے آیا ہوں۔

حضورؑ کی اس بات کو نظر انداز کرنے والے آج خود امت مسلمہ کی حالتِ زار پر شکوہ وفریاد کرتے اور مسلمان کو مسلمان بنانے کی ضرورت بیان کرتے نظر آتے ہیں، لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ خود کو مریض مان کر بھی مسیحا کی ضرورت کا انکار کرتے ہیں۔ احمدیہ مسلم جماعت پر یہ الزام تراشی کی جاتی ہے اور عامۃ المسلمین کو اس کے خلاف بھڑکایا جاتا ہے کہ یہ ڈیڑھ ارب مسلمانوں کو مسلمان نہیں سمجھتی۔ حالانکہ ان میں ہر فرقہ دوسرے کو پہلے ہی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج کرچکا ہے اور اب یہ علماء مسلمانوں کو مسلمان بننے اور انہیں اسلام کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ احمدیہ مسلم جماعت کی طرف سے بارہا یہ وضاحت کی جاچکی ہے کہ جہاں اس جماعت کے قیام کا مقصد غیر مسلموں تک اسلام کا پیغام پہنچانا اور دنیا بھر میں اعلائے کلمۂ اسلام ہے وہاں مسلمانوں کو حقیقی اسلام کی طرف دعوت دینا بھی اس کا مقصد ہے۔ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ یہ جماعت مسلمانوں کو کافر سمجھتی ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں:

''مسلمانوں کو چاہئے کہ سچے دل سے خدا تعالیٰ کے احکامات بجالاویں۔ نماز کے پابند ہوں۔ ہر ایک فسق وفجور سے پرہیز کریں۔ توبہ کریں اور نیک بختی اور خدا ترسی اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوں۔ غریبوں اور ہمسائیوں اور یتیموں اور بیواؤں اور مسافروں اور درماندوں کے ساتھ نیک سلوک کریں اور صدقہ وخیرات دیں اور جماعت کے ساتھ نمازیں پڑھیں اور نماز میں اس بلا سے محفوظ رہنے کے لئے رورو کر دعا کریں۔ پچھلی رات اٹھیں اور نماز میں دعائیں کریں۔ غرض ہر قسم کے نیک کام بجالاویں اور ہر قسم کے ظلم سے بچیں اور اس خدا سے ڈریں کہ جو اپنے غضب سے ایک دم میں ہی دنیا کو ہلاک کر سکتا ہے''(مجموعہ اشتہارات۔ جلد سوم صفحہ 6)

دلچسپ بات یہ ہے کہ جب احمدیہ مسلم جماعت مسلمانوں کو حقیقی اسلام اور ایمان کی طرف دعوت دیتی ہے تو یہ علماء بگڑ جاتے ہیں اور اس پر مسلمانوں کی تکفیر کا الزام عائد کر دیتے ہیں لیکن خود مسلمانوں کو یہی دعوت دے رہے ہیں کہ اے ایمان والو! حقیقی ایمان لاؤ۔ گویا کام وہی ہے جو احمدیہ مسلم جماعت کر رہی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بانی جماعت احمدیہ علیہ السلام کا یہ دعویٰ ہے کہ سنّت اللہ اور پیشگوئیوں کے عین مطابق انہیں اللہ تعالیٰ نے اس کام پر مامور فرمایا ہے جبکہ ان علماء کے مطابق وہ خدا جس نے (اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ۔ الحجر:15:10) کا وعدہ کیا تھا وہ نعوذ باللہ اس وعدہ کو بھول چکا ہے اور اپنی جناب سے دینِ اسلام کی حفاظت کے لئے کسی کو نہیں بھیج رہا، نبی اکرم ﷺ نے ہر صدی کے سر پر تجدید واحیاءِ دین کے لئے ایک مجدّد کے ظہور کی جو خوشخبری دی تھی وہ چودھویں صدی میں آکر، نعوذ باللہ، غلط ثابت ہوئی اور اب یہ علماء ہی باقی بچے ہیں جو امت کی ڈوبتی کشتی کو کنارے پر لگائیں گے۔ گویا مسلمانوں کی دگر گوں حالت پر تو کوئی اختلاف نہیں مگر اس حالت کے بدلنے کے طریقِ کار پر اختلاف ہے۔ خدا اور رسول کے نزدیک یہ کام سنت اللہ اور پیشگوئیوں کے مطابق ہوگا جبکہ علماء کے نزدیک اب انہیں آسمانی مدد کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ خود ہی اس مبارک فریضہ کو سرانجام دے لیں گے لیکن اصلاح کی بجائے مزید تفرقہ اور خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ علماء اس پر تو متفق ہیں کہ آج مسلمانوں کے دلوں سے دین وایمان رخصت ہو چکا ہے۔ لیکن افسوس کہ وہ اس حدیثِ مبارکہ کی طرف توجہ نہیں کرتے کہ جب ایسی حالت ہوگی کہ گویا ایمان ثریا ستارے کی بلندی تک جا پہنچے گا تب اہلِ فارس میں سے ایک شخص یا کئی اشخاص اسے واپس کھینچ لائیں گے۔ علماء یہ تو اعتراف کرتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں سے ایمان رخصت ہو چکا ہے گویا ثریا ستارے تک جا پہنچا ہے لیکن یہ نہیں مانتے کہ وعدہ نبوی کے مطابق اسے زمین پر واپس لانے والا پیدا ہو چکا ہے۔ ان کے نزدیک یہ کام اس وعدہ کے برعکس علماء کے ہاتھوں انجام پائے گا۔ جبکہ قرآن وحدیث میں کہیں بھی درج نہیں اور نہ تاریخ امم سابقہ میں کہیں ملتا ہے کہ ایسے پر آشوب دور کی اصلاح علماء کے ہاتھوں ہوئی ہو۔ علماء کے ذریعہ بگڑا ہوا کام مزید بگڑتا تو پڑھا اور دیکھا ہے لیکن اس حالت کا سنورنا کسی مامور من اللہ اور اس کی قائم کردہ جماعت ہی کے مقدر میں ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے علماء کا امت مسلمہ کے زوال کے اعترافی بیانات:

''امریکی مصنّف ڈاکٹر لوتھرپ اسٹاڈرڈ(LOTHROP STODDARD)اپنی شہرۂ آفاق کتاب(NEW WORLD OF ISLAM)(جدید دنیائے اسلام) میں اٹھارویں صدی کی اسلامی دنیا کا نقشہ کھینچا ہے جس میں اگرچہ کہیں کہیں مبالغہ اور بے اعتدالی پائی جاتی ہے، لیکن مجموعی طور پر وہ اس وقت کے عالمِ اسلام کی یکسر غلط تصویر نہیں ہے۔(حاشیہ: نامور مسلمان مبصّر ومؤرخ امیر شکیب ارسلان نے اس کتاب کے عربی ترجمہ(جو''حاضر العالم الاسلامی'' کے نام سے شائع ہوا ہے) کے شہرۂ آفاق حواشی میں عالم اسلام کے اس عمومی جائزہ اور تصویر کشی کی تصویب وتحسین کی ہے اور اس کو واقعہ کے مطابق بتایا ہے) اور اس میں اس کے وہ بہت سے گوشے آگئے ہیں جو اندر رہنے والوں اور ہر وقت کے دیکھنے والوں کو اکثر نظر نہیں آتے۔ اور نئے آنے والے اور پہلی بار دیکھنے والے کو اپنی طرف ملتفت کر لیتے ہیں، اس کی صحت کی پوری ذمہ داری لئے بغیر اس کا یہاں نقل کرنا غلط اور بے محل نہ ہوگا، وہ لکھتا ہے:۔

''اٹھارویں صدی تک اسلامی دنیا اپنے ضعف کی انتہا کو پہنچ چکی تھی، صحیح قوت کے آثار کسی جگہ نہیں پائے جاتے تھے، ہر جگہ جمود وتنزّل نمایاں تھے، آداب واخلاق قابل نفرت تھے، عربی تہذیب کے آخری آثار مفقود ہو کر ایک قلیل تعداد وحشیانہ عشرت میں اور عوام وحشیانہ مذلّت میں زندگی بسر کرتے تھے، تعلیم مردہ ہو گئی تھی اور چند درسگاہیں، جو ہولناک زوال میں باقی تھیں، وہ افلاس وغربت کی وجہ سے دم توڑ رہی تھیں، سلطنتیں مطلق العنان تھیں، اور ان میں بدنظمی اور خونریزی کا دور دورہ تھا، جگہ جگہ کوئی بڑا خود مختار جیسے سلطانِ ٹرکی یا ہند کے شاہانِ مغلیہ کچھ شاہی شان قائم کئے ہوئے تھے، اگرچہ صوبہ جات کے امراء اپنے آقاؤں کی طرح آزاد سلطنتیں جو ظلم واستحصال بالجبر پر مبنی تھیں، قائم کرنے کے بہت کوشاں تھے، اسی

طرح امراء متواتر سرکش، مقامی رئیسوں اور قطّاع الطریق کی جماعتوں کے خلاف جو ملک کو آزار پہنچاتے تھے، بر سرپیکار تھے، اس منحوس طرزِ حکومت میں رعایا لوٹ مار اور ظلم و پامالی سے نالاں تھی، دیہاتیوں اور شہریوں میں محنت کے محرّکات مفقود ہوگئے تھے، لہٰذا تجارت اور زراعت دونوں اس قدر کم ہوگئی تھیں کہ محض سدِّ رمق کے لئے کی جاتی تھیں۔ مذہب بھی دیگر امور کی طرح پستی میں تھا۔ تصوّف کے طفلانہ توہّمات کی کثرت نے خالص اسلامی توحید کو ڈھک لیا تھا، عوام و جہّال تعوید گنڈے اور مالا میں پھنس کر گندے فقراء اور دیوانے درویشوں سے اعتقاد رکھتے تھے، اور بزرگوں کے مزاروں پر زیارت کو جاتے تھے، اور ان کی پرستش بارگاہ ایزدی کے شفیع وولی کے طور پر کی جاتی تھی، کیونکہ ان جہّال کا خیال تھا کہ خدا ایسا برتر ہے کہ وہ اس کی اطاعت بلا واسطہ نہیں ادا کرسکتے، قرآن مجید کی اخلاقی تعلیم کو نہ صرف پس پشت ڈال رکھا تھا، بلکہ اس کی خلاف ورزی بھی کی جاتی تھی، افیون اور شراب خوری عام ہورہی تھی، زناکاری کا زور تھا اور ذلیل ترین اعمال قبیحہ کھلم کھلا بے حیائی کے ساتھ کئے جاتے تھے۔‘‘ (تاریخ دعوت وعزیمت جلد پنجم صفحہ 39-41۔ از مولانا سیّد ابوالحسن علی حسنی ندوی)

’’غرض بارہویں صدی کا ہندوستان سیاسی، انتظامی، اخلاقی اور بہت حد تک اعتقادی حیثیت سے انحطاط و پستی کے اس نقطہ پر پہونچ گیا تھا جو اسلامی ملکوں کے زوال اور مسلم معاشرہ کی پستی کا افسوسناک اور خطرناک مرحلہ ہوتا ہے، مولانا سیّد سلیمان ندوی نے اس مجموعی صورتحال کا نقشہ اپنے ایک مضمون میں بڑی بلاغت و اختصار کے ساتھ کھینچا ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

’’مغلیہ سلطنت کا آفتاب لبِ بام تھا، مسلمانوں میں رسوم و بدعات کا زور تھا، جھوٹے فقراء اور مشائخ اپنے بزرگوں کی خانقاہوں میں مسندیں بچھائے اور اپنے بزرگوں کے مزاروں پر چراغ جلائے بیٹھے تھے، مدرسوں کا گوشہ گوشہ منطق و حکمت کے ہنگاموں سے پرشور تھا، فقہ و فتاویٰ کی لفظی پرستش ہر مفتی کے پیشِ نظر تھی، مسائل فقہ میں تحقیق و تدقیق مذہب کا سب سے بڑا جُرم تھا، عوام تو عوام خواص تک قرآنِ پاک کے معانی و مطالب، اور احادیث کے احکامات و ارشادات، اور فقہ کے اسرار و مصالح سے بے خبر تھے۔(حاشیہ: مقالاتِ سلیمانی صفحہ 44)‘‘(تاریخ دعوت وعزیمت جلد پنجم صفحہ 64۔ از مولانا سیّد ابوالحسن علی)

’’ڈریپر نے اپنی کتاب ’’مذہب و سائنس‘‘ میں ایک جگہ لکھا ہے کہ:۔’’اسلام کی بڑھتی ہوئی فتوحات کو چارلس مارشیل کی تلوار نے نہیں روکا بلکہ ان کے باہمی اندرونی فساد سے یورپ کو ان کے ہاتھ سے نجات ملی۔‘‘اور حق یہ ہے کہ ملّتِ اسلامی کی شیرازہ بندی کو منتشر کرنے، اس کی قوّت کو کمزور کرنے، اور دشمن کو اندر گھسنے کا موقع جتنا ان داخلی اختلافات نے دیا ہے اتنا خارجی حملوں نے نہیں۔ مذہبی تفریق اور تعصب اس درجہ پہونچ گیا تھا کہ اس کی نظیر شاید ہندوستان کی تاریخ میں نہ اس سے پہلے صدیوں میں ملے گی اور نہ اس کے بعد کے زمانہ میں۔ مناظروں، تکفیر و تفسیق، دشنام طرازی و افترا پردازی سے آگے بڑھ کر بات مقدمہ بازی اور فوجداری تک جا پہنچی تھی اور ایک دو نہیں خاصی تعداد میں ایسے مقدمے غیر مسلم حکام کے سامنے پیش ہونے لگے جن پر غیر مسلموں کو ہنسنے کا موقع ملتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ نہ صرف انگریزوں اور ہندوؤں کو بلکہ خود مسلمانوں کو اپنے دین و ثقافت سے یک گونہ بدگمانی پیدا ہورہی تھی۔ ان کے سامنے ایک طرف انگریزوں کا اتحاد، عیسائیوں کی ہم آہنگی اور سرگرمی تھی۔ دوسری طرف جماعتی تعصب کے یہ افسوسناک مظاہر تھے جن کے تصور سے ایک مسلمان کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ مرزا حیرت دہلوی نے دو سگے بھائیوں کی لڑائی کا افسوسناک اور چشم دید واقعہ قلمبند کیا ہے جس کو پڑھ کر مسلمانوں کی زبوں حالی کی تصویر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے:۔’’میں نے یہ خونی منظر اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔ میں نے سگے بھائیوں کو لڑتے ہوئے خود ملاحظہ کیا ہے۔ میں نے یہ جگر کا شق کرنے والا ٹکڑا بڑے بھائی کی زبانی جب اس نے چھوٹے بھائی کا ہاتھ توڑ ڈالا ہے خود سنا ہے۔۔ افسوس ہم مسلمان ہی نہ پیدا ہوتے تو یہ دردناک حادثہ نہ ہوتا۔۔ جب چھوٹا بھائی گرا ہے اور ایک ہولناک چیخ ماری تو بڑے بھائی کا دل بھر آیا اور خونِ برادری زور زور سے اس کی رگوں میں جوش مارنے لگا، ہاتھ سے لکڑی پھینک دی، دوڑ کے اپنے بھائی سے لپٹ کر رونے لگا اور مذکورۂ بالا فقرہ کہہ کے ان مولویوں کی شان میں گستاخی کرنے لگا جنہوں نے لڑوایا تھا اور یہاں تک نوبت پہونچائی تھی۔ اس جھگڑے میں صرف پنجابی تھے (پنجاب کے آدمیوں سے مراد نہیں ہے بلکہ ان لوگوں سے مراد ہے جو دہلی میں مشہور ہیں)‘‘ ان ہی پنجابیوں کے متعلق مرزا حیرت نے لکھا ہے کہ:۔’’یہ وہ

لوگ تھے جو یتیم خانوں اور تعلیم گاہوں کے قیام میں پیش پیش رہتے تھے اور ہر اجتماعی اور مفید منصوبہ میں بڑھ چڑھ کر مالی امداد دینے کے لئے تیار رہتے تھے اور اسلام کے نام پر بڑے بڑے کام اور قربانی کے لئے سب سے آگے نظر آتے تھے"لیکن ان لوگوں کی اس صلاحیت اور قوت کا جو میدان بدقسمتی سے علماء نے ان کے لئے پسند کیا اس کا ذکر ابھی گذرا ہے۔ چنانچہ یہی قوم دیکھتے دیکھتے بأسهم بينهم شديد کی زندہ تصویر بن گئی، اور مختلف صفات اور صلاحیتوں کے افراد جو ایک لڑی میں پیوست تھے، باہم دست و گریبان اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نظر آنے لگے اور ان کو دین و مذہب اور شرافت و انسانیت کا بھی پاس نہ رہا۔ مرزا حیرت دہلوی کے رسالہ مقصد ندوۃ العلماء سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں کوٹلہ والی مسجد میں صرف آمین بالجہر پر جھگڑا اتنا بڑھا کہ دو الگ پارٹیاں بن گئیں، ایک پارٹی چاہتی تھی کہ آمین زور سے کہا جائے اور ایک چاہتی تھی کہ چپکے سے۔ اس پر سخت لڑائی ہوئی، متعدد آدمی زخمی ہوئے، پھر مقدمہ چلا اور اس پر ہزاروں روپیہ برباد ہوا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں پارٹیوں میں ہمیشہ کے لئے نفرت و عداوت پیدا ہو گئی اور پھر آج تک ختم نہ ہوئی۔ اسی طرح میرٹھ میں مقلدین و غیر مقلدین کی کشمکش اتنی بڑھ گئی کہ ہائی کورٹ تک مقدمہ پہونچا۔۔۔ اس کے علاوہ علی گڑھ کا مشہور مقدمہ زہر خورانی اس افسوسناک صورتحال کی ایک اور مثال ہے۔ مولانا لطف اللہ صاحب کو زہر دیا گیا لیکن وہ تکلیفیں اٹھانے کے باوجود بچ گئے، لاٹھیاں چلیں، مقدمہ بازی ہوئی اور وہ سب کچھ ہوا جو مسلمانوں کا سر شرم سے جھکا دینے کے لئے کافی ہے اور وہ ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ کا ایک بدنما داغ ہے۔ بقول مرزا حیرت کے کہ:۔ "اگر یہ تمام کیفیت مفصل طور پر لکھی جائے اور مستقل کتابی صورت میں اس ماتمی حالت کو لایا جائے تو یہ وہ تاریخ ہو جو صدہا برس تک ہماری آئندہ مہذب نسلوں کو خصوصاً اور غیر قوموں کو عموماً ہم پر اور موجودہ اسلام پر خندہ زنی کا موقع دے گی۔"(سیرت مولانا محمد علی مونگیری بانی ندوۃ العلماء۔ تالیف سیّد محمد الحسنی۔ ص-104-100)

"آج سے تقریباً سو اصدی پہلے ۱۳۰۴ھ میں ہمارے ممدوح رئیس المفسرین، قدوۃ السالکین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ، امام الہند مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور مفسر قرآن مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن و حدیث کا درس لے کر واپس اپنے قصبہ "واں بھچراں" پہنچے، تو انہوں نے محسوس کیا کہ پورا علاقہ اور سارا ماحول شرک و بدعات کے طوفان میں گھرا ہوا ہے۔ مسجدیں ویران اور قبریں آباد ہیں، اللہ تعالیٰ کے گھر کچے اور بزرگوں کے مزار سنگ مرمر سے آراستہ ہیں، خانۂ خدا ایک دیئے کے لئے ترس رہا تھا اور قبریں قمقموں سے روشن تھیں، مساجد دریوں اور صفوں تک سے محروم تھیں اور مزار ریشمی غلافوں سے اور پھولوں کی چادروں سے ڈھکے ہوئے، اللہ تعالیٰ کے نام پر زکوٰۃ و عُشر دینے کا رواج نہیں تھا مگر بزرگوں کے نام کی نذر و نیاز کو فرض کا درجہ تک دے دیا گیا تھا۔ قرآن کی تلاوت کی بجائے غیر اللہ کے نام کے وظیفے وردِ زبان تھے، جن مساجد میں حکم قرآنی تھا فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا انہی مساجد کے محراب کی ایک جانب جلی حروف سے یَا رسُول اللّٰہ اُنظر حالنا یَا رسُول اللّٰہ اِسمع قالنا اور دوسری جانب یَا شیخ عبدالقادر جیلانی شَیئًا للّٰہ لکھ دیا گیا تھا۔ محراب و منبر کا وارث طبقہ لوگوں کو توحید کے بجائے شرک اور سنت پر عمل پیرا ہونے کی جگہ بدعات کے ارتکاب کا درس دے رہا تھا۔ علماء کہلانے والے ذاتی اور عطائی کی تقسیم کے ذریعہ امام الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور اولیاء اللہ کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر ثابت کرنے پر ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے تھے۔ بشریت النبی ﷺ کے صاف اور واضح عقیدے سے صرف نظر کر کے لوگوں کو نُورٌ مِنْ نُورِ اللّٰه کے سبق پڑھائے جا رہے تھے، امام الانبیاء ﷺ اور بزرگانِ دین کو مختارِ کل، مشکل کشا، حاجت روا، اور متصرف فی الامور مانا جا رہا تھا، قبروں کو پختہ کرنا، ان پر چادریں چڑھانا، چراغ روشن کرنا، پھول چڑھانا، مجاورت کرنا، عرس کروانا، قبروں کو چومنا چھونا اور سجدے کرنا، جالیوں کو بوسے دینا، عرضیاں پیش کرنا، وہاں بکرے اور چھترے ذبح کرنا، بزرگوں کے نام کی منتیں ماننا، نیازیں دینا اور پکارنا غرضیکہ شرک و بدعات کی کالی چادر نے فضا کو ڈھانپ رکھا تھا۔ مرنے کے بعد قل، تیجے، ساتے، دسویں، چالیسویں اور برسیوں کا رواج تھا، خوشی اور غمی کے مواقع پر دُکھ اور سکھ کے ایام میں غیر شرعی رسمیں اور بدعات نے دین کا روپ اختیار کر لیا تھا۔ وارثین منبر و محراب عوام الناس کو وارث شاہ کی ہیر اور سیف الملوک گا گا کر سنا رہے تھے، جھوٹے قصے، بے بنیاد کہانیاں (مثلاً برات والے بیڑے کو غرق کرنا پھر ۱۲ سال کے بعد بیڑے کو کنارے لگانا، عزرائیل سے روحوں والا تھیلا چھین لینا، پیر پیران کا منکر نکیر سے جھگڑنا کہ یہ میرا دھوبی ہے، پیروں کی بلیوں کا غیب جاننا، قبروں سے سلام کا جواب آنا، کبھی کبھی قبروں سے ہاتھ کا باہر نکلنا، مُردوں سے عالم بیداری میں مُلاقاتیں، سورج کی تپش سے بوٹی کا بھوننا) من گھڑت روایات، موضوع حدیثیں، بزرگوں کے خواب، کشف، بے سروپا اقوال ان کی تقریروں اور خطبوں کی زینت بنتے۔ توحید کا نام تک ان کی زبان پر نہ آتا، شرک کی حقیقت کو بیان کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی، سنت کی اہمیت کو بیان کرنے اور بدعات کی تردید سے ان کی زبانیں گنگ تھیں۔ رہا قرآن مجید کو بیان کرنا، تو یہ ان کے بس کا روگ اس لئے نہیں تھا کہ انہوں نے خود قرآن مجید کی تفسیر سبقاً

کسی استاد سے نہیں پڑھی تھی، زیادہ سے زیادہ مدارس میں جلالین اور بیضاوی کا کچھ حصہ اور وہ بھی تبرکاً پڑھ کر مطمئن تھے کہ ہم تفسیر کے علم میں تکمیل کر چکے ہیں۔"(مقدمہ از محمد عطاء اللہ بندیالوی۔ صفحہ ۱۰،۹۔ کتاب مولانا حسین علی۔(واں بھچراں) شخصیت کردار تعلیمات۔ مصنف میاں محمد الیاس)

" 1344ھ ہجری نبوی جو ہماری تالیف کا مبدا ہے وہ زمانہ تھا جس میں معصیت و بد دینی کی گھنگھور گھٹائیں امنڈ امنڈ کر عالم کو محیط ہوتی جاتی تھیں بطحائی پیغمبر کے لگائے ہوئے باغیچے کو ویران کرنے کی کوشش میں صِرف دشمن ہی نہیں بلکہ دوست نما اصحاب بھی لگے ہوئے تھے۔ بھولے بھالے مسلمان زمانہ کی روش کے ایسے غلام بن چکے تھے کہ قومی رسم اور برادرانہ رواج ان کو جس کروٹ لٹاتا وہ لیٹتے اور جس پہلو بٹھاتا وہ بیٹھتے تھے۔ دین کی بیخبری جسکو جہالت کہا جاتا ہے اکثر ایمان لائے ہوئے دلوں اور اسلام کا کلمہ پڑھی ہوئی زبانوں پر بھی اس قدر چھائی ہوئی تھی جس طرح برسات کے موسم میں سیاہ اور گنجان بادل آفتاب پر چھا جاتے اور دن کو رات بنا چھوڑتے ہیں۔ تمدن و سیاست اور معاملات و طرز معاشرت اس درجہ بگڑ گیا تھا کہ عام خیالات اور اکثر زبانیں متفق اللفظ اس کی قائل تھیں کہ اسلام صرف نماز روزہ اور چند غیبی خبروں یعنی بہشت کی حوروں اور دوزخ کے سانپ بچھّو یا قبر کے کیڑے مکوڑوں کے تذکرے کا نام ہے اس کو انسان کی معاش و گزرانِ حیات یا دیگر حالاتِ ظاہری و باطنی سے کوئی علاقہ نہیں ہے جس طرح چاہو تجارت کرو اور جو چاہو کھاؤ پیؤ جو چاہو پہنو اور جس طرح چاہو نشست و برخاست اور ملاقات و معاشرت کے طریقے اختیار کرو غرض ہر امر میں آزاد ہو اور اگر کبھی پابندی کا خیال آیا تو اصولِ تجارت میں ان اقوام کی تقلید اختیار کی جن کو اسلام سے عداوت اور بانیٔ اسلام سے طبعی عناد تھا۔ طرزِ معاشرت و اندازِ نشست و برخاست میں اتباع کیا تو ان قدیم یا جدید فلاسفروں کا جو اصلاح کے پردہ میں تخریب کے درپے تھے۔ شادی و غمی کے حوادث اور موت و حیات کے لابد پیش آنے والے واقعات میں اطاعت بھی کی تو ان پرانی پڑی ہوئی رسوم کی جن کو شرع تو شرع عقل بھی کسی طرح قبول نہ کرے۔ اور اگر کوئی صاحب ہمت حضرت کسی طرح قبول نہ کرے۔ اور اگر کوئی صاحب ہمت حضرت تہذیب و اصلاح نفس کی جانب متوجہ ہوئے تو ان جہالت کے پتلوں اور ان پڑھ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے جن کو خدائی کے دعوے میں بھی شرم نہ آئے۔ غرض کچھ ایسی کایا پلٹی اور ظلمت برسی ہوئی تھی کہ بد دینی کا نام دین تھا اور بربادی کا نام شادی جہل کا نام علم تھا اور خرافات و شعبدہ بازی کا نام کشف و کرامات نہ معاملات کی تعلیم نہ اخلاق کی تفہیم نہ الوہیت و رسالت کی تعظیم نہ آداب و مقامات نفس کی تتمیم ایک طوفانِ ضلالت تھا کہ لہراتا ٹکراتا اور گمراہی کا ایک سیلابِ عظیم تھا کہ بڑھتا اور شور مچاتا چلا آتا تھا جس کے مہلک و تباہ کن نتائج کا خلاصہ یہ تھا کہ علم شریعت مصطفیّہ کی تحقیر اور طرز تمدن نبویہ کی تذلیل و توہین بڑھتی جاتی تھی۔ عوام اپنے آپ کو علماء سے مستغنی و بے نیاز سمجھتے تھے اور نام کے علماء تہذیب نفس سے محرومیت کے باعث ان کے خوشامدی غلام اور تنخواہ دار ملازم بنتے اور دین فروشی کے ذریعہ سے رہی سہی علمی عزّت کو دھکے دے رہے تھے۔ جس طرح کسی زمانہ میں اہل عرب نے بیت اللہ زادہا اللہ شرفاً کو ایام سال کی مقدار پر بتوں کو سجایا اور نیکوکاری سمجھا تھا اسی طرح ہندوستان میں بد دینی و بدعقیدگی کے گویا روزانہ نئے مخترعہ خیالات جزو اسلام بنائے جاتے اور تائید دین متین سمجھی جاتی تھی۔ کسی طرف نیچریت کا غلبہ تھا اور کسی جانب اعتزال و دہریت کا۔ کہیں رفض و تشیع کا زور تھا اور کہیں خروج کا۔ ایک جانب عدم تقلید پھیل رہی تھی تو دوسری طرف قرانیت و مرزائیت کا بیج پڑ رہا تھا۔ یہاں ڈھولک و ستار کڑک رہے تھے تو وہاں بازاری عورتوں کے گانے پر وجد و حال گرم تھا۔ یہاں گور پرستی و تعزیہ پرستی ہو رہی ہے تو وہاں اولیاء اللہ کی توہین و بدزبانی غرض افراط و تفریط نے وہ مٹی خراب کر رکھی تھی کہ الامان اور اعتدال سے محرومیت نے وہ ناس مار رکھا تھا کہ الحفیظ۔ سب پر طرّہ علماء کا اختلافِ رائے کہ جس کو دیکھئے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا بنانے کی فکر و تدبیر۔ حبِ جاہ و حبِ مال اور طمع نفسانی و حرص حیوانی جہاں دوسرے مسلمانوں میں سرایت کیے ہوئے تھی اسی طرح بلکہ کچھ زیادہ اِن اصحاب میں بھی گھسی ہوئی تھی جو پیشوا و مقتدا سمجھے جاتے تھے۔ آٹھ آنے پیسوں پر جس مضمون کا چاہو ان سے وعظ کہلالو اور پچیس ٹکوں پر جس فتوے اور جس مسئلہ پر چاہو دستخط کرالو اور منشا کے موافق لکھوالو۔ گویا سخت پتھر بنے ہوئے سرچشمۂ اسلام کے دہانہ پر اڑے ہوئے تھے کہ شیریں و خوشگوار پانی سے نہ خود سیراب ہوتے تھے نہ وہاں سے ہٹتے اور دہانہ کھولتے تھے کہ خدا کے دوسرے بندے ہی سیراب ہو جائیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡن۔"
(تذکرۃ الرشید۔ ص 10,9)

"اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے اُن کے قلب میں انشراح وانبساط نہیں رہتا بلکہ اول استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی ہی بعید ہو اور خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ

میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ خود اپنے دل میں اُس تاویل کی وقعت نہ ہو مگر نصرت مذہب کے لئے تاویل ضروری سمجھتے ہیں دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صریح پر عمل کرلیں۔" (تذکرۃ الرشید حصہ اول صفحہ 131)

زمانہ بعد از مسیحؑ کے مسلمانوں کا حال

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دورِ مبارک سے لے کر موجودہ دور تک کے بہت سے غیر احمدی علماء اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمانوں میں حقیقی اسلام ناپید ہو چکا ہے، ان کے دلوں سے حقیقی ایمان اُٹھ چکا ہے اور اس وقت جو اسلام رائج ہے وہ نسلی اور روایتی اسلام ہے، حقیقی اسلام نہیں۔ علماء کے نزدیک ملتِ اسلامیہ کے زوال و انحطاط کی بڑی وجہ اسی حقیقی اسلام کا ناپید ہونا اور ایمان کا اُٹھ جانا ہے۔ جوابِ شکوہ میں علامہ اقبال نے اور مسدسِ حالی میں علامہ الطاف حسین صاحب حالی کے علاوہ دورِ حاضر کے علماء نے مسلمانوں کی اسی حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔

سیّد ابو الاعلیٰ مودودی صاحب

مودودی صاحب کے نزدیک موجودہ دور کے مسلمان محض اس لئے مسلمان ہیں کہ وہ مسلمان گھروں میں پیدا ہوتے ہیں اور ورثہ میں اسلام پاتے ہیں۔

"یہ انبوہ عظیم جس کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس کے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق اور باطل کی تمیز سے آشنا ہیں۔ نہ ان کا اخلاقی نقطہ نظر اور ذہنی رویہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آرہا ہے اسلئے یہ مسلمان ہیں۔" (مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش۔ حصہ سوم ص ۱۳۰)

"یہاں جس قوم کا نام مسلمان ہے وہ ہر قسم کے رطب و یابس لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ کیرکٹر کے اعتبار سے جتنے ٹائپ کافر قوموں میں پائے جاتے ہیں اتنے ہی اس قوم میں بھی موجود ہیں۔ عدالتوں میں جھوٹی گواہیاں دینے والے جس قدر کافر قومیں فراہم کرتی ہیں غالبًا اسی تناسب سے یہ بھی فراہم کرتی ہے۔ رشوت، چوری، زنا، جھوٹ، اور دوسرے تمام ذمائمِ اخلاق میں یہ کفّار سے کچھ کم نہیں ہے۔ پیٹ بھرنے اور دولت کمانے کے لئے جو تدبیریں کفّار کرتے ہیں وہی اس قوم کے لوگ بھی کرتے ہیں۔ ایک مسلمان وکیل جان بوجھ کر حق کے خلاف اپنے مؤکل کی پیروی کرتے وقت خُدا کے خوف سے اتنا ہی خالی ہوتا ہے جتنا ایک غیر مسلم وکیل ہوتا ہے۔ ایک مسلمان رئیس دولت پاکر، یا ایک مسلمان عہدہ دار حکومت پاکر وہی سب کچھ کرتا ہے جو غیر مسلم کرتا ہے۔" (ایضًا صفحہ۔ 173)

بانی جماعت اسلامی سیّد ابو الاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ قیامِ جماعت اسلامی سے پہلے وہ بھی دیگر مسلمانوں کی طرح دینِ آباء پر قائم تھے:

"ایک وقت تھا کہ عام مسلمانوں کی طرح میں خود بھی روایتی اور نسلی مذہبیت کا قائل اور اس پر عمل پیرا تھا۔ جب ہوش آیا تو محسوس ہوا کہ اس طرح محض مَا اَلْفَیْنَا عَلَیْہِ اٰبَاءَنَا کی پیروی ایک بے معنی چیز ہے۔ آخر کار میں نے کتاب اللہ اور سنّت رسولؐ اللہ کی طرف توجہ کی، اسلام کو سمجھا اور جان بوجھ کر اس پر ایمان لایا۔ پھر آہستہ آہستہ اسلام کے مجموعی اور تفصیلی نظام کو سمجھنے اور معلوم کرنے کی کوشش کی۔ جب اللہ تعالیٰ نے قلب کو اس طرف سے پوری طرح مطمئن کر دیا تو جس حق پر خود ایمان لایا تھا اس کی طرف دوسروں کو دعوت دینے کا سلسلہ شروع کیا۔" (رودادِ جماعتِ اسلامی، حصہ اوّل، ص۔ 9,10)

اس نسلی و روایتی مذہب کو ترک کرتے ہوئے جماعت اسلامی کی بنیاد رکھتے وقت مودودی صاحب سمیت تمام بانی اراکین نے نئے سرے سے کلمہ شہادت پڑھ کر از سرِ نو ایمان لانے اور جماعت اسلامی میں شریک ہونے کا اعلان کیا۔ گویا اس بات کا اقرار کیا کہ آج سے پہلے وہ حقیقی مسلمان نہیں تھے اور آج وہ جس جماعت میں شامل ہو رہے ہیں وہ حقیقی اسلامی جماعت ہے جس کے علاوہ روئے زمین پر کوئی حقیقی اسلامی جماعت موجود نہیں:

”اس کے بعد سب سے پہلے مودودی صاحب اٹھے اور کلمہ شہادت اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اعادہ کیا اور کہا کہ لوگو! گواہ رہو کہ میں آج از سرِ نو ایمان لاتا اور جماعت اسلامی میں شریک ہوتا ہوں۔ اس کے بعد محمد منظور نعمانی صاحب کھڑے ہوئے اور آپ نے بھی مودودی صاحب کی طرح تجدیدِ ایمان کا اعلان کیا۔ بعد ازاں حاضرین میں سے باری باری کرکے ہر شخص اٹھا، کلمہ شہادت ادا کیا، اور جماعت میں شریک ہوا۔“(رودادِ جماعت اسلامی حصہ اوّل صفحہ 19)

”میں صرف غیر مسلموں ہی کو نہیں بلکہ خود مسلمانوں کو بھی اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اس دعوت سے میرا مقصد اس نام نہاد مسلم سوسائٹی کو باقی رکھنا اور بڑھانا نہیں ہے جو خود ہی اسلام کی راہ سے بہت دور ہٹ گئی ہے، بلکہ یہ دعوت اس بات کی طرف ہے کہ آؤ اس ظلم و طغیان کو ختم کردیں جو دنیا میں پھیلا ہوا ہے، انسان پر سے انسان کی خدائی کو مٹادیں اور قرآن کے نقشہ پر ایک نئی دنیا بنائیں جس میں انسان کے لئے بحیثیت انسان کے شرف و عزّت ہو، حریت و مساوات ہو، عدل اور احسان ہو۔“(تحریک آزادی اور مسلمان حصہ دوم صفحہ۔24,25)

”جس سچے نبی کو مسلمان مانتے ہیں اور آخری نبی مانتے ہیں اور جس کی شمع ناموس کے پروانے بن کر قربانیاں دیتے نظر آتے ہیں، اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں اسی نبی کی نورانی ہدایت، اس کی سچی تعلیم، اس کے لائے ہوئے نظامِ فلاح سے کھلا کھلا انحراف کرتے ہیں، اس نبی کی سنّت کی دھڑلے سے مخالف کرتے ہیں، اس کے سکھائے ہوئے اصولِ حیات کا مذاق اڑاتے ہیں، اس کی پیش کردہ معاشرت و تہذیب کے خلاف دلیل بازی کرتے ہیں، اس کے دین کے علمبرداروں کو کچلتے ہیں اور احیائے اسلام کی تحریکوں پر تشدد کرتے ہیں۔“(ترجمان القرآن۔ اگست 1954، صفحہ 61)

”پھر حصولِ مقصد کے لئے اب تک جو جدّوجہد ہوئی ہے اس کے بارے میں جرأت کے ساتھ یہ تلخ حقیقت ہمیں مان لینی چاہئے کہ اس میں ایسے پہلو بہت بڑے پیمانہ پر موجود تھے جن کا روادار خود اسلام نہیں اور جن سے اللہ اور اس کا رسولؐ کبھی راضی نہیں ہوسکتے۔ اس جدّوجہد میں اخلاص کے ساتھ مفاد پسندی، راستی کے ساتھ چالبازی، ایثار کے ساتھ ریا، اسلامی کردار کے ساتھ پستیٔ اخلاق، عزیمت کے ساتھ بزدلی اور نظم کے ساتھ ہڑبونگ کی بہت بڑی آمیزش موجود تھی۔“ (ترجمان القرآن۔ اگست 1954، صفحہ 62)

محمد منظور نعمانی صاحب

تحریک پاکستان کے دوران مسلم لیگ اور کانگرس نواز علماء کے درمیان کشمکش اور مسلمانوں کی اخلاقی حالت کا حال بیان کرتے ہوئے مشہور دیوبندی عالم محمد منظور نعمانی صاحب علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

”لیکن اس انتخابی ہنگامے میں مسلمانوں کے دین و اخلاق کا جو خون ہو رہا ہے اور دیانت و آدمیت جس بری طرح پامال اور ذبح کی جارہی ہے اور شیطنت و درندگی کے تمام اوصاف جس وسیع پیمانے پر امت میں فروغ پارہے ہیں، اخباروں میں اس کا حال پڑھ پڑھ کر اور مقامی حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر مجھ جیسے ایک عامی اور سیاہ کار کے دل پر بھی جو کچھ گزر رہی ہے لفظوں میں اس کی تعبیر سے عاجز ہوں۔ میں اپنے تاثر و احساس پر قیاس کرکے قسم کھاسکتا ہوں کہ اگر جناب رسول اللہ ﷺ ہماری اس دنیا میں تشریف لے آئیں اور ہمارے اس الیکشنی ہنگامے اور اس کے سلسلے میں جو کچھ ہو رہا ہے دیکھیں تو یقیناً آپ کو اتنا عظیم صدمہ ہوگا کہ اس سے پہلے شاید کوئی سانحہ اتنا تکلیف دہ نہ ہوا ہوگا۔۔ میرا خیال ہے کہ لاکھوں مسلمانوں کا کافروں کی تلواروں سے شہید ہو جانا اور بڑے بڑے ملکوں کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر کافروں کے ہاتھ میں چلا جانا بھی مزاج نبوی کے لئے اتنا تکلیف دہ نہیں جتنا کہ مسلمان قوم کا دین اور اخلاق و آدمیت کو خیرباد کہہ کر شیطان اور درندہ بن جانا اور صرف سیاسی اختلاف رائے کی وجہ سے خصوصاً صلحاء و علماء کی آبروؤں اور جانوں کے درپے ہو جانا۔۔۔ 19 نومبر 1945ء کو یہاں بریلی میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی تشریف لائے تھے۔ میں چونکہ اس الیکشن سے بالکل یکسو اور غیر متعلق ہوں اس لئے مجھے مولانا کی تقریر تو سنی

نہ تھی البتہ حالات کا مطالعہ کرنے کے لئے اور اس واسطے کہ اخبارات وغیرہ سے مسلمان قوم کے فساد مزاج کا جو عمومی اندازہ مجھے ہو رہا ہے مشاہدہ سے اس کی تصحیح کر سکوں۔ میں بھی چلا گیا اور خاص جلسہ گاہ میں بیٹھنے کی بجائے الگ ایک ایسے مقام پر کھڑا ہو گیا کہ سب کچھ وہاں سے دیکھوں۔ پھر بد نصیبی نے جو کچھ دکھایا قلم سے یا زبان سے کسی طرح بھی اس کو ادا نہیں کیا جا سکتا۔ گالیوں اور بد تمیزیوں کا ایک عجیب و غریب طوفان تھا، معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب کے سب نہ صرف دین و اخلاق ہی کو خیر باد کہہ کر آئے ہیں بلکہ ادنیٰ درجہ کی انسانیت کا جامہ بھی اتار کے بھوت اور درندے ہو گئے ہیں۔ غدار کہہ کہہ کر کسی کے خلاف نعرے لگانا تو آج کل کا عام فیشن ہے۔ اس کا تو ذکر ہی کیا۔ لیکن اس کے علاوہ جو سخت متعفن اور گندی غلیظ گالیاں ان لوگوں نے بکیں اور خالص حیوانیت اور شیطانیت کے جو شرمناک اور انسانیت سوز مظاہرے کئے اور جوتے ڈنڈے اور ہاکیاں دکھا دکھا کے [جس] اخلاق باختگی کا نمونہ دکھایا اور پھر آخر میں [جس] بے دردی سے سارے جلسے پر پتھراؤ کیا۔۔ اس طرح کا منظر دیکھنے کا میرے لئے یہ پہلا موقع تھا اور اب میں اس یقین کو بآسانی اپنے دل سے نہیں دھو سکتا کہ ان لیگی عناصر کے ہاتھ میں کسی اقتدار کا آنا بدترین دشمن دین طاقت کے پاس اقتدار جانے کے مترادف ہے۔ اور دین اور اہل دین کو جو نقصان اس اقتدار سے پہنچ سکے گا غالبًا انگریز اور ہندو نہ پہنچا سکے گا۔۔ اگر یہ اپنی خواہشات کے مطابق دین کا مثلہ بھی کرنا چاہیں گے اور اہل دین کو پھانسیاں بھی دیں گے تو اسلامی مفاد کا نعرہ لگا کر اور غدار غدار کا شور مچا کر دیں گے اور مسلم قوم کے مفاد کے نام پر عوام مسلمانوں کو بھی اتنا گمراہ کر سکیں گے کہ پھر رائے عامہ ان سے کوئی احتساب نہ کرے گی۔ ''(خطبات عثمانی صفحہ 154-156. مرتب پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی۔ اشاعت اول اپریل 1972ء۔ ناشر نذر سنز، لاہور)

شبّیر احمد عثمانی صاحب

اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے طلباء اور اساتذہ کا حال زار اس طرح بیان کرتے ہیں:

''آپ آج لیگیوں کے جس طغیان وعدوان کا ماتم کر رہے ہیں [اس] کی بنیاد فی الحقیقت ہمارے علماء نے اپنے ہاتھوں سے [اُس وقت] ڈالی۔۔۔ وہ قضیہ کسی کالج اور سکول کے طلبہ کا نہیں بلکہ ایک مشہور دارالعلوم کے طلبہ کا ہے جس کے آپ رکن بھی ہیں۔ اس دارالعلوم کا ہے جو دین علم اور اخلاق وروحانیت کا مرکز ہے۔ جہاں بخاری کی کتاب الادب پڑھائی جاتی ہے۔ بریلی میں جن شریروں نے یہ حرکات کیں وہ مولانا کے مرید یا شاگرد نہ تھے اور اپنے زعم میں یہ سمجھ رہے تھے کہ مسلم قوم کو ہندوؤں کا دائمی غلام بنایا جا رہا ہے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ مولانا الیکشن کے سلسلے میں دورے کر رہے ہیں وہ ہی مضامین یہاں بیان کریں گے۔ لیکن دارالعلوم کے طلبہ نے اس شخص کے حق میں وہ حرکات کیں جو ادارے کا صدر اور ان کے اکثر استادوں کا بلاواسطہ یا بالواسطہ استاد تھا۔ فحش اور گندی گالیاں لکھ لکھ کر بھیجیں جو بازاری لوگ بھی استعمال نہیں کر سکتے۔ کارٹون بنا کر لگائے۔ جنازے نکالے اس پر لکھا کہ ابو جہل کا جنازہ جا رہا ہے۔ نعروں کا تو ذکر ہی کیا۔ پندرہ طلبہ نے قتل کے حلف اٹھائے۔ محلے کی مسجد کے اندر دیوار پر لکھا اس مسجد میں نماز جائز نہیں کیوں کہ فلاں شخص اس میں نماز پڑھ گیا ہے۔ نیچی داڑھیوں اور لمبے کرتوں کا مذاق اڑایا۔ ان حرکات کو دیکھ کر بہت سے استاد اور ذمہ دار خوش ہوتے تھے اور ایسے نالائق مفسدوں کی پُرزور حمایت وہاں کی سب سے بڑی ذمہ دار مجلس نے برملا کی، جس کے ایک رکن اب آپ بھی ہیں۔ کسی کی زبان سے حرف ملامت بھی نہ نکلا۔ حالانکہ وہ ان کے کنٹرول میں تھے۔ ہمارا کنٹرول کالجوں کے طلبہ اور عوام پر کیا ہے پھر بھی ہم نے سخت ترین الفاظ میں ملامت تنبیہ اور اظہار بیزاری تو کیا۔ افسوس آپ کی نظر کبھی اس طرف ملتفت نہیں ہوئی۔ یہ سب کچھ اس جماعت کی طرف سے ہوا جو دنیا کی ہادی بننے والی ہے۔ کیا رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک کو علماء کی ان حرکات سے کوئی صدمہ نہیں پہنچتا ہوگا۔ مگر یہ طوفان لایا ہوا کس کا ہے اس کے اصل اسباب پر غور کیجئے جن کی طرف ہلکا سا اشارہ شروع خط میں کر چکا ہوں۔ ''(خطبات عثمانی صفحہ 158-159.)

''مسلمانوں کو مسلمان بننا چاہئے۔ بہر حال اب ہم کو یہ شکوہ نہیں رہا کہ دوسروں نے ہمارے ساتھ ایسا کیوں کیا۔ بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ اب ہم کو اُن کے ساتھ بلکہ خود اپنے ساتھ کیا کرنا چاہئے۔ آپ میں سے ہر شخص غالبًا دل ہی دل میں یہ کہتا ہو گا کہ میں آپ کو اس درد کا کوئی انوکھا علاج بتاؤں گا۔ یا کوئی نرالی ترکیب جو ہمارے مصائب کا خاتمہ کر دے گی تلقین کروں گا۔ لیکن میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ اس انتظار کی تکلیف نہ اٹھائیں۔ میں آپ سے صرف ایک ایسی چیز کے حاصل کرنے کو کہوں گا جس کو آپ سمجھ رہے ہیں کہ وہ پہلے سے حاصل ہے۔ یعنی میں مسلمانوں کو کہتا ہوں کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ ایمان کا دعویٰ رکھنے والوں سے کہتا

ہوں کہ وہ اپنے اندر ایمان پیدا کریں۔ آپ شاید اس کو تحصیل حاصل قرار دیں مگر میں فی الحقیقت آپ کو خدا کا یہ کلام سنا رہا ہوں [4:137] يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنزَلَ مِن قَبْلُ اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور اُس کتاب پر جو اُس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی اور اِس کتاب پر جو اُس سے پہلے نازل فرمائی۔" (خطبات عثمانی جلد اوّل صفحہ۔34)

سیّد سلیمان ندوی

"مسلمانوں کی حالت جیسی منتشر، پراگندہ اور غیر منظّم اس وقت ہے ویسی کبھی نہ تھی، ہم میں کوئی مسلمان رہنماء نہیں، سب کسی نہ کسی چیز کے بھوکے ہیں، آپس میں لڑتے ہیں، جو کل کہتے ہیں وہ آج نہیں اور جو آج کہہ رہے ہیں وہ کل نہیں کہیں گے، ذاتی اغراض کو قومی مفاد کا لباس پہنا کر منصہ شہود پر جلوہ دیتے ہیں اور ہم "احسنت" اور "جزاک" کا شور تحسین بلند کرتے ہیں۔۔۔ اب ہندوستان کی فتح محمود غزنوی کی طرح ملکوں، شہروں اور قلعوں کی فتح سے نہ ہوگی بلکہ اہل ہند کے قلوب کی فتح سے ہوگی اور یہی اس دور کا اصلی کام ہے۔۔۔ نظم و امارت کا میں خود معتقد ہوں اور اس کو بہت بڑا کام سمجھتا ہوں مگر یہ چیز کم از کم صوبہ متحدہ میں جہاں سینکڑوں دیوتا ہیں قائم نہیں ہوسکتی، ورنہ ان کے موروثی و آبائی بت خانوں میں خزاں آجائے گی۔" (سید رئیس احمد جعفری کے نام سید سلیمان ندوی صاحب کا خط از "خطوط سلیمانی" مرتب ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہاں پوری)

عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب۔۔ کراچی سے کعبہ تک کفر ہی کفر!

"مودودی جماعت کی اکثر تحریریں آئین اسلام سے انحراف کرتی ہیں۔ اسی طرح کی ایک تحریر "خطبات مودودی" میں درج ہے جس سے توہین کعبہ کا پہلو نکلتا ہے۔ جب مولانا احمد علی صاحب لاہوری نے اس تحریر کا محاسبہ کیا تو اس جماعت کے کارکن بے قابو ہو کر جواب کی تلاش میں مصروف ہوگئے۔ اتفاق سے انہی دنوں حضرت امیر شریعت کا اردو اور فارسی کلام کا مجموعہ "سواطع الالہام" شائع ہوا تھا۔ اس میں ایک شعر تھا زکافِ کعبہ تا کاف کراچی سراسر کفر و کفر دونِ کفر۔ اس شعر کی آمد کا پس منظر ۱۵۹۱ء کا وہ زمانہ ہے جب پاکستان کی صوبائی اور مرکزی حکومتوں کے درمیان کھینچا تانی اور چپقلش کا سلسلہ جاری تھا۔ حضرت امیر شریعت نے اس غیر آئینی ہاتھا پائی کا ذکر احباب کی محفل میں کرتے ہوئے کہا: "تم ایک پاکستان کو روتے ہو، باقی مسلمان ممالک کا کیا حال ہے سب کے سب ایک دوسرے سے بدتر ہیں۔ کون سی جگہ ہے جہاں ملعون انگریز نے اپنا کام نہیں کیا۔ اس نے مسلمانوں کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے اور آج تو مکہ میں بھی یا امریکہ ہے یا برطانیہ۔ بہر حال ملوکیت ہے اسلام وہاں بھی نہیں۔ اور میں تو بلا خوف کہتا ہوں کہ کعبہ سے کراچی تک ہر جگہ قانون کفر ہی مسلط ہے۔ کہلاتے تو سب مسلمان ہیں مگر کہیں انگریز کے ٹوڈی اور کہیں نمک حراماں محمد (ﷺ) ہیں کہ جس محسن انسانیت کی جوتیوں کے صدقے میں ان عیاشوں کو حکومتیں ملیں عین وقت پر اسی کو فراموش کر بیٹھے (اور پھر اپنے مخصوص جلال آمیز انداز میں مندرجہ بالا شعر پڑھا)۔ اور اس شعر کو خانیوال کے ایک نوزائیدہ وکیل جس کا مودودی جماعت سے تعلق تھا اپنے لیڈر کی تحریر کے جواب میں لکھ کر مولانا احمد علی صاحب کی خدمت میں بھیج دیا کہ مودودی پر تو آپ نے اعتراض کر دیا مگر اس شعر کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ خباثت یہ کی کہ یہ نہیں بتایا کہ یہ شعر کس کا ہے۔ اس تحریر کے جواب میں حضرت لاہوریؒ نے فرمایا کہ "یہ بھی کوئی مودودی کا چھوٹا بھائی اور گمراہ ہے" حضرت لاہوری کا یہ جواب اور اپنا سوال دونوں روزنامہ 'کوہستان' لاہور میں شائع کرا دئے۔ (حیاتِ امیر شریعت صفحہ 420,421۔ جانباز مرزا)

شورش کاشمیری۔۔ مسلمانوں کے مختلف طبقوں کا ابتر حال

"مسلمانوں کے مختلف طبقے مختلف الاصل مزاج رکھتے ہیں، عوام جذباتی ہیں لیکن مثبت اقدار پر کم اکٹھے ہوتے اور ان کا اعتماد و ارادت دیرپا نہیں ہوتے۔ خواص بالفطرت عوام سے ایک مختلف گروہ ہیں، مذہب طبقہ (چند روشن چہروں کے سوا) منبر و محراب کا سوداگر، اوامر کا حریف اور نواہی کا حلیف ہے، ان کی معرفت جو مذہب مسلمانوں تک پہنچتا ہے وہ مذہب نہیں کچھ اور ہے، انگریزی پڑھے لکھوں میں اسلامی حمیّت اور قومی شجاعت کی کمی ہے، امراء ملّت کا سب سے ناکارہ عنصر

ہیں، ان سے خوشامد کے سوا کسی جوہر کی توقع ہی عبث ہے، ان کا وجود سرطان کا پھوڑا ہے۔ حُکّام جنہیں انگریزوں نے پروان چڑھایا، ان کی وفاداری کا مکمل نمونہ ہیں، ان سے اسلام کے خلاف ہر غدّاری کی توقع کی جاسکتی ہے۔ پنجاب ایک ایسا خطہ ہے جہاں حق، حُرّیت، دین اور سچّائی کے خلاف ہر طوفان اٹھایا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں میں من حیث المجموع ایثار کے لئے قدر ہی نہیں۔"(بوئے گل نالہ دل دُود چراغ محفل از شورش کاشمیری۔ جلد اوّل صفحہ۔ 193 ,192)

سیّد ابوالحسن علی ندوی۔ مسلمانو! صورتِ اسلام سے حقیقتِ اسلام کی طرف ترقی کرو

دارالعلوم ندوہ کے ایک اہم رکن سیّد ابوالحسن علی ندوی صاحب، جامعہ اشرفیہ لاہور کے ماہنامہ مجلّہ "الحسن" کی دسمبر 2010ء کی اشاعت میں شائع شدہ اپنے ایک مضمون بعنوان "صورت اور حقیقت" میں لکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ بھی مسلمان تھے اور ہم بھی مسلمان ہیں۔ لیکن ان کا اسلام حقیقت تھا جبکہ ہمارا اسلام محض صورت ہے۔ اس کی مثال دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"آپ مردہ عجائب خانہ میں گئے ہوں گے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ وہاں سب درندے اور سب جانور موجود ہیں، شیر بھی ہے اور ہاتھی بھی، تیندوا بھی اور چیتا بھی، مگر بے حقیقت، بھس بھری ہوئی کھالیں، جن میں نہ کوئی جان ہے نہ طاقت، شیر ہے مگر نہ اس کی آواز ہے نہ غصہ، نہ طاقت ہے نہ ہیبت۔۔۔ عرصہ دراز سے صورتِ اسلام معرکہ آزما ہے اور شکست پر شکست کھا رہی ہے اور حقیقتِ اسلام مفت میں بدنام اور دنیا کی نگاہوں میں ذلیل ہو رہی ہے، دنیا سمجھ رہی ہے کہ ہم اسلام کو شکست دے رہے ہیں، اس کو خبر نہیں کہ حقیقتِ اسلام تو مدت سے میدان میں آئی ہی نہیں، اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی صرف صورت ہے، نہ کہ اسلام کی حقیقت۔۔۔ پس اس وقت سب سے بڑا کام اور امت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اس کے عموم اور سوادِ اعظم کو صورت سے حقیقت کی طرف سفر کرنے کی دعوت دی جائے، صورتِ اسلام میں روحِ اسلام اور حقیقتِ اسلام پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، اس وقت امت کی سب سے بڑی احتیاج یہی ہے، اسی سے اس کے سب حالات اور اس کے نتیجہ میں دنیا کے حالات بدلیں گے۔۔۔ ہماری دعوت صرف یہ ہے کہ (یاایھاالذین اٰمنوااٰمنوا) اے مسلمانو! صورتِ اسلام سے حقیقتِ اسلام کی طرف ترقی کرو" ("صورت اور حقیقت" ماہنامہ "الحسن" دسمبر 2010ء)

اہلحدیث جماعت۔ یاالٰہی تو ہمیں سچا مسلمان کر دے

"آج ہمیں اس بات کا بے حد دکھ اور افسوس ہے کہ کبھی دنیا کی امامت و پیشوائی ہمارے ہاتھ میں تھی اور آج ہمارے پاس کچھ بھی نہیں۔۔۔ اگر کبھی ہم ذرا سنجیدگی سے غور کریں تو یہ سمجھنا ہمارے لئے کچھ بھی مشکل نہ ہوگا کہ آج اگر ہم دنیا بھر کی پریشانیوں، مشکلات، غم و افسوس اور دکھ درد میں ڈوبے ہوئے ہیں اور امن و سکون اور راحت و چین نام کی کوئی چیز بھی آج ہمیں میسر نہیں تو صرف اس لئے کہ دین و ایمان کے ہمارے دلوں سے رخصت ہو جانے کا کوئی افسوس اور غم آج ہمیں نہیں۔۔۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ آج ہم اس اسلام سے بیزار ہیں جو ایک عالمگیر دین اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔۔۔ جیسا کہ ہماری عادت ہے، اپنی تمام تر تباہیوں کا الزام دوروں پر ڈالنے سے پہلے آیئے ذرا ہم اپنے آپ پر بھی ایک نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ آخر ہم خود ہی، خود کی تباہیوں اور بربادیوں کے کہاں تک ذمّہ دار ہیں؟ کیا آج ہم فرقہ بندی، منافرت، بغض و حسد، تعصب و کینہ پروری، نیز فضولیات و اسراف میں الجھ کر نہیں رہ گئے ہیں، کیا آج ہم کرپشن، بدعنوانی، سودخوری، رشوت، شراب نوشی، دغابازی، غیبت، چغلخوری، بہتان تراشی، جھگڑے فساد، بے راہ روی اور احکاماتِ خداوندی کی کھلے عام خلاف ورزیوں میں ڈوبے ہوئے نہیں ہیں؟ معمولی معمولی بات پر قتل و غارت گری اور زر و زمین کے لئے خون کی ہولی کھیلنے والے بھلا خود کو مسلمان کیسے کہہ سکتے ہیں۔۔۔ یاالٰہی تو ہمیں سچا مسلماں کر دے ہر مسلمان کو تو صاحبِ ایماں کر دے" ("ملتِ اسلامیہ کی بیماری اور اس کا علاج" از مولانا ڈاکٹر ضیاء الحسن۔ ہفت روزہ اہل حدیث 31 دسمبر 2010ء۔ نگران سینیٹر ساجد میر)

تبلیغی جماعت۔اے مسلمانو، مسلمان بنو!

تبلیغی جماعت کے 2010ء میں ہونے والے اجتماع میں مقررین نے کہا کہ امت مسلمہ اس وقت تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی ہے: "اسراف اور بے حیائی کی وجہ سے امت تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی ہے۔"(روزنامہ جنگ 04 دسمبر 2010ء)

"علامہ حاجی عبدالوہاب اور مولانا زبیر الحسن نے قوم سے کہا ہے کہ وہ گمراہی کے راستے کو چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے، صحیح تبلیغ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اسلام کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ یہی اسلام کی بنیاد، قوت، اس کی وسعت اور کامیابی کی ضامن ہے۔ آج سب زمانوں سے بڑھ کر اس دعوت تبلیغ کی اشد ضرورت ہے، غیر مسلموں کو مسلمان بنانے سے زیادہ اہم کام مسلمانوں کو مسلمان بنانا ہے، آج کے مسلمانوں کی حالت دیکھ کر قرآن پاک بھی کہہ رہا ہے کہ اے مسلمانو، مسلمان بنو۔ وہ جمعرات کو راؤنڈ سالانہ عالمی تبلیغی اجتماع کے دوسرے مرحلہ کے آغاز پر لاکھوں فرزندانِ توحید کے اجتماع سے خطاب کررہے تھے۔"(روزنامہ ایکسپریس۔25نومبر 2011ء)

"امر بالمعروف اسلام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ آج اے مسلمانو، مسلمان بنو کی آواز زور و شور سے بلند کرنے کی اشد ضرورت ہے۔۔۔ مولانا محمد زبیر، مولانا سلیمان، مولانا یونس اور مولانا عظمت نے کہا کہ غیر مسلمانوں کو [مسلمان] بنانے سے زیادہ اہم کام مسلمانوں کا کامل مسلمان بنانا ہے۔"(روزنامہ ایکسپریس 09نومبر 2012ء)

"علماء کرام نے کہا ہے کہ قرآن وسنت سے روگردانی کرکے امت مسلمہ بے پناہ مشکلات اور مصائب کا شکار ہے۔۔ آج کا مسلمان بیمار ہوچکا، اس کا ایمانی پریشر کم ہوگیا جس کی وجہ سے بے دینی پھیل رہی اور گھروں سے برکتیں اُٹھ گئی ہیں، ہماری اولادیں نافرمان ہوچکی ہیں اور رزق کی فراوانی کے باوجود دلوں کو سکون اور اطمینان نہیں۔۔۔ امت مسلمہ یہود و ہنود کی سازشوں کا شکار ہو کر تفرقوں میں بٹ چکی، ہمارے اعمال دین الٰہی کے مطابق نہیں رہے، امت اللہ تعالیٰ پر انحصار کرنے کی بجائے اپنی مادیت پرست سوچ کو لے کر چل رہی ہے جس سے محسوس ہوتا ہے کہ اللہ ہم سے ناراض ہے اور کثرت کے ساتھ زلزلوں دھند مچھری اور حادثات کی شکل میں ہم پر عذاب مسلط ہیں۔"(روزنامہ ایکسپریس لاہور 6نومبر 2016)

ابوالکلام آزاد۔امتی باعث رسوائی پیغمبرؐ

"امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اس طرح سے ذکر کیا ہے: یہودیوں کی مغضوبیت، نصاریٰ کی ضلالت، مشرکین کی پرستی، ائمہ مضلین کی کثرت، دجاجلہ فن و دعاۃ بدعت کا احاطہ، اقتداء بغیر سنت، اہتدی بغیر ہدی الانبیاء، تفرق و تمذہب مثل یہود اور غلو و اطراء مثل نصاریٰ، فتنہ شبہات یونان، اور فتنہ شہوات عجم، فتنہ تماثیل عبدۃ الاصنام، اور فتنہ قبور عاکفین کنائس، ان میں سے کوئی نحوت اور بلا کی ایسی نہیں ہے جو مسلمانوں پر نہ چھاچکی ہو، اور کوئی گمراہی نہیں جو اپنے کامل سے کامل اور شدید درجہ تک اس امت میں نہ پھیل چکی ہو، اہل کتاب نے گمراہی کے جتنے قدم اٹھائے تھے گن گن کر مسلمانوں نے بھی وہ سب اٹھائے حتیٰ کہ لو دخلوا جحر ضب لدخلتموہ کا وقت بھی گذر چکا اور آج ہم اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہے ہیں وہ وقت بھی کب کا آچکا کہ یلحق قبائل من امتی بالمشرکین اور حتی تعبد من امتی الاوثان اور حتی تعبد اللات والعزی ہماری جانیں اور ہماری روحیں اس صادق و مصدوق پر قربان کہ واقعی اور سچ مچ مسلمان مشرکوں سے ملحق ہوگئے اور دین توحید کا دعوی کرنے والوں نے بت پرستی کی ساری ادائیں اور چالیں اختیار کرلیں اور جس لات وعزی کی پوجا سے دنیا کو نجات دلائی گئی تھی اس کی پوجا پھر سے شروع ہوگئی۔(تذکرہ ص ۲۸۸،۲۸۹)"("امتی باعث رسوائی پیغمبر ہیں" از منہاج ثاقب رحمانی، بلرامپوری۔ پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی 15-1 اکتوبر 2012۔ صفحہ۔18)

مفتی رشید احمد

"اب دیکھنا یہ ہے کہ آج کا مسلمان اپنے دعوائے اسلام میں کس حد تک اس معیار پر پورا اترتا ہے؟ آیا وہ دنیا بھر کی تمام محبتوں پر اللہ تعالیٰ کی محبت کو غالب رکھتا ہے یا نہیں؟ اگر حقیقت کی نگاہ سے اس پہلو کو دیکھیں اور ذرا سی گہرائی میں اُتر کر اس کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی کہ آج کا مسلمان صرف نام کی حد تک یا دعووں اور نعروں کی حد تک مسلمان ہے باقی رہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سچی محبت اور ان کی خاطر قربانی کا جذبہ سو اس سے ابھی کوسوں دور ہے۔" (خطبات الرشید۔ از مفتی رشید احمد صاحب۔ جلد اوّل۔ باب "اللہ کے باغی مسلمان" صفحہ 233، ناشر کتاب گھر ناظم آباد کراچی، سن اشاعت رمضان 1429ھ بمطابق ستمبر 2008ء)

"بات یہ چل رہی تھی کہ نافرمان اور باغی لوگوں پر دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوڑے برس رہے ہیں مگر ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں، آج دیکھ لیجئے دنیا بھر میں مسلمانوں پر کیا گزر رہی ہے؟ مصائب کے کیا کیا پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں؟ کس قدر ذلّت ورسوائی کا شکار ہیں؟ پھر اس اجتماعی بحران سے قطع نظر نافرمان لوگوں کے ذاتی حالات کا ایک نظر سے جائزہ لیجئے گھر گھر میں لڑائی اور دنگا فساد برپا ہے۔ بھائی بہن، میاں بیوی، اولاد و والدین باہم دست و گریباں ہیں، کہیں چین نہیں، اطمینان نہیں، ہر سو ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کا سماں برپا ہے، پوری دنیا گناہوں کی نحوست سے جہنم کدہ بن چکی ہے نفسا نفسی کا عالم ہے ہر شخص حیران و پریشان اور سرگرداں ہے۔" (خطبات الرشید۔ از مفتی رشید احمد صاحب۔ جلد اوّل۔ باب "اللہ کے باغی مسلمان" صفحہ 237)

دلوں سے ایمان رخصت ہو چکا ہے!

"اور ان میں سب سے زیادہ تشویشناک بات یہ ہے کہ دلوں سے ایمان ہی رخصت ہو رہا ہے۔ موجودہ لحاظ سے ایک دیندار گھرانے میں بات ہو رہی تھی کہ امریکہ میں رہنے میں آخرت کے لئے بہت خطرہ ہے تو ایک صاحب نے کہا کہ "وہ آخرت کی الگ بات ہے"۔ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی نے اپنی تقریروں میں کئی بار فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ایمان کی سلامتی کی دعا کرنی چاہئے۔ بھئی اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھو ایمان دل کے اندر ہے بھی یا نہیں؟ دراصل جو چیزیں انسان برابر اپنے گردوپیش میں دیکھتا رہتا ہے اس کی برائی اس کے دل سے نکل جاتی ہے۔ اسی طرح کفر کی برائی بھی دل سے نکل جاتی ہے اور رفتہ رفتہ ایمان بھی رخصت ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ فسق وفجور کا خاصہ ہے ایمان کو کمزور کرنا۔ کمزور ہوتے ہوتے ایمان مفقود بھی ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں جو بھی اب ہم پر نازل ہو ہم اس کے لائق ہیں۔ شامتِ اعمال ماصورتِ نادر گرفت۔" ("ملک و قوم کی المناک صورتحال" از سید مظفر اشرف۔ "البلاغ" فروری 2011ء ترجمان دارالعلوم کراچی)

امت کا زوال مقرر ہو چکا ہے؟

"تمام امت اسلامیہ کا شیرازہ بکھر چکا ہے، ہر جگہ اضطراب ہی اضطراب ہے، نہ حکمرانوں کو چین نصیب ہے نہ محکوم آرام کی نیند سو سکتے ہیں۔ مصیبت بالائے مصیبت یہ کہ کوئی بھی صحیح علاج نہیں سوچ رہا ہے۔ جو زہر ہے اس کو تریاق سمجھ لیا گیا ہے، جو تباہی و بربادی کا راستہ ہے اس کو نجات کا راستہ سمجھا جارہا ہے، جو تدبیریں شقاوت کو دعوت دے رہی ہیں انہی کو ذریعہ سعادت خیال کیا جارہا ہے، ماسکو ہو یا واشنگٹن تمام جہنم کے راستے ہیں، کوئی بھی سرور کونینؐ کے مدینہ کا راستہ جو سراسر نجات و سعادت کا اعلیٰ ترین وسیلہ ہے نہیں سوچ رہا ہے، جو صراطِ مستقیم جنت کو جارہا ہے اس سے بھٹک گئے ہیں۔ نہ معلوم کہ اربابِ عقول کی عقلیں کہاں چلی گئیں؟ اربابِ فکر کیوں فکر سے عاری ہو گئے؟ آخر تاریخ کی یہ عبرتیں کس لئے ہیں۔ حقائق سے کیوں چشم پوشی کی جارہی ہے؟ خاکم بدہن ایسا تو نہیں کہ تکوینی طور پر امت پر تباہی و بربادی کی مہر لگ چکی ہے؟ اس امت کا زوال مقرر ہو چکا ہے؟ عروج کا دور ختم ہو گیا ہے؟" ("سبق آموز پیغام"۔ ماہنامہ مجلّہ "بیّنات" جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن جولائی ۲۰۰۹ء)

امت مسلمہ ناپید ہے

"اُمّتِ مسلمہ جو صحیح معنوں میں اسلام کی عملی تصویر ہو، صدیوں سے ناپید ہے۔ کیونکہ اُمّتِ مسلمہ کسی "خطۂ زمین" کا نام نہیں ہے جو کبھی اسلام کا مسکن رہا ہو، نہ کسی قوم کا نام ہے، جس کے آباء و اجداد تاریخ کے کسی دور میں نظامِ اسلامی کے علمبردار رہے ہوں۔ "اُمّتِ مسلمہ" تو انسانوں کی وہ جماعت ہے جس کی رسوم و روایات، جس کے افکار و تصورات، جس کے عقائد و نظریات، جس کی اخلاقی قدریں اور ترک و اختیار کے پیمانے غرض ساری چیزیں شریعتِ اسلامیہ کے چراغ کا پرتو ہوں۔ اور سچ پوچھو تو ایسی اُمّت اُس وقت سے ناپید ہے جب سے شریعتِ اِلٰہی حکومت کے ایوانوں سے بے دخل ہے۔ ضروری ہے کہ یہ "اُمّت" اس زمین پر دوبارہ "نمودار" ہو تاکہ اسلام انسانیت کی قیادت کے سلسلے میں اپنا متوقع کردار پھر ادا کر سکے۔ ضروری ہے کہ وہ اُمّت پھر "سامنے لائی جائے" جو غلط تصوّرات و افکار، گمراہ نظریات اور باطل نظاموں کے انبار میں کھو کر رہ گئی ہے۔ ان نسلوں کے ہجوم میں گم ہو کر رہ گئی ہے جن کو نہ اسلام سے کوئی واسطہ ہے نہ شریعتِ اسلامی سے۔ اگرچہ عام طور پر یہ گمان ہے کہ وہ نام نہاد "اسلامی دنیا" میں موجود ہے!!! نقوشِ راہ۔ سیّد قطب شہید" (سرورق۔ ہفت روزہ "ندائے خلافت" 19 تا 25 جون 2012)

مسلمان اپنی صداقت کے مسائل نہیں بتا سکتے

"آج کل اکثر مسلمان ایسے ہیں کہ ان سے اگر کوئی کافر اسلام کی صداقت کے دلائل پوچھے تو وہ نہیں بتا سکتے۔ اور وہ محض تقلیدی طور پر مسلمان ہیں۔ اکثر نام نہاد اہل حدیث بھی ایسے ہی ہیں تو اگر تقلید شرک ہے تو وہ اہل حدیث ہو کر بھی مشرک ہی رہے۔" (انواراتِ صفدر۔ کچھ اہم اصول۔ صفحہ 31۔ مصنف مولانا محمد محمود عالم صفدر اوکاڑوی)

قومِ لوطؑ کے افعال مسلمانوں میں

"قوم عاد و ثمود بھی اللہ کے ساتھ ظلم کرتے تھے۔ قوم ثمود کو اللہ نے معجزہ دیا تھا انہوں نے اس کا انکار کیا۔ اللہ نے انہیں صفحہ ہستی سے مٹا ڈالا۔ اللہ نے ہمیں بھی معجزہ "قرآن" دیا ہے، ہم نے اس کا انکار کیا (قرآن کے احکامات پر عمل نہ کرنا اس کا انکار ہی تو ہے) اگر ہم آخری امت نہ ہوتے تو اللہ ہمیں بھی صفحہ ہستی سے مٹا ڈالتا، مگر ہم آخری امت ہیں اس لئے وہ ہمیں ختم کرنے کی بجائے مختلف اقسام کے عذابوں میں مبتلا کرتا رہتا ہے۔ مثلاً آج کل اہلِ پاکستان بالخصوص اہلِ کراچی پر خوف کا عذاب آیا ہوا ہے ان کی جان اور مال محفوظ نہیں ہے۔ اہل پاکستان پر مہنگائی بجلی پانی اور دہشت گردی کا عذاب آیا ہوا ہے۔۔۔ مگر آج کا انسان اب بھی ماننے کو تیار نہیں۔ کہیں اللہ ہی کو نہیں مان رہا، کہیں اللہ کی نہیں مان رہا۔ گزشتہ اقوام کی سرکشی کا انجام ان کی مکمل تباہی پر ہوتا تھا، آج ہماری سرکشی کا انجام مختلف اقسام کے عذاب ہوتے ہیں۔ قوم لوطؑ مردوں کے ساتھ شہوت رانی جیسے عظیم گناہ میں مبتلا تھی، یہ وبا آج کی اس ترقی یافتہ دنیا میں بھی پھیلی ہوئی ہے۔ غیر مسلم اقوام (جہاں ہم جنس پرستی کو حکومتی سرپرستی حاصل ہے اور جہاں مردوں کی آپس میں شادیوں کا رواج پروان چڑھ چکا ہے) کو تو چھوڑیئے آج وہ انسان جو خود کو مسلمان کہتا ہے وہ بھی اس بدترین فعل میں مبتلا ہے۔ انٹرنیٹ پر بے شمار ایسی ویب سائٹس موجود ہیں جن پر پاکستان کے ہر شہر میں موجود ایسے لوگوں سے رابطہ کیا جاسکتا ہے جو اس قبیح فعل میں مبتلا ہیں۔ آج تقریباً ہر چوتھا پاکستانی کسی نہ کسی لحاظ سے اس بدترین کام میں ملوث ہے (میرے اس دعوے کی وہ لوگ یقیناً تصدیق کریں گے جنہوں نے ۱۰ سے ۲۰ سال کی عمر میں بسوں میں خاصا سفر کیا ہو، خاص طور سے اسٹوڈنٹس)۔ قوم لوط نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ وہ راہزنی (جسے آج کا ترقی یافتہ انسان سٹریٹ کرائم کہتا ہے) کے لیے بھی بڑے مشہور تھے اور راہزنی اور ہم جنس پرستی کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ آج ساری دنیا بالخصوص کراچی کے لوگوں میں یہ دونوں بیماریاں بہت عام ہیں۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ کراچی کا کون سا ایسا علاقہ ہے جو ان دونوں جرائم سے پاک ہے؟ کون سی ایسی گلی ہے جو راہزنوں سے محفوظ ہے؟ کراچی میں شاید ہی کوئی شخص ہو جو اپنی ۲۰، ۲۵ سالہ زندگی میں راہزنوں کے ہاتھوں لٹنے سے محفوظ رہا ہو۔" (ماہنامہ میثاق دسمبر 2011 صفحہ۔ 92, 93)

مسلمان مشرک

"حضرت انسؓ بنی امیہ کے زمانے میں رویا کرتے تھے کہ عہد اول کا دین باقی نہیں رہا اگر وہ ہمارے اس زمانے کو دیکھتے تو کیا کہتے ؟ کیا وہ ہمیں "مشرک" قرار نہ دیتے اور ہم انہیں کوئی برا نام نہ دیتے کیونکہ اس وقت اور اِس وقت کے اسلام میں اب اگر کوئی مشترک چیز باقی رہ گئی ہے تو صرف لفظ اسلام ہے یا چند ظاہری و رسم عبادتیں ہیں اور وہ بھی بدعت کی آمیزش سے پاک نہیں، کتاب اللہ جیسی آسمان سے اتری تھی اب تک بے غل و غش قائم ہے۔ سنت رسول اللہ ﷺ بھی مدون و محفوظ مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے، مگر کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ دونوں مہجور و متروک ہیں، طاقوں اور الماریوں کی زینت ہیں یا گنڈوں تعویذوں میں مستعمل ہیں۔ مسلمان اپنی عملی زندگی میں ان سے بالکل آزاد ہیں۔ (کلمہ گو مشرک از ابوالحسن مبشر احمد ربانی۔ صفحہ۔20)

مسلمانوں کی اکثریت آخرت کو بھول گئی ہے

دنیا کی محبت میں مسلمانوں کی اکثریت مصروف ہوگئی ہے اور وہ دنیا کے دھندوں میں اس قدر کھوگئے ہیں کہ آخرت کو بھول گئے ہیں، موت کی یاد صرف کسی عزیز کے مرجانے یا قبرستان میں جانے پر ہی آتی ہے۔ یہ باتیں جامعہ رحمانیہ کے ناظم اعلیٰ اور جے یو آئی کے راہنماء مولانا محمد امجد خان نے نعت خواں الحاج شیخ مراد علی کے ایصال ثواب کیلئے جامعہ رحمانیہ میں منعقدہ تقریب اور دیگر مختلف تقریبات سے خطاب کرتے ہوئے کہیں۔" (روزنامہ ایکسپریس 20 دسمبر 2012ء)

پاکستان میں اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی

"امیر جماعت اسلامی سراج الحق نے کہا ہے کہ کلمہ کی بنیاد پر حاصل کئے گئے ملک میں 68 سال سے حکومتی سطح پر اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی ہورہی ہے۔ 73 کے آئین کو قرآن وسنت کے تابع قرار دیا گیا ہے مگر ملک میں مسلسل قرآن وسنت کے احکامات کا مذاق اڑایا جارہا ہے۔" (روزنامہ جنگ۔ 31 اکتوبر 2015)

اللہ کا نام لے کر جھوٹی گواہیاں

"سپریم کورٹ کے جج مسٹر جسٹس آصف سعید کھوسہ نے قتل کے ایک کیس میں ملزم کی بریت کے خلاف دائر درخواست کی سماعت کے دوران ریمارکس دیئے ہیں کہ جھوٹی گواہیوں کی وجہ سے ملزمان آسانی سے چھوٹ جاتے ہیں اور بے گناہ پکڑے جاتے ہیں، اپنے گریبان میں جھانک کر نہیں دیکھا جاتا اور عدالتوں پر الزام تراشی کردی جاتی ہے، گواہیوں کا یہ حال ہے کہ اللہ کا نام لے کر جھوٹی گواہی دے دی جاتی ہے۔" (روزنامہ جنگ لاہور۔ 15 اپریل 2016)

پاکستانی معاشرے میں کرپشن

"چیئرمین قومی احتساب بیورو (نیب) قمرزمان چوہدری نے نئے بھرتی 104 انوسٹی گیشن افسران سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کرپشن جسے تمام برائیوں کی جڑ کہا جاتا ہے وہ معاشرے میں تیزی سے پھیل رہی ہے، اسی سے اقرباپروری اور بے جا طرفداری جیسی برائیاں پروان چڑھتی ہیں۔" (روزنامہ جنگ 20 مارچ 2016)

سنی تحریک کی مسجد میں لوٹ مار

"سنی تحریک کے کارکنان ڈی چوک کی مسجد سے 35 لاکھ کا سامان لے گئے۔ ساؤنڈ سسٹم۔ یو پی ایس کی بیٹریاں۔ قیمتی کتابیں۔ قالین اور پنکھے شامل ہیں۔ مسجد الروضہ نورانی کو گیسٹ ہاؤس بنائے رکھا۔ نائب خطیب اور خادم پر تشدد۔ امام مسجد کو یہودی قرار دے کر باہر نکال دیا۔ تین دن تک اذان اور باجماعت نماز نہ

ہو سکی۔ مسجد الروضہ نورانی میں سب سے پہلے داخل ہونے والے سنی تحریک کے کارکنان تھے جو یہ کہتے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے کہ آؤ آؤ مال غنیمت مل گیا۔ امام مسجد کی ذاتی اور مسجد کی لائبریری سے تقریباً ڈھائی لاکھ روپے مالیت کی کتابیں بھی لوٹ لی گئی ہیں۔" (روزنامہ امت کراچی۔ یکم اپریل 2016)

مسلمان دین کا مذاق اڑاتے ہیں

"آج بھی معاشرے میں ایسے لوگ موجود ہیں جو مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور دین کا مذاق بھی اڑاتے ہیں، یہ بات کفار میں پائی جاتی تھی جو آج مسلمان نے اپنالی ہے۔" (مولانا امیر محمد اکرم اعوان۔ روزنامہ ایکسپریس۔ 9 فروری 2016)

"اسلام کی آمد سے قبل لوگ جاہلیت کے شکار تھے اور وہ دور دورِ جاہلیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جس کے عناصر میں جہالت ولاعلمی، بے ایمانی و بے یقینی، فسق و فجور و بے حیائی، تہذیب و شائستگی سے بُعد و دوری، اخلاقی اقدار کی گراوٹ و کمزوری، مادیت پرستی و دنیا طلبی وغیرہ چیزیں شامل و داخل تھیں، جن کے نتیجے میں پورا معاشرہ انتہائی خطرناک قسم کے جرائم و رذائل کا مرتکب بنا ہوا تھا اور جرائم بھی صرف انفرادی حیثیت کے نہیں بلکہ اجتماعی قسم کے تھے۔ ایک طرف پورا سماج اپنے خالق و مالک سے بے تعلقی و دوری، غفلت و ناسپاسی کا شکار تھا تو دوسری جانب انسانیت کے اصول اور شرافت کی اقدار سے بھی کوسوں دور ہو چکا تھا اور قتل و غارت گری، عداوت و دشمنی، قطع رحمی و قساوت قلبی، نزاع و لڑائی وغیرہ رذائل و جرائم ان لوگوں کی فطرت ثانیہ بن چکے تھے۔ یہی وہ امور ہیں جن کے تسلط و غلبہ نے اس دور و زمانے کو جاہلیت کا دور بنا دیا تھا۔۔ آج اس امت کا ایک بڑا طبقہ جاہلیت و جہالت کی ان وادیوں میں بھٹکتا اور گمراہی و ضلالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں ٹھوکریں کھاتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور ان کی زندگیوں میں وہی جاہلی عناصر موجود ہیں، وہی بے ایمانی و بے یقینی، وہی خدا سے بُعد و دوری، وہی مادیت پرستی و دنیا طلبی، وہی اخلاقی گراوٹ و کمزوری، وہی فحش و بے حیائی، وہی ظلم و زیادتی، وہی عدوان و سرکشی، وہی بغض و دشمنی، وہی قتل و غارت گری یہاں بھی نظر آتے ہیں جو وہاں موجود تھے۔" (امت میں اعتقادی و عملی بگاڑ اور علماء امت کی ذمہ داری۔ مفتی محمد شعیب اللہ خان مفتاحی بانی و مہتمم الجامعۃ الاسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور۔ صفحہ۔ 11,12)

مسلمانوں کی حکومت میں اسلام کی تبلیغ نہیں ہو سکتی

سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو مذہبی آزادی برطانیہ کے تحت میسّر ہے وہ کسی مسلمان ملک میں نہیں مل سکتی تھی.

"اور اگر انگریزی سلطنت کی تلوار کا خوف نہ ہوتا تو ہمیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے، لیکن یہ دولت برطانیہ غالب اور باسیاست جو ہمارے لئے مبارک ہے خدا اس کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے۔ کمزوروں کو اپنی مہربانی اور شفقت کے بازو کے نیچے پناہ دیتی ہے پس ایک کمزور پر زبردست کچھ تعدی نہیں کر سکتا سو ہم اس سلطنت کے سایہ کے نیچے بڑے آرام اور امن سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور شکر گزار ہیں اور یہ خدا کا فضل اور احسان ہے جو اس نے ہمیں کسی ایسے ظالم بادشاہ کے حوالہ نہیں کیا جو ہمیں پیروں کے نیچے کچل ڈالتا اور کچھ رحم نہ کرتا بلکہ اس نے ہمیں ایک ایسی ملکہ عطا کی ہے جو ہم پر رحم کرتی ہے اور احسان کی بارش سے اور مہربانی کے مینہ سے ہماری پرورش فرماتی ہے اور ہمیں ذلت اور کمزوری کی پستی سے اوپر اٹھاتی ہے۔" (نور الحق حصہ اول، روحانی خزائن جلد۔ 8 صفحہ۔ 6)

مخالفین نے اس موقف پر برطانیہ کے خوشامدی ہونے کا الزام لگایا لیکن آخر کار علماء کو یہی موقف اپنانا پڑا۔ ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں:

"جیسی مسلم اکثریت اس مجوزہ پاکستان میں ہے، ویسی ہی، بلکہ عددی حیثیت سے بہت زیادہ زبردست اکثریت افغانستان، ایران، عراق، ٹرکی اور مصر میں موجود ہے، اور وہاں اس کو وہ "پاکستان" حاصل ہے جس کا یہاں مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ پھر کیا وہاں مسلمانوں کی خود مختار حکومت کسی درجہ میں بھی حکومتِ الٰہیہ کے قیام میں مددگار ہے یا ہوتی نظر آتی ہے؟ مددگار ہونا تو درکنار، میں پوچھتا ہوں، کیا آپ وہاں حکومتِ الٰہی کی تبلیغ کر کے پھانسی یا جلاوطنی سے کم کوئی سزا پانے کی امید

کر سکتے ہیں؟ اگر آپ وہاں کے حالات سے کچھ بھی واقف ہیں تو آپ اس سوال کا جواب اثبات میں دینے کی جرأت نہ کر سکیں گے۔" (تحریک آزادیٔ ہند اور مسلمان۔ حصہ دوم۔ صفحہ 141)

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو بھی ماننا پڑا کہ غیر مسلم اکثریت والے ممالک میں تو تبلیغ اسلام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے لیکن مسلمان اکثریت والے ملکوں میں تبلیغ اسلام کی راہ میں بہت رکاوٹیں ہیں۔

"پھر ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ اس انقلابی دعوت کے پنپنے کی امید صرف ایسے ملک میں کی جاسکتی ہے جہاں مسلمان اکثریت میں ہوں امریکہ میں تو ہم آٹے میں نمک کی حیثیت رکھتے ہیں! واقعہ یہ ہے کہ یہ دلیل بھی عذر لنگ اور معروضی حقائق کے بالکل خلاف ہے۔ مسلمان اکثریت والے ممالک میں فرقہ پرستی اور سیاسی حوصلہ مندی اور طالع آزمائی دو لعنتیں ایسی ہیں جو صحیح اسلامی دعوت کے پنپنے میں سدِّ سکندری کی طرح حائل ہیں اور اس پر مستزاد نفس پرستی اور طلب دنیا کی ہوس اور سب سے بڑھ کر مغرب کی مرعوبیت اور اس کی اندھی نقالی ایسے مہلک امراض ہیں، جبکہ غیر مسلموں کو دعوت دینے میں ان میں سے کوئی رکاوٹ موجود نہیں ہے!" (ڈاکٹر اسرار احمد۔ میثاق فروری 2003ء)

عُلَمَاءُ هُمْ ۔ زمانہ قبلِ مسیحؑ کے علماء کی حالت

اس باب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اس موجودہ دور کے علماء بعینہٖ وہی رنگ اختیار کر چکے ہیں جو قرآن وحدیث میں "عُلَمَاءُ هُمْ" کا بیان کیا گیا ہے۔ علماء کا یہ رنگ اختیار کرنا مسیح موعود کی آمد کی ضرورت کو ثابت کرتا ہے کیونکہ جب عوام کے ساتھ ساتھ علماء بھی بگڑ جائیں جو عوام کی روحانی واخلاقی اصلاح کے ذمّہ دار ہوتے ہیں تو پھر آسمان سے ایک ہادی ومہدی کے آنے کے سوا اور کوئی چارہ باقی نہیں رہتا۔

اس باب میں اپنی طرف سے کوئی بات شامل نہیں کی گئی اور اس بات کا خصوصی طور پر خیال رکھا گیا ہے کہ تمام حوالہ جات غیر احمدی علماء اور دانشوروں کی تحریرات سے ہی لئے جائیں تاکہ ان کا کلام ان پر ہی حجّت ہو۔ بانی جماعت احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام، خلفائے احمدیت اور علمائے سلسلہ احمدیہ کی کسی ایسی تحریر کو اس میں شامل نہیں کیا گیا جس میں علماء سو کا احوال حقیقی بیان کیا گیا ہے تاکہ حقیقت حال بیان کرنے کے باوجود ہم پر بے جا الزام تراشی کا الزام نہ عائد کیا جاسکے۔

مجھ کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب میں نے

رنج وغم کتنے کئے جمع تو دیوان کیا

اس باب میں شامل حوالہ جات میں غیر احمدی علماء و دانشور اور صوفی بزرگوں کی ایسی بے شمار تحریریں شامل نہیں کی گئیں جن میں علماء سو کے گھناؤنے کردار کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ مزید برآں علماء کے متعلق اخبارات، رسائل و میگزین میں چھپنے والی ایسی بے شمار خبریں بھی موجود ہیں جو ناشائستگی میں شمار ہوتی ہیں اور اس کتاب کا ماحول انہیں شامل کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی ایسی باتیں جو پہلے ہی منظر عام پر آچکی ہیں اور زبان زد عام ہیں، انہیں بھی نظر انداز کیا گیا ہے اور اس باب میں شامل نہیں کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں علماء کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا" (35:29)

یعنی یقیناً اللہ کے بندوں میں سے اس سے وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں

پھر علماء کی غیر علماء پر فوقیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:'

(39:10)' قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ''

یعنی تو پوچھ کہ کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے برابر ہو سکتے ہیں؟

لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان علماء کو بھی متنبہ کیا ہے جو لوگوں کو تو نیکی کی تلقین کرتے ہیں لیکن خود اس نیکی پر عمل نہیں کرتے:

(2:45)'' اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ وَتَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ ''

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟

جو عوام الناس کو گناہ کی باتوں اور حرام کھانے سے نہیں روکتے:

(5:64) '' لَوۡلَا يَنۡهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ عَنۡ قَوۡلِهِمُ الۡاِثۡمَ وَاَكۡلِهِمُ السُّحۡتَ ؕ لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا يَصۡنَعُوۡنَ ''

کیوں نہ ربّانیوں نے اور (کلامُ اللہ کی حفاظت پر مقرر) علماء نے انہیں گناہ کی بات کہنے اور ان کے حرام کھانے سے روکا۔ یقیناً بہت ہی برا ہے جو وہ کیا کرتے تھے۔

یعنی لوگوں کی اخلاقی وروحانی تربیت نہیں کرتے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اور ان کو تلقین کی ہے کہ ربّانی علماء بنو کیونکہ تم کتاب الٰہی پڑھتے اور پڑھاتے ہو:

(3:80)''... كُوۡنُوۡا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنۡتُمۡ تُعَلِّمُوۡنَ الۡكِتٰبَ وَبِمَا كُنۡتُمۡ تَدۡرُسُوۡنَ ''

ربّانی ہو جاؤ، بوجہ اس کے کہ تم کتاب پڑھاتے ہو اور بوجہ اس کے کہ تم (اُسے) پڑھتے ہو۔

ایسے علماء کی مثال اللہ تعالیٰ نے گدھے کی سی بیان کی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں لیکن وہ ان کتابوں میں لکھے ہوئے علوم کے بارے میں کچھ نہ جانتا ہو

''مَثَلُ الَّذِيۡنَ حُمِّلُوا التَّوۡرٰٮةَ ثُمَّ لَمۡ يَحۡمِلُوۡهَا كَمَثَلِ الۡحِمَارِ يَحۡمِلُ اَسۡفَارًا''(سورہ الجمعۃ۔62:6)

ان لوگوں کی مثال جن پر تورات کی ذمہ داری ڈالی گئی پھر اُسے (جیسا کہ حق تھا) انہوں نے اُٹھائے نہ رکھا، گدھے کی سی ہے جو کتابوں کا بوجھ اٹھاتا ہے

جب علماء کی یہ حالت ہو جائے کہ وہ لوگوں کی روحانی اور اخلاقی اصلاح کرنے سے قاصر ہو جائیں تو یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ''ظَهَرَ الۡفَسَادُ فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ ''(سورہ الروم۔30:42) کہہ کر پکارا ہے یعنی خشکی اور تری دونوں میں فساد برپا ہو گیا یعنی عوام اور علماء دونوں بگڑ گئے۔

قرآن کریم کی طرح حدیث میں بھی دو قسم کے علماء کا ذکر کیا گیا ہے۔ علماء کی ایک قسم وہ ہے جس کے ساتھ نبی اکرم ﷺ نے اپنی نسبت فرمائی ہے اور ان کو ''عُلَمَاءِ اُمَّتِیْ'' یعنی میری امّت کے علماء کہہ کر مخاطب کیا ہے، جبکہ دوسری قسم کے علماء وہ ہیں جو کہلاتے تو مسلمان ہی ہیں لیکن نبی اکرم ﷺ نے ان سے لاتعلقی کا اظہار فرماتے ہوئے انہیں

''عُلَمَاءُ هُمْ ''یعنی ان لوگوں کے علماء قرار دیا ہے جن کا قرآن وسنّت سے محض رسمی تعلق ہوتا ہے اور انہیں آسمان کے نیچے بدترین مخلوق قرار دیا ہے۔(مشکٰوۃ کتاب العلم الفصل الثالث ص ۳۸، کنز العمال ص ۳۴)

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنی امت کو گمراہ کُن اماموں سے بھی متنبہ فرمایا ہے

أَبُوْ ذَرٍّ قَالَ كُنْتُ أَمْشِيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَغَيْرُ الدَّجَّالِ أَخْوَفُنِيْ عَلَىٰ أُمَّتِيْ قَالَهَا ثَلَاثًا قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذَا الَّذِيْ غَيْرُ الدَّجَّالِ أَخْوَفُكَ عَلَىٰ أُمَّتِكَ قَالَ أَئِمَّةً مُضِلِّيْنَ

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ چل رہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ دجال کے علاوہ ایک اور چیز ہے جس سے مجھے اپنی امت کے متعلق خوف آتا ہے۔ آپؐ نے یہ جملہ تین مرتبہ دہرایا۔ میں نے پوچھا یارسول اللہ دجال کے علاوہ وہ کون سی چیز ہے جس سے آپ کو اپنی امت کے متعلق خوف آتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا گمراہ کن ائمہ۔(مسند احمد: مسند الانصار)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہود و نصاریٰ کے علماء کی یہ خصوصیات بیان فرمائی ہیں:

- کہ وہ جانتے بوجھتے ہوئے حق کو باطل سے خلط ملط کرتے ہیں اور حق کو چھپاتے ہیں۔وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿2:43﴾ اور حق کو باطل سے خلط ملط نہ کرو اور حق کو چھپاؤ نہیں جبکہ تم جانتے ہو۔
- وہ کلام کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا دیتے ہیں ... يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ ... ﴿5:14﴾ وہ کلمات کو ان کی اصل جگہوں سے ہٹا دیتے تھے

رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ آخری زمانہ کے علماء یہود و نصاریٰ کے اس قدر مشابہ ہونگے جس طرح بالشت بالشت کے اور قدم قدم کے مشابہ ہوتا ہے۔ اس مکمل مشابہت میں لازم تھا کہ قرآن کریم کی بیان کردہ یہود و نصاریٰ کے علماء کی خصوصیات آج کے دور کے مسلمان کہلانے والے علماء میں بھی پائی جاتیں۔ اللہ اور اس کے رسول کا کلام سچ ثابت ہوا اور غیر احمدی علماء کے مذہبی لٹریچر کے مطالعہ نے ہم پر یہ حقیقت ثابت کر دی کہ یہ علماء واقعی یہود و نصاریٰ کے مشابہہ بن چکے ہیں۔ غیر احمدی علماء کی ہر ممکن کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی شخص کا قرآن وحدیث سے براہ راست سامنا نہ ہوسکے اور ان بنیادی ماخذین اسلام کی جو بھی تشریح وہ لوگوں کے سامنے رکھ دیں لوگ اسے بے چون وچرا مان لیں۔ عوام الناس بھی دنیا کے کام میں اسطرح مشغول ہیں کہ انہیں دین کی طرف توجہ دینے کی قطعًا فرصت نہیں اور انہوں نے دین کا سارا کام ان علماء کے ہاتھوں میں سونپ رکھا ہے۔ لیکن علماء امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو قطعی طور پر بھلا کر یا تو اقتدار کے پیچھے بھاگ رہے ہیں یا آپس کے گروہی اور فرقہ وارانہ اختلافات سے فائدہ اٹھا کر اپنی دکانداریاں چمکا رہے ہیں۔ ایسے میں اصل دین کو لوگوں کے سامنے وہی جماعت لا سکتی ہے جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فرض تفویض کیا گیا ہے۔

شاہ ولی اللہ

''اس زمانہ میں فقیہ اس شخص کا نام ہے جو باتونی ہو زور زور سے ایک جبڑے کو دوسرے جبڑے پر پٹکتا ہو، جو فقہا کے اقوال قوی ہوں یا ضعیف سب کو یاد کرکے بغیر اس امتیاز کے کہ ان میں سے کس میں قوت ہے، کس میں نہیں ہے وہ انہیں اپنے جبڑوں کے زور سے چلتا کرتا ہے۔۔۔ فقہا جو پہلے عوام کے مطلوب تھے اب یہی عوام کے طالب ہوگئے اور سلاطین اور بادشاہوں سے الگ رہنے کی وجہ سے جو معزز شمار کیے جاتے تھے، اب بادشاہوں کے آستانوں پر جھک کر ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ اگر احبار یہود کی حالت دیکھنا چاہو، تو آج کل کے علماء کو دیکھ لو اور اگر عیسائیوں کا نقشہ دیکھنا چاہتے ہو تو آجکل کے مشائخ کے سامنے بیٹھ کر کھینچ لو۔'' (شاہ ولی اللہؒ، بحوالہ مقامات مظہری صفحہ۔110,111)

محمد اسمٰعیل سلفی

میاں نذیر حسین دہلوی کی کتاب "معیار الحق" کے پیش لفظ میں محمد اسمٰعیل صاحب سلفی گوجرانوالہ "ابتذال اور عوامیت" کے عنوان کے تحت اس دور کے علماء کے بازاری انداز کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"معیار الحق، فتاویٰ نذیریہ اور بعض دوسری تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں صاحب کے ذوق میں ابتذال اور عوامیت نہ تھی۔ پوری کتاب علمی مباحث پر مشتمل اور انداز بیان علمی ہے۔ اسے عوامی بنانے کی کوشش نہیں فرمائی۔ علمی حلقے بھی اس سے متاثر ہو سکتے تھے اور ہوئے۔ حالانکہ اس دور میں جامع الشواھد، اخراج الوھابیین من المساجد اور انتظام المساجد ایسی مبتذل اور عامیانہ کتابیں شائع کی گئیں۔ مگر میاں صاحب کے ذوق پر ان کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ میاں صاحب کے تلامذہ اور متوسلین نے ان کے جواب نرم گرم ہر طرح دیئے۔ جامع الشواھد ایسی گھٹیا کتاب کا بڑا متین جواب مولانا حافظ عبد اللہ صاحب غازی پوری رحمہ اللہ نے لکھا جو اسی نام سے شائع ہوا۔ افسوس ہے کہ یہ متانت دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ بریلی۔ بدایوں، لدھیانہ اور دہلی کے علمی مراکز اس قسم کا ردی لٹریچر شائع کرنے لگے۔ علمی مسائل کو بازاری انداز سے شائع کیا جانے لگا۔ حضرت میاں صاحب کے انتقال کے بعد بلکہ ان کی حیات کے آخری ایام میں یہ وباعام ہو گئی نہ اہل حدیث حضرات اس سے بچے نہ بریلی اور دیوبند اس سے محفوظ رہے۔ علمی اور تدریسی مسائل بازار کا سودا بن کر عوام کے لئے بدگمانی اور سنجیدہ حضرات کے لئے مضحکہ کا موجب بنے۔" (پیش لفظ۔ معیار الحق صفحہ۔ ق، ر)

"دہلی ہی میں ایک موقعہ پر کچھ ایسا اتّفاق سا ہوا کہ مولوی شرف الدین مرحوم (مفتی ریاست رام پور) جو مولانا شاہ عبد العزیز صاحب کے معاصر بھی رہ چکے تھے۔ علم میں کامل تھے اس لئے حضرت ممدوح سے ہمسری کا ادّعا بھی تھا۔۔۔ آپ کا شہرہ سن کر میاں صاحب بھی ملاقات کے لئے گئے۔ اثنائے کلام میں میاں صاحب نے پوچھا۔ آج کل جناب کا کیا مشغلہ ہے؟ فرمایا نوّاب (رامپور) نے جلالین کے ترجمہ کی فرمائش کی ہے۔ وہی لکھ رہا ہوں، مگر بے چارے دونوں جلالو تو بالکل بھولے بھالے تھے، اور کچھ جانتے بھی نہ تھے اس لئے مجھ کو بہت کچھ بنانا پڑتا ہے۔ میاں صاحب نے دریافت کیا کہ آیت "یورث کلالہ" میں لفظ یورث۔ "وَرِث۔ یَرِث" سے مشتق ہے یا "اورث۔ یورث" سے؟ مگر مفتی صاحب سے کچھ جواب بن نہ آیا۔" (صفحہ ۸۴)

"ائمہ کے صحیح احترام کا طریق تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ ان سے محبت کرنے والے بحث و نظر کی راہوں میں ان کے نقش قدم پر چلتے۔ ان کی طرح علوم میں دقّت نظر پیدا کر کے مسائل کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے اور اجتہاد کی راہوں کو کھلا رہنے دیتے ہر وقت اسباب و علل پر غور فرماتے اور قرآن و سنت کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل حل فرماتے۔ لیکن ہوا یہ کہ ائمہ کی محبت کے ساتھ کچھ بے عمل، بے محنت، غبی ہونے کے ساتھ احساس کہتری کے مریض علم و دانش کی بستیوں میں آباد ہونے لگے اور یہ ذہن پیدا کرنا شروع کر دیا کہ تم دین اور شریعت کو کہاں سمجھ سکتے ہو۔ اجتہاد و نظر کے دروازے کھلے ہونے کی بجائے اس طرح بند کر دیئے جیسے نبوت کی راہیں مسدود ہو چکی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابتداء میں تو ائمہ کے اصولوں کو سامنے رکھ کر بعض فروع کی تخریج کی گئی لیکن بتدریج وہ متخرج جزئیات ہی مستقل شریعت قرار پا گئیں۔ ان کے سہارے پر متون اور کچھ شروح محافل درس کی زینت بن گئے۔ ان جزئیات کا حفظ و ضبط اور ان حروف الفاظ کی پابندی منتہائے علم تصور ہونے لگی۔ کتاب و سنت سے استخراج مسائل شجر ممنوعہ تصور کیا جانے لگا۔ ہمارے جمود کا یہ حال ہے کہ بارہ بارہ سال مدارس میں صرف کرنے کے بعد ایک عالم متون فقہ کو مقدس ماننے لگا۔ قدوری اور کنز الدقائق اصل دین شمار ہونے لگے۔ گویا احساس کہتری اور جمود نے مزمن مرض کی صورت اختیار کر لی۔ ائمہ کے احترام کے نام سے یہ جو کچھ کیا گیا حضرات ائمہ اور ان کے پاکیزہ مقاصد کو ذبح کرنے کے مرادف تھا۔ گویا علم کی ترقی اور اجتہاد کی سربلندیوں کے لئے ان بزرگوں نے جو مساعی کی تھیں انہیں غارت کر کے رکھ دیا گیا۔ الفاظ کی پرستش اور حشویت کا نام فقہ رکھ دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک امام یا عالم کی محبت [نے] دوسرے کے ساتھ بغض کی صورت اختیار کر لی اور احادیث نبویہ کی تقسیم اس طرح ہو گئی کہ گویا میراث بٹ رہی ہے۔ ہر امام اور اس کے مقتدی اپنے اپنے حصہ پر قابض ہو رہے ہیں۔ دوسرا اس کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ اگر کوئی شافعی کسی حدیث پر بحث کرنا چاہے تو استاد یہ کہہ کر مطمئن کر دے گا کہ یہ احناف یا اہل کوفہ کی حدیث ہے اور یہ اہل حجاز کی۔ اور طالب علم اس سے مطمئن ہو جائے گا کہ میرا اس حدیث سے کوئی تعلق نہیں یہ دوسرے امام کی ہے۔ چوتھی

صدی کے بعد تقلید کا رجحان عام ہو گیا۔ ائمہ کی علمی اور اجتہادی کوششیں اپنے اپنے حلقوں میں محدود ہو کر رہ گئیں۔ پانچویں چھٹی صدی کی فقہیات بالکل کتاب و سنت کے برابر سمجھی گئیں۔ سائل جب علمائے دین سے شریعت کے متعلق سوال کرتا ہے تو ہمارے ملک کے علماء بلا تامل ہدایہ، در مختار اور شامی، عالمگیری وغیرہ کی عبارات لکھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہم نے شریعت کی بات بتادی اور حق ادا ہو گیا۔ وہ قرآن وحدیث کا نقل کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ حالانکہ یہ ایک خاص مکتبہ فکر کی ترجمانی ہے۔ بالکل ممکن ہے کہ قطعی طور پر غلط ہو۔ یہی حال شافعی، مالکی اور حنبلی فقہوں کا ہے۔ کسی کو عین شریعت یا شریعت کا مرادف نہیں سمجھا جاسکتا۔ اسی عقیدت اور احساس کہتری کی بناء پر چوتھی صدی کے بعد اجتہاد کی بندش کا فیصلہ کر دیا گیا۔ رسالہ حمیدیہ فی حقیقۃ الدیانۃ الاسلامیۃ و حقیقۃ الشریعۃ المحمدیہ میں پوری وضاحت سے اجتہاد کی بندش کا ذکر فرمایا ولکن من عصر اربع مائۃ من الھجریۃ النبویۃ علی صاحبھا ازکی الصلوۃ والسلام قال بعض العلماء الاعلام کما ینقل عن علماء الحنفیۃ ان باب الاجتھاد قد انسدّ من ذلک التاریخ صفحہ ۸۲۳۔ بعض علماء خصوصاً علماء حنفیہ سے منقول ہے کہ اس تاریخ سے اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا۔ یہ رسالہ ایک ترک عالم شیخ حسین آفندی جسر نے سلطان عبدالحمید کی حکومت میں سلطان کے لئے لکھا۔ اس کے بعد بڑی تفصیل سے بتایا ہے کہ ہمتیں قاصر ہیں عزائم ختم ہو چکے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کی رائے درست ہے کہ اجتہاد بند ہے لکن اذا دقق النظر یظھر ان ما قالۃ اولائک الاعلام ھو الموافق للصواب و عین الحکمۃ صفحہ ۹۲۳۔ دقتِ النظر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کی رائے اجتہاد کی بندش کے متعلق صحیح ہے۔ وقت معین پر اجتہاد بند کرنا ایسا معلوم ہوتا ہے گویا یہ کوئی خدائی حکم ہے حالانکہ قرآن و سنت میں کوئی حکم نہیں کہ اجتہاد فلاں صدی میں بند ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس وقت یہ قوت مخلوق سے سلب فرمالیں گے۔ یہ ساری جمود کی کارستانی ہے۔ ائمہ مجتہدین نے کب یہ دعویٰ فرمایا تھا کہ ہم مجتہد ہیں یا ہمیں مجتہد سمجھا جائے بلکہ ان کے علمی کارناموں اور دینی خدمات اور کتاب وسنت کی اشاعت کی وجہ سے آنے والے لوگوں نے انہیں مجتہد سمجھا۔ چوتھی صدی کے بعد واقعی یہ تصور عام ہو گیا کہ اب کوئی مجتہد نہیں ہو سکتا۔ جن لوگوں کے علمی کارنامے ائمہ اجتہاد کی طرح روشن اور نمایاں تھے ان کے متعلق بھی لفظ بولنے کی بظاہر جراءت نہ ہو سکی۔" (پیش لفظ از مولانا محمد اسمٰعیل۔ معیار الحق تصنیف شیخ الکل مولانا سیّد نذیر حسین محدّث دہلوی)

ابوالحسن علی ندوی

دوسری طرف فرقِ اسلامیہ کا آپس کا اختلاف تشویشناک صورت اختیار کر گیا تھا۔ ہر فرقہ دوسرے فرقہ کی تردید میں سرگرم اور کمربستہ تھا۔ مذہبی مناظروں اور مجادلوں کا بازار گرم تھا، جن کے نتیجہ میں اکثر زدوکوب، قتل وقتال، اور عدالتی چارہ جوئیوں کی نوبت آئی۔ سارے ہندوستان میں ایک مذہبی خانہ جنگی سی برپا تھی۔ اس صورتحال نے بھی ذہنوں میں انتشار، تعلقات میں کشیدگی اور طبیعتوں میں بیزاری پیدا کر دی تھی اور علماء کے وقار اور دین کے احترام کو بڑا صدمہ پہنچا تھا۔ دوسری طرف خام صوفیوں اور جاہل دلق پوشوں نے طریقت وولایت کو بازیچۂ اطفال بنا رکھا تھا۔" (قادیانیت از ابوالحسن علی ندوی۔ ص۔ 17)

صحافی خالد مسعود خان۔ صوفیاء کرام کے سجادہ نشینوں کا حال

"اگر کسی کا خیال ہے کہ صوفیاء کی تعلیمات صدیوں اور عشروں بعد بھی اسی طرح پیار، محبت، یگانگت، بھائی چارہ، تحمل اور رواداری عام کر سکتی ہیں جیسا کہ خود انہوں نے اپنے کردار اور عمل سے عام کی تھیں تو یہ ایک مکمل خوش فہمی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر صوفیاء کی تعلیمات ان کی موجودگی کے بغیر قابل عمل اور کارگر ہوتیں تو یہ معاشرہ ایک دوسری تصویر پیش کر رہا ہوتا اور خصوصاً صوفیاء کے دنیاوی وارث مخادیم اور سجادہ نشین حضرات اس کی سب سے خوبصورت مثال ہوتے۔ مگر نہایت افسوس سے عرض کرنا پڑ رہا ہے کہ اگر ان کے مریدین کی آنکھوں سے عقیدت کی پٹی اتار دی جائے تو نوے فیصد سجادہ نشین حضرات ایسے ہیں کہ جو اپنے بزرگوں کا نام نامی روشن کرنے کی بجائے روزِ قیامت ان کے لئے باعث شرمندگی ہوں گے۔ اگر ان کے جد امجد آج زندہ ہو کر دوبارہ دنیا میں تشریف لانے پر قادر ہوتے تو وہ نہ صرف ان کے اعمال سے لاتعلقی کا اظہار کرتے بلکہ اگلے ہی روز اخبار میں انہیں اپنی روحانی وراثت کے علاوہ اپنی تمام منقولہ و غیر منقولہ جائداد سے عاق کرنے کا اشتہار شائع کروادیتے۔۔۔ یہ بات طے ہے کہ کسی صوفی کی غیر موجودگی میں صوفی ازم سوائے خانقاہی نظام کے اور کچھ نہیں

ہے اور یہ ماضی میں نو آبادیاتی نظام کے استحکام کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے۔ برصغیر پاک وہند میں انگریزوں نے جہاں جاگیرداروں اور رؤسا کو استعمال کیا وہیں انہوں نے مختلف سلسلوں سے تعلق رکھنے والے صوفیاء اور بزرگانِ دین کے سجادہ نشینوں اور روحانی وارثوں کو پوری طرح استعمال کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے مخادیم اور ان کے ذریعے ان کے مریدوں کو اپنے نو آبادیاتی نظام کی مضبوطی اور اپنے خلاف ہونے والی آزادی کی تحریکوں کو کچلنے کے لئے استعمال کیا۔۔۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ صوفی ازم کسی صوفی کی غیر موجودگی میں محض ایک ایسا خانقاہی نظام ہے جسے پہلے نو آبادیاتی نظام کی مضبوطی کے لیے اور اب نو تشکیل شدہ استعماری نظام کی مضبوطی کے لیے استعمال کرنے کی منصوبہ بندی کی جارہی ہے کیونکہ یہ ایک ایسا آزمودہ نسخہ ہے جسے برصغیر میں قریب ڈیڑھ سو سال قبل نہایت ہی کامیابی سے آزمایا جاچکا ہے اور اس وقت ملک عزیز کی سیاست میں روشن بہت سے درخشاں ستارے اپنی ان جاگیروں کے بل پر صاحب ثروت اور مقتدر و زور آور ہیں جو انہیں انگریزوں نے شمع آزادی کے پروانوں کو جلا کر خاکستر کرنے کے عوضانے میں بخشیش کی تھیں۔"(کالم "کٹہرا" از خالد مسعود خان۔ روزنامہ جنگ 25اور27مئی2010)

1857 کی جنگ میں مسلمان پیروں کا کردار

1857 میں انگریز حکومت کے خلاف لڑی جانے والی جنگ جنگِ آزادی تھی یا غدر، اس سے اس وقت بحث نہیں۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ اس جنگ میں بانی سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کی طرف سے حکومت کو دی جانے والی کمک پر، جسے حضور علیہ السلام نے خود بیان فرمایا ہے اور چھپایا نہیں ورنہ مخالفین کے پاس اسے جاننے کا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا، مخالفین اکثر پیش کر کے سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انگریزوں کا ایجنٹ قرار دیتے ہیں لیکن اپنے علماء و مشائخ کی حکومتِ وقت کی خدمت میں اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر پیش کی جانے والی خدمات پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔

"10جون1857ء کو ملتان چھاؤنی میں پلاٹون نمبر69 کو بغاوت کے شبہے میں نہتا کیا گیا اور پلاٹون کمانڈر کو بمعہ دس سپاہیوں کے توپ کے آگے رکھ کر اڑا دیا گیا۔ آخر جون میں بقیہ نہتی پلاٹون کو شبہ ہوا کہ انہیں چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں فارغ کیا جائے گا اور انہیں تھوڑا تھوڑا کر کے تہہ تیغ کیا جائے گا۔ سپاہیوں نے بغاوت کر دی تقریباً بارہ سو سپاہیوں نے بغاوت کا علم بلند کیا۔ انگریزوں کے خلاف بغاوت کرنے والے مجاہدین کو شہر اور چھاؤنی کے درمیان واقع پل شوالہ پر دربار بہاء الدین زکریا کے سجادہ نشین مخدوم شاہ محمود قریشی نے انگریزی فوج کی قیادت میں اپنے مریدوں کے ہمراہ گھیرے میں لے لیا اور تین سو کے لگ بھگ نہتے مجاہدین کو شہید کر دیا۔ یہ مخدوم شاہ محمود قریشی ہمارے موجودہ وزیر خارجہ مخدوم شاہ محمود قریشی کے لکڑ دادا تھے اور ان کا نام انہی کے حوالے سے رکھا گیا تھا۔ کچھ باغی دریائے چناب کے کنارے شہر سے باہر نکل رہے تھے کہ انہیں دربار شیر شاہ کے سجادہ نشین مخدوم شاہ علی محمد نے اپنے مریدوں کے ہمراہ گھیر لیا اور ان کا قتلِ عام کیا۔ مجاہدین نے اس قتل عام سے بچنے کے لئے دریا میں چھلانگیں لگا دیں۔ کچھ لوگ دریا میں ڈوب کر جاں بحق ہو گئے اور کچھ لوگ پار پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ پار پہنچ جانے والوں کو سید سلطان احمد قتال بخاری کے سجادہ نشین دیوان آف جلالپور پیروالہ نے اپنے مریدوں کی مدد سے شہید کر دیا۔ جلالپور پیروالہ کے موجودہ ایم این اے دیوان عاشق بخاری انہی کی آل میں سے ہیں۔۔۔ مجاہدین کی ایک ٹولی شمال میں حویلی کورنگا کی طرف نکل گئی جسے مہر شاہ آف حویلی کورنگا نے اپنے مریدوں اور لنگڑیال، ہراج، سرگانہ، ترگڑ سرداروں کے ہمراہ گھیر لیا اور چن چن کر شہید کیا۔ مہر شاہ آف حویلی کورنگا سید فخر امام کے پڑدادا کا سگا بھائی تھا۔ اس اس قتلِ عام میں فی مجاہد شہید کرنے پر بیس روپے نقد یا ایک مربع اراضی عطا کی گئی۔ مخدوم شاہ محمود قریشی کو1857ء کی جنگ آزادی کے کچلنے میں انگریزوں کی مدد کے عوض مبلغ تین ہزار روپے نقد، جاگیر سالانہ معاوضہ مبلغ ایک ہزار سات سو اسی روپے اور آٹھ چاہات جن کی سالانہ جمع ساڑھے پانچ سو روپیہ تھی بطور معافی دوام عطا ہوئی۔ مزید یہ کہ1860ء میں وائسرائے ہند نے بیگی والا باغ عطا کیا۔ مخدوم آف شیر شاہ مخدوم شاہ علی محمد کو دریائے چناب کے کنارے مجاہدین کو شہید کرنے کے عوض وسیع جاگیر عطا کی گئی۔ حویلی کورنگا کے معرکے میں بظاہر سارے مجاہدین مارے گئے مگر علاقے میں آزادی کی شمع روشن کر گئے۔ حویلی کورنگا کی لڑائی کے نتیجے میں جگہ جگہ بغاوت پھوٹ پڑی اور حویلی کورنا، قتال پور سے لے کر ساہیوال بلکہ اوکاڑہ تک کا علاقہ خصوصاً دریائے راوی کے کنارے بسنے والے مقامی جانگلیوں کی ایک بڑی تعداد اس تحریکِ آزادی میں شامل ہو گئی۔ جانگلی علاقے میں اس بغاوت کا سرخیل رائے احمد خان کھرل تھا جو گوگیرہ کے نواحی قصبہ

جھامرہ کا بڑا زمیندار اور کھرل قبیلے کا سردار تھا۔ احمد خان کھرل کے ہمراہ مراد فتیانہ، شجاع بھدرو، موکھا وہنی وال اور سارنگ جیسے مقامی سردار اور زمیندار تھے۔ مؤرخہ 16 ستمبر 1857 کو رات گیارہ بجے سرفراز کھرل نے ڈپٹی کمشنر ساہیوال بمقام گوگیرہ کو احمد خان کھرل کی مخبری کی۔ مؤرخہ اکیس ستمبر 1857 کو راوی کے کنارے "دلے دی ڈل" میں اسی سال احمد خان کھرل پر جب حملہ ہوا تو وہ عصر کی نماز پڑھ رہا تھا۔ اس حملے میں انگریزی فوج کے ہمراہ مخدوموں، سیدوں، سجادہ نشینوں اور دیوانوں کی ایک فوج ظفر موج تھی جس میں دربار سید یوسف گردیز کا سجادہ نشین سید مراد شاہ گردیزی، دربار بہاء الدین زکریا کا سجادہ نشین مخدوم شاہ محمود قریشی، دربار فرید الدین گنج شکر کا گدی نشین مخدوم آف پاکپتن، مراد شاہ آف ڈولا بالا، سردار شاہ آف کھنڈا اور گلاب علی چشتی آف ٹبی لال بیگ کے علاوہ بھی کئی مخادیم و سجادہ نشین شامل تھے۔ احمد خان کھرل اور سارنگ شہید ہوئے۔ انگریز احمد خان کھرل کا سر کاٹ کر ہمراہ لے گئے۔ احمد خان کھرل کے قصبہ جھامرہ کو پیوند خاک کرنے کے بعد آگ لگادی گئی۔ فصلیں جلا کر راکھ کر دی گئیں۔ تمام مال مویشی ضبط کر لئے گئے۔ دیگر سرداروں کو سزا کے طور پر بعبور دریائے شور یعنی کالا پانی بھجوادیا گیا۔ اس طرح جانگلی علاقے کی تحریک آزادی مخدوموں، سرداروں، وڈیروں اور گدی نشینوں کی مدد سے دبادی گئی اس کے بعد دریائے راوی کے کنارے اس علاقے کے بارے میں راوی چین ہی چین لکھتا ہے۔۔۔(یہ مقالہ مؤرخہ 8 مئی 2010ء کو اکادمی ادبیات پاکستان کی پنجاب شاخ کے زیر اہتمام لاہور میں ہونے والی کانفرنس "صوفی ازم کی عوامی بنیادیں" میں پڑھا گیا)۔ (کالم "کٹہرا" از خالد مسعود خان۔ روزنامہ جنگ 25 اور 27 مئی 2010)

مسیحیت کے مقابلہ میں غیر احمدی علماء کی ناکامی

انیسویں صدی کے آغاز میں ہندوستان میں مسیحی علماء کے اسلام پر حملوں کے جواب میں غیر احمدی علماء کی خاموشی، ناکامی اور بے بسی اور اس کے نتیجہ میں مسلمانوں میں بے چینی، تڑپ، دلگرفتگی، بہتوں کے اسلام کے متعلق شکوک و شبہات اور ارتداد کے حالات پیدا ہو چکے تھے۔ انگریزوں کی ہندوستان آمد اور غلبہ کے کچھ عرصہ بعد مسیحی پادریوں نے بھی یہاں کا رخ کیا اور اپنے دین کو پھیلانے کی بھرپور کوششیں کرنے لگے جن میں انہیں اپنی حکومتوں اور مالدار لوگوں کی مکمل اعانت و سرپرستی حاصل تھی۔ پادریوں کی تبلیغی سرگرمیوں نے ایک طوفان مچادیا اور وہ بڑھ چڑھ کر گلی کوچوں اور چوراہوں پر کھڑے ہو کر اسلام پر حملے کرنے لگے۔ خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ جسم سمیت آسمان پر اٹھائے جانے اور اب تک وہاں موجود ہونے اور ان کا بوقت پیدائش مسّ شیطان سے محفوظ رہنے کے عقیدہ پر مبنی اُن کے اعتراض کا مسلمان علماء کے پاس کوئی جواب نہ تھا کیونکہ خود مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں مسیحیوں سے بڑھ کر خدائی صفات ہونے کے قائل تھے اور مسیحیوں کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق چند مشترکہ عقائد رکھنے کے ساتھ ساتھ اُن میں ایسی صفات ہونے کا بھی عقیدہ رکھتے تھے جنہیں خود انہیں خدا ماننے والے مسیحی نہیں مانتے تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ مسلمان علماء حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مکمل بشر بھی نہیں مانتے۔ سیّد مناظر احسن گیلانی صاحب لکھتے ہیں۔

"۔۔۔والدہ تو ان کی مریم (علیہا السلام) موجود ہی تھیں اور روح القدس جس کے نزول کا ذکر انجیل میں کیا گیا ہے، اس کا نفخ جو ایک ملکوتی عمل ہے اسی میں ان کو (یعنی عیسائیوں کو۔ ناقل) وہ چیز مل سکتی ہے جسے چاہیں تو والدیت کا قائم مقامی عطا کر سکتے تھے بلکہ اسلامی صوفیوں نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت مسیح (علیہ السلام) کا وجود بشریت و ملکوتیت کا ایک برزخی قالب تھا، ماں کی طرف سے وہ بشر تھے اور فرشتہ یا روح القدس یا جبرائیل اور ان کے عمل نفخ نے حضرت مسیح (علیہ السلام) میں ملکوتی شان پیدا کر دی تھی، انہوں نے لکھا ہے کہ پیدا ہونے کے ساتھ ہی فہم و ادراک، عقل و تمیز کی قوت جو مسیح (علیہ السلام) میں پیدا ہو گئی تھی اور إني عبداللہ أتني الكتب و جعلني نبيا کے الفاظ گھوارے ہی میں ان کی زبان پر جاری ہوئے تو اسی برزخیت کا نتیجہ ہے۔ برخلاف ان بچوں کے جو بشری والدین کے توسط سے پیدا ہوتے ہیں ان کی روح ماں باپ دونوں کی طرف سے مادی پردوں میں دبی ہوتی ہے۔ اسی لئے روحانی قوتوں کی بیداری کے لئے کچھ مدت درکار ہوتی ہے مگر مسیح (علیہ السلام) پر صرف ماں کی طرف سے ہلکا سا مادی پردہ چڑھا ہوا تھا (دیکھیں یہاں مادی پردہ کا انکار نہیں کیا لیکن اسے ہلکا سا کہہ کر ان کی بشریت کو مزید کمزور کر دیا) اسی لئے اس مدت کی ضرورت ان روحانی قوتوں کی بیداری کے لئے پیش نہ آئی بلکہ بشری والدین سے پیدا ہونے والے انسانوں کی بقا کا جو عام قدرتی قانون ہے اس سے بھی حضرت مسیح (علیہ السلام) کو جو ہم باہر دیکھتے ہیں تو اس کی توجیہہ بھی یہی ہے کہ وہ پورے آدمی ہی کب تھے بلکہ جیسے بے شمار فرشتے، جبرائیل، میکائیل وغیرہ جس طرح زندہ ہیں۔ کچھ اسی قسم کی کیفیت مسیح (علیہ السلام) کی زندگی کی بھی ہے، مگر تھوڑا سا (دیکھیں بار بار ان کی بشریت کی

ممکن حد تک نفی کرتے ہیں۔ لیکن جب بریلوی نبی اکرم ﷺ کو مکمل نور کہتے ہیں تو یہی دیوبندی مولوی ڈنڈا پکڑ کر انہیں مکمل بشر ثابت کرنے پر تُل جاتے ہیں) بشری حصہ ان کی طرف سے بھی ان کے اندر چونکہ شریک تھا اس لئے بالآخر بشری موت کا قانون آخر میں ان پر نافذ ہوگا۔"("سورہ کہف کی تفسیر کے تناظر میں دجّالی فتنہ کے نمایاں خدوخال"۔ تحقیق جدید مفتی محمد تقی عثمانی صاحب۔حاشیہ صفحہ-67)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ سمیت تمام رسول بشر تھے:

﴿14:12﴾ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ

ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم تمہاری طرح کے بشر ہونے کے سوا کچھ نہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان کرتا ہے۔ اور ہم میں طاقت نہیں کہ کوئی غالب آنے والا نشان لے آئیں مگر اللہ کے اِذن سے۔ اور اللہ ہی پر پھر چاہیئے کہ مومن توکل کریں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ صرف ایک بندے تھے اور آدم علیہ السلام کی طرح مٹی سے پیدا کئے گئے تھے لیکن گیلانی صاحب کہتے ہیں کہ وہ صرف آدمی نہیں بلکہ فرشتے بھی تھے

﴿43:60﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

وہ تو محض ایک بندہ تھا جس پر ہم نے انعام کیا اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ایک (قابل تقلید) مثال بنا دیا۔

﴿3:60﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ

یقیناً عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مثال کی سی ہے۔ اسے اس نے مٹی سے پیدا کیا پھر اسے کہا کہ "ہو جا" تو وہ ہونے لگا (اور ہو کر رہا)۔

مناظر احسن گیلانی صاحب کے نزدیک نبی اکرم ﷺ سمیت تمام انبیاء کی ارواح مادی پردوں میں دبی ہوتی ہیں اور کچھ مدت بعد ان کی روحانی قوتیں بیدار ہوتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نبوت ملنے تک یعنی چالیس سال کی عمر تک نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے اور آپ کو راہ حق کی تلاش میں سرگرداں پایا تو آپ کو سیدھا راستہ دکھایا و وجدک ضاآلا فھدیٰ لیکن عیسیٰ علیہ السلام بچپن سے ہی راہِ حق پر فائز اور علوم نبوت سے واقف تھے۔ اگر یہاں مناظر احسن گیلانی صاحب یہ لکھتے کہ تمام انبیاء کے ساتھ ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کی تمام انبیاء پر فوقیت کیسے ثابت ہوتی اور ان کو الوہیت یا ملکوتیت کے مقام پر فائز کرنے کا مقصد کیسے پورا ہوتا۔

غیر احمدی مسلمانوں اور عیسائیوں کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مشترکہ عقائد

غیر احمدی مسلمان	عیسائی
مسیحؑ نے مُردے زندہ کئے اور بیماروں کو شفا دی	مسیحؑ نے مُردے زندہ کئے اور بیماروں کو شفا دی
مسیحؑ آسمان پر زندہ اٹھا لیے گئے اور اب تک وہیں بیٹھے ہیں	مسیحؑ مرنے کے بعد زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے اور اب تک وہیں بیٹھے ہیں
مسیحؑ کو آسمان پر انسانی جسم رکھنے کے باوجود جسمانی ضروریات لاحق نہیں ہوتیں	مسیحؑ کو آسمان پر کوئی انسانی ضرورت لاحق نہیں ہوتی
مسیحؑ قیامت کے قریب زمین پر اتریں گے اور کافروں کو قتل کریں گے	مسیحؑ آمدِ ثانی میں کافروں کو قتل کریں گے اور ان کی سانس سے شریر ہلاک ہوں گے
مسیحؑ دجّال کو قتل کریں گے	مسیحؑ دجّال کو قتل کریں گے

غیر احمدی مسلمانوں کے حضرت مسیحؑ میں خدائی صفات رکھنے کے وہ عقائد جو خود عیسائیوں میں نہیں ملتے

غیر احمدی مسلمان	عیسائی
مسیحؑ کی پیدائش ایک انوکھی اور بے مثال پیدائش ہے	ملک صدق سالم کی پیدائش بھی مسیحؑ کی مانند ہے
مسیحؑ نے پنگھوڑے میں بات کی	بائیبل میں ایسا کوئی ذکر نہیں
مسیحؑ نے مٹی سے پرندے بنا کر پھونک مار کر زندہ کر دیا	بائیبل میں ایسا کوئی ذکر نہیں
مسیحؑ صلیب پر نہیں چڑھائے گئے اور فوت نہیں ہوئے	مسیحؑ صلیب پر چڑھائے گئے اور مر گئے
مسیحؑ لوگوں کو بتا دیا کرتے تھے کہ انہوں نے اپنے گھروں میں کیا پکایا اور کھایا	بائیبل میں اس کا کوئی ذکر نہیں
تمام دیگر انبیاءؑ کے برعکس مسیحؑ کو کافروں کے ہاتھ سے کوئی گزند نہیں پہنچی	مسیحؑ کو مار پیٹ کا نشانہ بننا پڑا اور ان کے منہ پر تھوکا بھی گیا
مسیحؑ آسمان سے مسجد اقصیٰ آئے پھر کسی سواری کے بغیر نبی اکرم ﷺ سے پہلے واپس آسمان پر جا پہنچے، لیکن نبی اکرم ﷺ برّاق پر بیٹھ کر آسمان پر پہنچے	بائیبل میں مسیحؑ کے آسمان پر جانے کے بعد زمین پر دوبارہ آکر پھر واپس آسمان پر جانے کا کوئی ذکر نہیں
تمام انسانوں اور انبیاءؑ کے برعکس حضرت عیسیٰؑ مسِّ شیطان سے محفوظ رہے	حضرت عیسیٰؑ چالیس روز شیطان سے آزمائے گئے۔ وہ انہیں لے کر بیابان میں پھرتا رہا۔

مسیحی علماء مسلمانوں کے ان عقائد سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دیگر تمام انبیاء علیہم السلام بلکہ نبی اکرم حضرت محمد ﷺ پر بھی فوقیت ثابت کرتے تھے جس کی تردید مسلمان علماء نہیں کر سکتے تھے اور سوائے خاموشی کے ان کے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ ایک مسیحی عالم مسیحی دنیا کو اس صورتحال سے فائدہ اٹھانے کی تحریک دلاتے ہوئے لکھتا ہے:

> "Muslims know that Muhammad is dead, and they know also that Christ lives. Let us make the most out of it, not in a childish way, however, as saying, "Look, my man is better than yours. " No, but let us point out the spiritual consequences which result from Christ's being alive with God in heaven, and show the spiritual resources we can draw upon because of this fact. " (Bridge to Islam by E. W. Bethmann, P-107 (New Edition), P-287 (Old Edition) Published by Southern Publishing Association Nashville, Tennessee, USA)

ترجمہ: مسلمان جانتے ہیں کہ محمد ﷺ فوت ہو چکے ہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ مسیحؑ زندہ ہیں۔ آیئے اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں لیکن بچگانہ طور پر یہ کہتے ہوئے نہیں کہ ہمارا آدمی تمہارے آدمی سے بہتر ہے۔ نہیں، بلکہ آیئے ان روحانی نتائج کی نشاندہی کریں جو مسیحؑ کے خدا کے ساتھ آسمان میں زندہ ہونے سے ابھرتے ہیں اور ان روحانی ماخذوں کو دکھائیں جنہیں ہم اس حقیقت کی وجہ سے سامنے لاسکتے ہیں۔"

مسلمان علماء کی بے بسی و ناکامی

مسیحی علماء کے اسلام، قرآن مجید اور نبی اکرم ﷺ پر تابڑتوڑ حملوں کے جواب میں مسلمان علماء خاموش، نااہل، بے بس، ناکام اور شکست کے خوف سے منہ چھپانے والے نظر آتے ہیں۔ ذیل میں چند علماء کی گواہیاں پیش ہیں۔

ابوالمنصور صاحب

"امابعد ان دنوں عبدہ سید محمد ابوالمنصور ابن جناب عظمت مآب سید محمد علی صاحب مغفور ابن جناب کرامت مآب سید فاروق علی صاحب قدس سرہ العزیز نے ایک کتاب مسمّی نیاز نامہ کو دیکھا کہ جس کے مصنف پادری صفدر علی صاحب نے اپنے عریضہ نیاز مطبوعہ پرچہ مواعظ عقبیٰ یکم ستمبر 1869ء مطابق 23 جمادی الاول 1286 ہجری جلد سوم نمبر 9 میں دعویٰ کیا کہ تین برس سے یہ کتاب نیاز نامہ بہ اثباتِ حقیقتِ دین مسیح و ابطال حقیقتِ اسلام میں نے تصنیف کی اور کوئی علماء اسلام میں سے ہندوستان سے عرب عجم وغیرہ تک اس کا جواب نہ لکھ سکا لیکن افسوس ان پر جو باوجودیکہ چاروں طرف سے آواز الصّلا الصّلا سنتے ہیں اور الٰہی دعوت (یعنی انجیل کی منادی) کا غُل جگہ جگہ پاتے ہیں تو بھی خواب غفلت میں پاؤں پسارے سوتے ہیں اور صرف اتنا کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ ہمارا طریق تو تقلید ہے جس میں ہیں اسی میں رہیں گے۔ اور خوب جانتے ہیں کہ خدا کی قہر کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جس میں تمام تودے طوفان اور ناراستی اور بطالت کے جلیں گے پس وہ تنکا جس پر اعتقاد رکھتے کہاں باقی بچے گا وہاں تو اس کا نام ونشان بھی نہ ہو گا۔ پس اس پر بھروسہ کرنا نہایت نادانی ہے۔ اس سے زیادہ ان مولوی صاحبوں پر افسوس ہوتا ہے کہ جو اپنے دل میں خوب جانتے ہیں کہ دین محمدیؐ حق نہیں اور کتاب مقدس اور دین مسیح بے شک حق اور خدا کی طرف سے ہے لیکن دنیا کے مارے نہ آپ قبول کرتے نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے ہیں۔ اکثر تو ان میں سے اتنی ہی بات سے ٹال دیتے ہیں کہ مسیحیوں کے اعتراض بآسانی دفع ہوسکتے ہیں اور دین محمدی کی حقیّت کے ثبوت بہت ہیں مگر ہم کو فرصت نہیں کہ اپنا وقت اس میں صرف کریں حالانکہ ہدایت راہِ حق کا دعویٰ کرتے بلکہ اکثروں کی وجہ معاش اسی پر ہے۔ جبل پور میں مولوی صاحبوں کا ہجوم رہتا ہے جو حج کو جاتے یا وہاں سے واپس آتے ہیں۔ جب کوئی صاحب وارد ہوتے ہیں بہت سے مسلمان بھائی نیاز نامہ ان کی خدمت میں لے جاتے اور التجائے جواب باصواب کرتے ہیں مگر سب کے سب اسے لیت ولعل میں چھوڑ جاتے۔ مولوی عبدالحکیم صاحب حیدرآباد سے جواب لکھنے کا وعدہ کر گئے۔ مولوی عنایت علی مجتہد جو ملک عرب میں مدت ہائے مدید تک تحصیل و تکمیل علوم دینیہ کر کے آئے الٰہ آباد یا پنجاب سے تحریر کرنے کا وعدہ کر گئے۔ مدت ہو چکی اس طور سے کئی ایک صاحب تلاش کر کے فقیر کے پاس آئے اور نیاز نامہ لے کر کسی نے مدینہ سے کسی نے مکہ سے کسی نے بغداد سے کسی نے کربلا سے جواب بھیجنے کا وعدہ کیا مگر ہنوز روزِ اوّل ہے۔ ایک صاحب الٰہ آباد میں دو برس سے مشہور کرتے ہیں کہ جواب تیار ہے بس نظر ثانی کی کسر ہے۔ ایک صاحب نے بنارس میں پادری لیپول صاحب سے کئی بار وعدہ کیا کہ جواب جلد دیتا ہوں۔ ایک مشہور و معروف واعظ عالم پشاور نے پادری ڈیڈ صاحب سے بدین تحریر مباحثہ کیا کہ نیاز نامہ اور پادری عمادالدین صاحب کی کتابوں کا جواب دوں گا۔ اسی طرح مولوی سیّد محمد عبدالعزیز صاحب کشمیر سے تشریف لائے۔ بہت لوگوں کو مرید کیا۔ عمائدین میں سے بھی کئی لوگوں نے بیعت کی اور جگہ جگہ ان کا شہرہ پھیلا۔ اور فرمایا کہ میں نے روم وشام وعرب وغیرہ میں مدتوں سیر کی۔ بمبئی میں چالیس بڑے بڑے مشہور پادری جمع ہوئے۔ آخر ان چالیسوں کو لاجواب کر دیا۔ جب لوگوں نے روز روز (جواب نیاز نامہ) کا اصرار کر کے قائل کیا تو ٹال کر اندور کو سدھارے۔ مولوی برکت اللہ (یا برکت علی) مکّہ سے آئے جو مدّت مدید سے ہجرت کر کے وہاں رہتے ہیں سب کے روبرو آپ ہی شرمندہ ہوئے اور گھبرائے اور پسینوں میں نہائے۔ بلکہ مولوی سیّد مقصود الحسن صاحب تحصیلدار اور منشی لطافت علی خان سر شتہ دار وغیرہ عمائد شہر نے خود ان کو قائل کیا۔ آخر کو ان کی اور دوسرے لوگوں کی صلاح اور صوابدید سے مولوی برکت اللہ قاضی ولی محمد کو اپنے ساتھ مکّہ لے گئے کہ جواب نیاز نامہ لاوے۔ وہاں مولوی رحمت اللہ اور ڈاکٹر

وزیر خان موجود ہیں۔ لیکن بیچارہ اتنی محنت و مشقت اٹھا کر مکّہ بھی پہنچا اور ایک عرصہ تک ان صاحبوں کی خدمت میں رہا پھر بھی بے نیل مقصود واپس آیا اور سارے مشتاقوں اور منتظروں کے دلوں کو سرد کر دیا۔ یہ حال محمدی علماء کا ہے کہ ہر حیلہ ہر بہانہ چاہتے ہیں کہ امر حق لوگوں سے پوشیدہ رہے اور کوئی خدا کی راہ پر نہ پہنچے۔ مرید کرنے دعوت کھانی فتوح یعنی روپیہ مارنے کو تو اتنی فرصت کہ سینکڑوں کوس دوڑتے پھرتے۔ سارے ہندوستان کا دورہ کرتے ہیں کہ وہ محمد صاحب کی سنّت ہے مگر حق و باطل کی تمیز اور دین و ایمان کی بابت سوچنا سمجھنا یا تعلیم کرنا فرض نہیں اس کے لئے فرصت نہیں ہے۔۔۔ تب میں بہت رویا کہ کوئی اس لائق نہ ٹھہرا کہ کتاب کو کھولے اور پڑھے یا اسے دیکھے۔۔۔ کیا ہم میں سے کوئی اتنی جرأت والا نہیں ہے جو کہے کہ نیاز نامہ عیسائی مصنفوں کی صرف دو تین اردو کتابوں کا انتخاب ہے جس کے ہر مہینے میں دو تین جواب غیر تمندانِ اسلام کی طرف سے تمام و کمال ہو سکتے ہیں اور کیا کوئی ایسا خدا ترس راست گو بھی نہیں ہے جو اس جواب کو کتاب نیاز نامہ سے مقابل کرے اور بے طرفداری مُنصف ہو۔" (رقیمۃ الوداد۔ صفحہ 3 تا 6)

سیّد مناظر احسن گیلانی

"اسی زمانہ کے درمیان میں دہلی میں پادریوں کے وعظ کا چرچا تھا اور مسلمانوں میں سے بعضے بے چارے اپنی ہمت سے ان کا مقابلہ کرتے تھے کوئی اہل قلم جن کا یہ کام تھا اس طرف توجہ نہ کرتا تھا۔" (سوانح قاسمی۔ حصہ اوّل، صفحہ۔ 40)

سیّد ابوالحسن علی ندوی صاحب

"انیسویں صدی عیسوی تاریخ میں اس لحاظ سے خاص امتیاز رکھتی ہے کہ اسلامی ممالک میں دماغی بے چینی اور اندرونی کشمکش اپنے شباب کو پہنچ چکی تھی۔ ہندوستان اس بے چینی و کشمکش کا خاص میدان تھا۔ یہاں بیک وقت مغربی و مشرقی تہذیبوں، جدید و قدیم نظامِ تعلیم اور نظامِ فکر اور اسلام و مسیحیت میں معرکہ کارزار گرم تھا اور دونوں طاقتیں زندگی کے لئے ایک دوسرے سے نبرد آزما تھیں۔ 1857 کی آزادی کی کوشش ناکام ہو چکی تھی۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے دل شکست کے صدمہ سے زخمی اور ان کا دماغ ناکامی کی چوٹ سے مفلوج ہو رہا تھا۔ وہ دوہری غلامی کے خطرہ سے دوچار تھے، سیاسی غلامی اور تہذیبی غلامی۔ ایک طرف نوخیز فاتح انگریزی سلطنت نے نئی تہذیب و ثقافت کی توسیع و اشاعت کا کام شروع کر دیا تھا۔ دوسری طرف ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے عیسائی پادری مسیحیت کی دعوت و تبلیغ میں خاص سرگرمی دکھا رہے تھے۔ وہ عقائد میں تزلزل پیدا کر دینے اور عقیدہ اور شریعتِ اسلامی کے ماخذوں اور سرچشموں کے بارے میں متشکک اور بدگمان بنا دینے کو اپنی بڑی کامیابی سمجھتے تھے۔ مسلمانوں کی نئی نسل جس پر اسلامی تعلیمات نے پورے طور پر اثر نہیں کیا تھا اس دعوت و تلقین کا خاص طور پر ہدف اور اسکول و کالج اس ذہنی انتشار اور اندرونی کشمکش کا خصوصیت کے ساتھ میدان تھے۔ ہندوستان میں قبول مسیحیت کے واقعات بھی پیش آنے لگے لیکن اس وقت کا اصل مسئلہ اور اسلام کے لئے صحیح خطرہ ارتداد نہ تھا بلکہ الحاد اور عقائد میں تردّد اور تزلزل تھا۔ عیسائی پادریوں اور مسلمان عالموں میں جابجا مناظرے اور مباحثے ہوئے جن میں عام طور پر علمائے اسلام کو فتح ہوئی اور عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کا علمی اور عقلی تفوّق اور استحکام ثابت ہوا، لیکن ان سب کے نتیجہ میں بہر حال طبیعتوں میں ایک بے چینی اور افکار و عقائد میں تزلزل پیدا ہو رہا تھا۔" (قادیانیت۔ تحلیل و تجزیہ۔ "انیسویں صدی کا ہندوستان"۔ ص۔ 13,14۔ ناشر مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ۔ سن اشاعت 2011ء)

ابوالحسن علی ندوی صاحب کی اس محولہ بالا عبارت کے آخری دو جملوں پر غور فرمائیں جو ایک دوسرے کی تردید کر رہے ہیں۔ پہلے لکھا ہے کہ مناظروں اور مباحثوں کے نتیجے میں اسلام کا علمی اور عقلی تفوّق اور استحکام ثابت ہوا لیکن ساتھ یہ بھی لکھا کہ ان سب کے نتیجہ میں طبیعتوں میں بے چینی اور افکار و عقائد میں تزلزل پیدا ہو رہا تھا۔ خدا جانے یہ کیسا عالم ہے جہاں استحکام اور تزلزل بیک وقت پیدا ہوتے ہیں۔ تاریخ کا ایک غیر جانبدار طالبعلم جو تاریخ کو ندوی صاحب کی عینک کی بجائے اپنی آنکھوں سے پڑھے گا جان جائے گا کہ مسیحی علماء کی یلغار کے نتیجہ میں مسلمانوں کے عقائد و افکار میں تزلزل ہی تزلزل پیدا ہو رہا تھا استحکام تو دور تک کہیں دکھائی نہ دیتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عام لوگوں کے ساتھ ساتھ علماء بھی مسیحی ہو رہے تھے۔

ڈاکٹر محمد اسماعیل عارفی صاحب

"جب ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا زوال ہوا تو انگریزوں نے یہی طے کیا کہ جس طرح اندلس میں عیسائیت کی تبلیغ کرکے پورے ملک کو عیسائی بنا کر حکومت کو مستحکم اور نا قابل تسخیر بنایا گیا بالکل اسی نہج پر ہندوستان میں بھی کام کیا جائے۔ یہاں کے باشندوں کی اکثریت کو کسی طرح عیسائی بنایا جائے کیونکہ جب حاکم و محکوم دونوں کا مذہب ایک ہو جائے گا تو فطری طور پر رعایا حکومت کی وفادار اور طاعت شعار ہو گی۔ پھر جس طرح اندلس میں مسلم حکومت کے خاتمہ کے بعد عیسائی حکومت کو استحکام حاصل ہوا اور آج تک کوئی خطرہ نہیں ہوا کیونکہ وہاں کوئی غیر عیسائی ہے ہی نہیں اسی طرح ہندوستان پر بھی برطانوی سامراج کے اقتدار کا سورج کبھی غروب نہیں ہو گا۔۔۔ چنانچہ اس حکمت و تدبیر کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مسیحی مبلغین کی آمد آمد ہوئی اور عیسائی پادریوں کا ہندوستان پر طوفان مسلط ہو گیا، عیسائی مشنری برسات کے مینڈکوں کی طرح ہر گلی کوچے میں نکل کھڑے ہوئے۔ انہیں توپ اور بندوق کی پشت پناہی حاصل تھی۔ حکومت وقت ان کی دل و جان سے مددگار تھی۔ وہ بے خوف و خطر کسی چوراہے پر کھڑے ہو کر مسلمانوں کو تثلیث کی تبلیغ کرتے۔ بپتسمہ لے کر گناہوں سے ابدی نجات پانے کا جھانسہ دیتے، اسلام کے احکام و فرائض کا حوالہ دے کر عیسائیت میں ہر چیز کے لئے اباحتِ کلی کی سہولت کا مژدہ سناتے۔ قرآن کریم اور سرکارِ دوعالم ﷺ پر طرح طرح سے زبانِ طعن دراز کرتے۔ آپ اندازہ کریں کہ ایک قوم جو سیاسی و ریاستی اعتبار سے مغلوب ہو چکی ہو اس کے لئے فاتح قوم سے اپنے پیغمبر ﷺ کے حق میں اس قسم کی زبان درازی کتنی دل آزاری کا سبب ہو گی۔ اردو کے مشہور شاعر مولانا حالیؒ اس صورت حال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ہندوستان میں اسلام خطروں میں گھرا ہوا تھا ایک طرف مشنری گھات میں لگے ہوئے تھے اگرچہ قحط کے دوران ان کو دبلا پتلا شکار پیٹ بھراؤمل جاتا تھا مگر وہ اس پر قانع نہ تھے اور ہمیشہ صید فربہ کی تلاش میں رہتے تھے۔ ہندوستان میں سب سے زیادہ دانت ان کا مسلمانوں پر تھا اس لئے ان کی منادیوں میں ان کے اخباروں اور ان کے رسالوں میں زیادہ تر بوچھاڑ اسلام پر ہوتی تھی۔ اسلام کی تعلیم کی طرح طرح سے برائیاں ظاہر کرتے تھے، بانیٔ اسلام کے اخلاق و عادات پر انواع و اقسام کی نکتہ چینیاں کرتے تھے چنانچہ بہت سے مسلمان کچھ ناواقفیت اور بے علمی کے سبب اور اکثر افلاس کے سبب ان کے دام میں آ گئے۔" (ازالۃ الاوھام۔ از مولانا رحمت اللہ کیرانوی۔ جلد اول، مقدمہ۔ "برطانوی اقتدار کی حکمت عملی": صفحہ:29,30)

مولانا اسیر ادروی صاحب

"صوبہ آگرہ و اودھ کے لئے جو ممتاز اور سربر آوردہ مسیحی مبلغین اور پادری ان سب کا قیام آگرہ ہی میں تھا، وہیں سے وہ پورے صوبے میں اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھے ہوئے تھے۔ آگرہ شہر پر ان کا رعب چھایا ہوا تھا، حالانکہ شہر میں علمائے اسلام کی کوئی کمی نہیں تھی لیکن ان کی طرف سے کوئی سرگرم ظہور میں نہیں آئی تھی۔" (مجاہد اسلام مولانا رحمت اللہ کیرانوی۔ صفحہ:75۔ ناشر فرید بک ڈپو دھلی۔ سن طباعت اگست 2004)

"پادریوں کے جذبات تو ابلے پڑ رہے تھے، برسوں علی الاعلان تمام علماء اسلام کو چیلنج کرتے آ رہے تھے اور آج تک علماء اسلام کی طرف سے اس کا کوئی رد عمل ظاہر نہیں ہوا نہ ان کی غیرت و حمیت بیدار ہوئی۔ اس لئے فطری طور پر ان میں غرور و پندار پیدا ہو چکا تھا۔" (ایضًا۔ صفحہ:77)

سیّد محمد الحسنی صاحب

"تبلیغ عیسائیت کا آغاز ہندوستان میں 1813ء میں ہوا، جبکہ ولبر فورس ممبر پارلیمنٹ کی کوشش سے ہاؤس آف کامنس میں اس مضمون کا ایک بل پاس ہوا کہ ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کے لئے اگر پادری جانا چاہیں تو انہیں اجازت ہے۔ اس بل کا پاس ہونا تھا کہ یورپ و امریکہ سے عیسائی انجمنوں اور اداروں کی طرف سے خاصی تعداد میں پادری اور تبلیغی وفود ہندوستان روانہ ہونا شروع ہوئے اور اس میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ 1900ء سے قبل ہی ایک محتاط اندازہ کے مطابق ان اداروں کے 42 مشن (جن میں ہر مشن ایک وسیع ادارہ تھا) ہندوستان میں قائم ہو چکے تھے۔ یہ ادارے پوری سرگرمی اور ہوشیاری کے ساتھ اپنے کام میں مشغول

تھے اور اس کے لئے ہر قسم کے مؤثر وسائل وذرائع اختیار کرنا اپنا مذہبی، قومی، اور سیاسی فرض سمجھتے تھے۔" (سیرت مولانا محمد علی مونگیری بانی ندوۃ العلماء۔ ص 38,37)

"اس زمانہ میں عیسائیوں نے جو طریق کار اختیار کیا تھا اور جتنی ہوشمندی اور باخبری کا ثبوت دیا تھا اور اس کے مقابلہ میں مسلمان علماء نے باستثناء چند کے جس غفلت اور بے تعلقی کا مظاہرہ کیا تھا اس کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر کوئی مؤثر شخصیت سامنے نہ آئی اور مشنریوں کی سرگرمیاں اسی طرح جاری رہیں تو نئی نسل کے دین وایمان کو زیادہ عرصہ تک محفوظ رکھنا ناممکن ہوگا۔ مشنری سوسائیٹیوں نے جو ملک کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی تھیں اس بات کا عہد کیا تھا کہ ان کو تمام مسلمانوں اور ہندوؤں کو عیسائی بنا کر دم لینا ہے۔ انہوں نے ہندوؤں کے لئے الگ پادری مقرر کئے تھے اور مسلمانوں کے لئے علیحدہ۔ ان پادریوں کے سٹاف میں مقامی عیسائی بھی ضرور شامل کئے جاتے تھے۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ جس حلقہ اور جس فرقہ میں وہ کام کریں اس کے سب کمزور پہلو ان کی نظر میں ہوں، اور اس کے مسائل اور ذہنی ساخت سے بھی وہ اچھی طرح واقف ہوں۔" (ایضًا۔ صفحہ:42)

"ہندوستان کے عیسائیوں کو اوّل الذکر کتاب (پادری صفدر علی کی "نیاز نامہ") پر بہت ناز تھا۔ متعدد علماء نے اس کا جواب دینے کا ارادہ کیا لیکن ان کا یہ ارداہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچا۔ مسلمانوں میں اس کی وجہ سے یک گونہ انتشار پیدا ہو رہا تھا۔ اکثر ایسا ہوا کہ مسلمانوں نے باقاعدہ جا کر بعض علماء سے درخواست کی لیکن چونکہ اس خطرہ کا ان کو پورا احساس نہ تھا اس لئے آمادگی ظاہر کرنے کے باوجود وہ کوئی عملی قدم نہ اٹھا سکے۔ مولانا رحمت اللہ اور ڈاکٹر وزیر خان اس وقت مکّہ معظمہ میں موجود تھے، مسلمانوں کا ایک وفد مکہ معظمہ اس غرض سے گیا کہ غالبًا مولانا سے اس سلسلہ میں کوئی بڑی مدد مل سکے گی لیکن اس صورت سے بھی کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ پشاور کے ایک مشہور اور ممتاز واعظ اور عالم نے اس کا وعدہ کیا لیکن بدقسمتی سے وہ بھی اس خدمت کو انجام نہ دے سکے۔ بعض علماء وہ تھے جو صرف ان مسائل کی تحقیق کے حق میں تھے جو مستشرقین یورپ نے پیدا کر دیئے تھے۔ پادریوں کی طرف سے کوچہ وبازار میں جس طرح سے عیسائیت کی علانیہ تبلیغ ہو رہی تھی اور نبوت محمدی اور کلام الٰہی مورد اعتراض اور ہدف اعانت بنایا جارہا تھا اس کی طرف ان کو زیادہ توجہ نہ تھی، اس لئے کہ ان کے نزدیک اس کا تعلق فن مناظرہ سے تھا اور وہ اس کو برا سمجھتے تھے۔" (ایضًا۔ صفحہ:64)

قاضی محمد زاھد الحسینی

"عیسائی مشنری سربازار علی الاعلان چیلنج کرتے پھرتے کہ ان الزامات کا جواب دو، جواب دینا تو کجا مسلمان ان ناقابل برداشت الزامات کو سنتا تھا اور خاموش ہو جاتا تھا، پہلے رسول اللہ کی عزت وآبرو کی خاطر اپنی جان ومال اور آل اولاد کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ اس وقت اس کو اپنی جان زیادہ پیاری تھی اس لیے عیسائی مشنری ان پر حاوی ہوگئے تھے اور مسلمانوں کے خاندان کے خاندان عیسائی بننے پر آمادہ ہونے لگے تھے۔ چنانچہ عماد الدین پانی پتی مع اپنی اولاد کے عیسائی ہوگیا اور ان کے باپ چراغ الدین اور ان کے بھائی خیر الدین نے بھی عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا اور صفدر علی، رجب علی بھی اسلام کو خیر باد کہہ کر عیسائی بن گئے تھے۔ برنیر نے کہا تھا: "یقین نہیں کہ دس برس میں بھی ایک مسلمان عیسائی ہوجائے۔" لیکن یہاں اس کے برعکس عمل ہو رہا تھا۔" ("چراغ محمدؐ" سوانح سیّد حسین احمد مدنی ۔ صفحہ 54۔ بار دوم سن اشاعت 1996)

چند نام اور چند موضوعات

مسیحیت کی اس پرزور تبلیغ کے زیر اثر جہاں دوسرے مذاہب کے لوگ دھڑا دھڑ مسیحیت قبول کرنے لگے وہاں مسلمان بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکے اور عوام کے ساتھ ساتھ علماء اور مساجد کے امام بھی بپتسمہ لینے لگے۔ ایسے حالات میں علماء کو چاہئے تھا کہ وہ اسلام کے پرزور دلائل کے ذریعہ ارتداد کے اس طوفان کے آگے بند باندھتے اور مسیحی عقیدہ کو قرآن وحدیث کے ذریعہ غلط ثابت کرتے۔ لیکن، جیسا کہ اوپر خود ان علماء کی کتابوں سے نقل کیا گیا ہے، اکثر علماء مسیحیت کا مقابلہ نہیں کر سکے۔ محض چند علماء، سیّد آل حسن

مہانی، رحمت اللہ کیرانوی، سیّد ناصر الدین محمد ابوالمنصور، عنایت رسول چڑیا کوٹی، محمد علی مونگیری، اور مولانا عبدالحق حقّانی کے سوا کسی دوسرے عالم کا نام تاریخ میں نہیں ملتا جس نے مسیحی علماء کے اعتراضات کا کچھ نہ کچھ جواب دیا ہو۔ بعض دیوبندی علماء حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا نام بھی اس فہرست میں شامل کرتے ہیں لیکن ان کا مسیحیت سے مقابلہ محض مباحثہ شاہجہاں پور میں شرکت تک محدود رہا جس کے بعد مسیحیت کے مقابلہ میں ان کی کسی بھی قسم کی کارروائی کا کہیں بھی تذکرہ نہیں ملتا۔ مذکورہ بالا علماء کی کاوشیں بھی محض تردید تثلیث، نسخ و تحریف بائبل اور صداقتِ رسالتِ مصطفی ﷺ تک محدود تھیں۔ علامہ آل حسن مہانی اپنی کتاب "الاستفسار" کے آغاز میں لکھتے ہیں:

"ہمارے اور عیسائیوں کی اصل نزاع صرف چند مسئلوں پر ہے: پہلا مسئلہ تثلیث کا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ تثلیث باطل ہے اور اعتقاد اس کا موجب خلود فی النّار کا ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ حق ہے اور نجات اُخروی منحصر اسی اعتقاد پر ہے۔ دوسرا مسئلہ تصدیقِ نبوت جناب مصطفوی کا اہم ہے کہ نجات اُخروی منحصر اسی اعتقاد پر ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ لوازم نبوت ان میں نہ تھے۔ تیسرا مسئلہ تحریف کا اہم ہے کہ بے شک تورات اور اناجیل میں تحریف واقع ہوئی ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہ بات ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ سو اس کتاب میں بالاصالۃ گفتگو انہیں تین مسئلوں سے ہے۔"(صفحہ 1,2)

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب "احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث" کے مقدمہ میں ڈاکٹر اسماعیل عارفی صاحب لکھتے ہیں:

"مناظرہ کے لئے پانچ مسائل پر گفتگو کرنا بطور موضوع طے ہوا۔ (۱) تحریف بائبل (۲) مسئلہ نسخ (۳) عقیدۂ تثلیث (۴) رسالت محمدی ﷺ کا اثبات (۵) حقانیت وصداقتِ قرآن۔"(صفحہ 24)

اِن کاوشوں کے بھی معدوم و بے اثر ہونے کا اعتراف

غیر احمدی علماء حیاتِ مسیحؑ کے قائل ہونے کے سبب دوسرے موضوعات میں الجھے رہے اور نتیجۃً ان کی کاوشیں نہ تو نتیجہ خیز ثابت ہوئیں اور نہ ہی قبولیت عام کا درجہ حاصل نہ کر سکیں اور دائرہ خواص میں کچھ عرصہ گردش کرنے کے بعد گویا معدوم ہو گئیں اور اب ایک ڈیڑھ صدی کے بعد ان میں سے چند کو دریافت کر کے ان کی دوبارہ اشاعت کا بندوبست کیا جا رہا ہے لیکن اب بھی وہ عوام میں مشہور و معروف نہیں ہیں۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب ازالۃ الاوھام کے پیش لفظ میں مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

"ان کی متعدد معرکۃ الآراء تالیفات ابھی تک نایاب ہیں"(جلد اول۔ صفحہ 14)۔

اسی کتاب کے حرف آغاز میں لکھا ہے:

"[یہ] کتاب صرف ایک بار 1229ھ 1848ء میں "سید المطابع شاہجہاں آباد" سے طبع ہوئی اور ایک حادثہ میں اکثر نسخے ضائع ہو گئے دوبارہ اشاعت کی نوبت نہیں آئی۔ مصورات (photo copies) کی شکل میں ایک آدھ کتب خانہ میں موجود ہے۔"(جلد اوّل۔ صفحہ 20)

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی تصنیفات کے متعلق ان کے ایک سوانح نگار لکھتے ہیں:

"مولانا کیرانوی کی تصانیف جو پورے ڈیڑھ سو برس پہلے ایک بار طبع ہوئیں پھر ان کے دوبارہ طبع ہونے کی نوبت نہیں آئی، جس کی وجہ سے وہ ناپید ہیں۔ اسی زمانہ میں مناظرہ کی تین رودادیں اردو فارسی میں طبع ہوئی تھیں مراسلاتِ مذہبی، مراسلات البحث الشریف کے ناموں سے شائع ہوئیں اور حتی الامکان ان کو عام کرنے کی کوشش بھی ہوئی لیکن اب نہ کتب خانوں میں پائی جاتی ہیں نہ پبلک لائبریریوں میں ان کا پتہ چلتا ہے۔ مذکورہ بالا میٹر و مواد اور رودادیں کہیں ہو سکتی ہیں تو ذاتی

کتب خانوں میں ہو سکتی ہیں جو عام دسترس سے باہر ہیں۔"(مجاہد اسلام مولانا رحمت اللہ کیرانوی۔ تالیف مولانا اسیر ادروی۔ صفحہ 31۔ ناشر فرید بک ڈپو دہلی۔ سن طباعت اگست 2004)

بے تاثیر مقابلے

یہ حقیقت بھی غور کرنے کے لائق ہے کہ غیر احمدی مسلمان علماء کی طرف مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی تصانیف کو، خصوصاً پادری فنڈر کے ساتھ مناظرہ کی روداد جو اظہار الحق کے نام سے شائع ہوئی تھی، بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے اور دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس مناظرہ میں پادری فنڈر کو شکست فاش ہوئی اور وہ دم دبا کر ہندوستان سے بھاگ گیا۔ اگر حقیقتاً ایسا ہی ہوتا تو اس "عظیم الشان کامیابی" کے بعد ہندوستان میں مسیحیت اگر مکمل طور پر معدوم نہ بھی ہوتی تب بھی اس کے پھیلنے کی رفتار کم از کم سست ضرور ہو جاتی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس مناظرہ کے بعد بھی مسیحیت زور و شور سے پھیلتی رہی جس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ مناظرہ 1854ء میں ہوا اور 1865ء میں ایک مسلمان عالم دین مولوی صفدر علی بپتسمہ لے کر مسیحی ہو گیا اور نیاز نامہ نامی کتاب لکھ کر مسلمان علماء کو للکارتا رہا جن سے اس کتاب کا جواب ایک عرصہ تک نہ بن سکا۔ اس کے بعد ایک اور مشہور عالم دین اور آگرہ کی مسجد کا امام مولوی عماد الدین 1866ء میں مسیحیت قبول کر کے پادری عماد الدین بن گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور دیگر چند مسلمان علماء نے دفاعِ اسلام کی حتی المقدور مخلصانہ کوشش ضرور کی لیکن وہ خاطر خواہ نتائج پیدا نہ کر سکے۔ یعنی نہ تو مسیحیت کے بنیادی عقائد کا توڑ کر سکے اور نہ ہی عقائد و احکاماتِ اسلام پر اٹھائے گئے مسیحی پادریوں کے اعتراضات کے کافی و شافی جوابات دے سکے۔

واحد مردِ میدان ہونے کے دعوے

اس مطالعہ سے ایک اور دلچسپ حقیقت سامنے آئی اور وہ یہ کہ جن معدودے چند لوگوں نے مقدور بھر مسیحیت کا مقابلہ کیا ان کے ماننے والے اپنے اپنے بزرگ کا نام پیش کر کے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے سوا اس میدان میں دوسرا کوئی نہیں کودا اور وہی ایک مرد مجاہد تھا جس نے یہ میدان مار لیا۔

"مراسلاتِ مذہبی میں شیخ مولا بخش نے اس بات کا صاف اعتراف کیا ہے کہ جو کچھ ہے سب مولانا کا فیض و برکت ہے۔ اس کے آگے لکھتے ہیں کہ:۔ مولانا محمد رحمت اللہ کیرانوی کے بعد علماء میں سے بجز مولانا ممدوح کے کسی کو کامل توجہ اس طرف نہیں ہوئی۔)"سیرت مولانا محمد علی مونگیری بانی ندوۃ العلماء۔ تالیف سیّد محمد الحسنی۔ ص50)

فتح کے جھوٹے نقارے

موجودہ دور کے کچھ علماء نے اپنی لاف و گزاف سے یہ جھوٹا تاثر دینے کی کوشش کی کہ غیر احمدی علماء نے ڈٹ کر مسیحیت کا مقابلہ کیا اور مسیحی علماء کو لاجواب کر دیا۔ علامہ خالد محمود صاحب نے اگرچہ کتاب الاستفسار کے پیش لفظ میں مندرجہ بالا چند ناموں کے علاوہ اس میدان میں کام کرنے والے کچھ اور غیر معروف علماء کے ناموں کا بھی اضافہ کیا اور ان سب کی کاوشوں کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور لکھا کہ:

"بنارس، احمد نگر، حیدر آباد دکن، پشاور، سیالکوٹ، ملتان اور جہاں جہاں بھی مسیحی مشنری پہنچے وہاں کے علمائے حق فوراً ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے رہے۔ ان حضرات نے زبان و قلم کے ان معرکوں میں بہت سے اخبارات و رسائل بھی نکالے۔"(صفحہ۔47)

لیکن اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے کہ یہ کتابیں مسیحیت کے سیلاب کے آگے بند نہ باندھ سکیں۔ علامہ صاحب لکھتے ہیں:

"علمائے اسلام کی یہ علمی خدمات اپنی جگہ قابل ستائش ہیں لیکن مغربیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے یہ کتابیں بند نہیں باندھ سکتیں کیونکہ اس وقت عیسائیت ہمارے ملکوں میں علم کے راہ سے نہیں تہذیب کی راہ سے آرہی ہے۔لوگ معیار زندگی بلند کرنے کے لئے انگریزوں کے طور طریق اپنا رہے ہیں۔"(صفحہ۔53)

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب "ازالۃ الاوھام" کے مترجم ڈاکٹر اسماعیل عارفی صاحب ایسی ہی لاف و گزاف کرتے ہوئے اس کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ علماء ہند نے ہر محاذ پر عیسائیت کا زبردست تعاقب کیا۔ عیسائیت نے جس روپ میں بھی کوئی کارروائی کرنا چاہی مسلمانوں نے علاج بالمثل کا طریقہ اختیار کیا"(مقدمہ۔جلد اول صفحہ 37)

عذر گناہ بدتر از گناہ

کچھ لوگوں نے حقیقت حال کو تسلیم تو کیا لیکن "عذر گناہ بدتر از گناہ" کے مصداق مسیحیت کے مقابلہ میں اپنے علماء کی نااہلی کو اس وقت کی حکومت کا خوف اور آوازِ حق بلند کرنے کی پاداش سے بچنا قرار دیا اور یہ تاثر دیا کہ گویا حکومت وقت ایک طرف مسیحی علماء کو تو مکمل آزادی دیتی تھی کہ وہ اسلام پر حملے کریں لیکن مسلمان علماء کو ان حملوں کا جواب دینے کی آزادی نہیں تھی اور جو ایسا کرتا اسے باغی قرار دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔

"اتنے بڑے ہندوستان میں جہاں ایسے مشاہیر علماء تھے جن کی علم و فن میں مہارت ہر شک وشبہ سے بالاتر تھی، جن کے فضل و کمال کا پورے ملک میں شہرہ تھا، جن کی دینداری، اسلام دوستی ان کے ایمان و اخلاص میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں تھی، وہ تمام علماء تبلیغ عیسائیت میں کمپنی کی حکومت کے قہر وجبر کو دیکھ رہے تھے، لاکھوں لاکھ ہندوستانی عیسائی بنائے جاچکے تھے، کئی ایک مسلمان اہل علم نے عیسائیت قبول کرلی تھی اور باقاعدہ پادری بن کر عیسائیت کی تبلیغ میں مصروف تھے اور یورپین پادریوں سے کہیں زیادہ یہ کالے پادری اسلام کے خلاف زہر اگل رہے تھے، یہ سارے حالات علماء ہند کے سامنے موجود تھے، کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے لیکن آدھی صدی بیت جانے کے باوجود ایک آواز بھی عیسائیت کی اس جبری تبلیغ کے خلاف سنائی نہیں دیتی تھی سوائے ان چند رسالوں کے جو ہندوستانی کالے پادریوں کی کتابوں کے جواب میں لکھے گئے اور کوئی سرگرمی نظر نہیں آتی تھی۔ خاکم بدہن کیا ان علماء کے دلوں میں ایمان نہیں تھا؟ اسلام سے محبت نہیں تھی؟ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے عشق نہیں تھا؟ یقیناً تھا، وہ پکے سچے مسلمان تھے، وہ تنہائیوں میں اسلام کی مظلومیت پر آنسو بہاتے تھے، خون کے آنسو روتے تھے، یہ صورتحال ان کے لئے سوہانِ روح بنی ہوئی تھی لیکن خوف وہراس کا وہ عالم تھا کہ دل سینوں میں تھرتھرا رہا تھا، زبان منہ میں لڑکھڑا رہی تھی، آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی تھی۔ وہ محسوس کررہے تھے کہ تبلیغ عیسائیت حکومت کے منصوبہ بند پروگرام کے مطابق ہورہی ہے۔ انکو یقین تھا کہ اگر حکومت کو ذرا بھی شبہ ہوگیا کہ کوئی شخص حکومت کے منصوبے کو سبوتاژ کرنے والا ہے یا اس کو ناکام کرنے کی سازش کررہا ہے تو تختہ دار پر کسی نہ کسی بہانے پہنچا دیا جائے گا۔ صورتحال یہ تھی کہ رخصت پر عمل کرنے والے بہت تھے، عزیمت کا کوئی آہنی پیکر نظر نہیں آرہا تھا۔" (مجاہد اسلام مولانا رحمت اللہ کیرانوی۔ تالیف مولانا اسیر ادروی۔صفحہ 115,116۔ناشر فرید بک ڈپو دھلی۔ سن طباعت اگست 2004)

انگریز حکومت کی مذہبی آزادی

سوال یہ ہے کہ اگر صورتحال واقعی ایسی ہی تھی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی جبرًا عیسائیت کی تبلیغ کررہی تھی اور کسی کو اس کا جواب دینے کی اجازت نہیں تھی اور جواب دینے والے کو تختہ دار پر لٹکائے جانے کا خوف تھا تو پھر یہ سزا، جس کا ڈر اور خوف باقی علماء کو بتایا جارہا ہے، اس وقت مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب کو کیوں نہیں ملی جب وہ پادری فنڈر اور پادری فرنچ و دیگر سے مباحثے کررہے تھے؟ مزید یہ کہ اس سزا کا خوف سیّد آل حسن مہانی کو کیوں نہیں تھا اور انہیں ایسی کوئی سزا کیوں نہیں ملی جو کہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی سے بھی پہلے مسیحی پادریوں کی اسلام کے خلاف لکھی گئی کتابوں کا رڈ کررہے تھے۔ سیّد آل حسن مہانی صاحب کی کتاب "الاستفسار" ردِ عیسائیت میں لکھی جانے والی سب سے پہلی کتاب مانی جاتی ہے جیسا کہ اس کتاب کے جدید ایڈیشن کے سرورق پر لکھا گیا ہے۔ اس کے مقدمہ میں علامہ خالد محمود صاحب لکھتے ہیں:

”آپ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے مسیحی مشنریوں کی سرگرمیوں کا علمی نوٹس لیا اور اناجیل کا نہایت بالغ نظر علم محاسبہ کیا۔۔۔ آپ کی تصنیفات میں کتاب الاستفسار اور کتاب الاستبشار دو ضخیم کتابیں ہیں۔۔۔ کتاب الاستبشار آپ نے پادری فنڈر کی کتاب حل الاشکال کے جواب میں لکھی۔۔۔ آپ کے بعد حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی (1208ھ) اس میدان میں نکلے۔“ (صفحہ۔36)

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب ازالۃ الاوھام کے مترجم ڈاکٹر اسماعیل عارفی صاحب اس کتاب کے مقدمہ میں اسی بات کی شہادت دیتے ہوئے کہ مولانا آل حسن مہانی مسیحیوں سے مناظرہ کرنے والوں میں سب سے پہلے تھے، لکھتے ہیں:

”پادری فنڈر کا 1844ء میں یعنی تحریک آزادیٔ ہند سے تیرہ سال قبل حضرت مولانا سیّد آل حسن مہانیؒ سے تحریری مناظرہ ہوا۔“ (صفحہ۔32)

یعنی مولانا رحمت اللہ کیرانوی سے دس برس پہلے ان کا پادری فنڈر سے مناظرہ ہوا تھا۔ یہی مولانا آل حسن مہانی اپنی کتاب میں حکومت کی دی گئی مذہبی آزادی کے متعلق لکھتے ہیں:

”جاننا چاہئے کہ جو دولت انگلشیہ کے کسی قانون سے دین کے مباحثے کی ممانعت نہیں پائی جاتی ہے اور پادری لوگ رسالے لکھ لکھ کر بانٹا کرتے ہیں اور اہل علم مسلمانوں کو جواب لکھنے کی تاکیدیں کیا کرتے ہیں۔ اس لئے یہ کتاب لکھی گئی۔“ (صفحہ 185)

ظاہر ہے کہ مستند اور قابل قبول گواہی اسی کی ہوگی جو موقعہ پر موجود ہوگا۔ ڈیڑھ سو سال بعد اس موقعہ کے گواہ کے برعکس دی گئی شہادت یقیناً مسترد کئے جانے اور حقیقت پر پردہ ڈالنے کی ایک مذموم کوشش قرار دیئے جانے کے لائق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی اور بعد میں برطانوی حکومت کے تحت ہندوستان کے لوگوں کو مکمل مذہبی آزادی میسّر تھی۔ حکومت اگرچہ پادریوں کی سرپرستی اور اعانت کرتی تھی لیکن کسی مذہب پر یہ پابندی عائد نہیں کی گئی تھی اور نہ ہی ایسا کوئی قانون بنایا گیا تھا کہ وہ ان مسیحی مشنریوں کو اپنے مذہب کی رو سے جواب نہیں دے سکتے اور ایسا کرنے کی صورت میں سخت پاداش اور خوفناک نتائج کے لئے تیار رہیں۔ اس مکمل آزادی اور مذہبی رواداری کے باوجود ہندوستان میں چار پانچ افراد سے زیادہ کوئی ایسا مسلمان عالم نہیں تھا جو مسیحیت کے اسلام کے خلاف اٹھائے گئے اعتراضات و دلائل کے جوابات دے سکتا۔ جن علماء حضرات نے ایسی کوششیں کیں ان کی نیّت، اخلاص اور دینِ اسلام سے وفاداری اور اس کے دفاع کے جذبوں پر ہرگز کوئی شک نہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کی یہ کوششیں مطلوبہ اہداف حاصل کرنے میں ناکام رہیں کیونکہ کسرِ صلیب اور انسدادِ فتنہ دجّالیت میں کامیابی کا سرِ صلیب یعنی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہی ہونی تھی جن کے ذریعہ یہ عظیم الشان کام مقدّر تھا۔

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کاسرِ صلیب

”اس کا صاحب عیسیٰ ابن مریم ہے:“

احادیث کے مطابق دجّال کا خاتمہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے ہاتھوں ہونا مقدر تھا:

”۔۔۔فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: اِءْذَنْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَقْتُلَهٗ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنْ يَكُنْ هُوَ. فَلَسْتَ صَاحِبَهٗ اِنَّمَا صَاحِبُهٗ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ۔۔۔“ (شرح السنّۃ تالیف الحسین بن مسعود البغوی الجزء الخامس عشر۔ صفحہ 80)

پس عمرؓ ابن خطاب نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اسے قتل کر دوں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ وہی ہے (یعنی دجال موعود ہے) تو پھر تجھے اس پر قدرت نہیں ہے۔ یقیناً اس کا صاحب یعنی اس کے قتل پر مامور عیسیٰ ابن مریم ہے۔

نوآبادیاتی نظام میں یورپی طاقتوں نے دنیا بھر کے ممالک پر اپنا تسلّط قائم کیا وہاں ان کی زیر سرپرستی مسیح مشنریوں نے اپنے دین کی بھرپور اور جارحانہ تبلیغ شروع کر دی۔ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان علماء مسیحی مشنریوں کے حملوں کا جواب نہ دے سکے۔ اس بات کی شہادت دیتے ہوئے، کہ غیر احمدی علماء مسیحیوں کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کے اعتراض کا جواب نہ دے سکے اور سیّدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہندوستان سے ولایت تک کے پادریوں کو شکست دی، نور محمد نقشبندی صاحب مقدمہ معجز نما ترجمۃ القرآن کے آغاز میں لکھتے ہیں:

''اسی زمانہ میں پادری لفرائی پادریوں کی ایک بہت بڑی جماعت لے کر اور حلف اٹھا کر ولایت سے چلا کہ تھوڑے عرصہ میں تمام ہندوستان کو عیسائی بنالوں گا۔ ولایت کے انگریزوں سے روپیہ کی بہت بڑی مدد اور آئندہ کی مدد کے مسلسل وعدوں کا اقرار لے کر ہندوستان میں داخل ہو کر بڑا تلاطم برپا کیا۔ اسلام کی سیرۃ و احکام پر جو اس کا حملہ ہوا تو وہ ناکام ثابت ہوا کیونکہ احکام اسلام و سیرۃ رسولؐ اور احکام انبیاء بنی اسرائیل اور ان کی سیرۃ جن پر اس کا ایمان تھا یکساں تھے۔ پس الزامی و نقلی و عقلی جوابوں سے ہار گیا مگر حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر بجسم خاکی زندہ موجود ہونے اور دوسرے انبیاء کے زمین میں مدفون ہونے کا حملہ عوام کے لئے اس کے خیال میں کارگر ہوا۔ تب مولوی غلام احمد قادیانی کھڑے ہوگئے اور لفرائی اور اس کی جماعت سے کہا کہ عیسیٰؑ جس کا تم نام لیتے ہو دوسرے انسانوں کی طرح سے فوت ہو کر زمین میں دفن ہو چکے ہیں اور جس عیسیٰؑ کے آنے کی خبر ہے وہ میں ہوں۔ پس اگر تم سعادتمند ہو تو مجھ کو قبول کر لو۔ اس ترکیب سے اس نے لفرائی کو اس قدر تنگ کیا کہ اس کو اپنا پیچھا چھوڑانا مشکل ہو گیا اور اس ترکیب سے اس نے ہندوستان سے لے کر ولایت تک کے پادریوں کو شکست دی۔'' (مقدمہ از نور محمد نقشبندی چشتی۔ صفحہ 30۔ معجز نما قرآن مجید بدو ترجمہ۔ حضرت شاہ رفیع الدین محدّث دہلوی و اشرف علی تھانوی)

اس کے برعکس سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وفاتِ مسیحؑ کا نظریہ پیش کر کے عیسائیت کی کمر توڑ دی۔ آپؑ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب سے زندہ اتار کر عیسائیت کو مار دیا اور پھر ان کا فوت ہو کر کشمیر میں دفن ہونا ثابت کر کے اسلام کو زندہ کر دیا۔ آپؑ فرماتے ہیں:

''عیسیٰ کی موت میں اسلام کی زندگی ہے اور عیسیٰ کی زندگی میں اسلام کی موت ہے'' (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ 231، روحانی خزائن جلد 21، صفحہ 406)

''ایک بڑا بھاری معجزہ میرا یہ ہے کہ میں نے حسی بدیہی ثبوتوں کے ذریعہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کو ثابت کر دیا ہے اور ان کی جائے وفات اور قبر کا پتہ دے دیا ہے۔ چنانچہ جو شخص میری کتاب مسیح ہندوستان میں اوّل سے آخر تک پڑھے گا۔ گو وہ مسلمان ہو یا عیسائی یا یہودی یا آریہ۔ ممکن نہیں کہ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد اس بات کا وہ قائل نہ ہو جائے کہ مسیح کے آسمان پر جانے کا خیال لغو اور جھوٹ اور افترا ہے۔ غرض یہ ثبوت نظری حد تک محدود نہیں بلکہ نہایت صاف اور اجلیٰ بدیہیات ہے جس سے انکار کرنا نہ صرف بعید از انصاف بلکہ انسانی حیا سے دُور ہے۔'' (تریاق القلوب۔ روحانی خزائن جلد۔۱۵، ص۔۱۴۵)

''عیسائی مذہب کو گرانے کے لئے جو صورتیں ذہن میں آسکتی ہیں وہ صرف تین ہیں (۱) اوّل یہ کہ تلوار سے اور لڑائیوں سے اور جبرؔ سے عیسائیوں کو مسلمان کیا جائے جیسا کہ عام مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے کہ اُن کا فرضی مسیح موعود اور مہدی معہود یہی کام دنیا میں آکر کرے گا اور اس میں صرف اِسی قدر لیاقت ہو گی کہ خونریزی اور جبر سے لوگوں کو مسلمان کرنا چاہے گا لیکن جس قدر اس کارروائی میں فساد ہیں حاجتِ بیان نہیں۔ ایک شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ دلیل کافی ہوسکتی ہے کہ وہ لوگوں کو جبر سے اپنے دین میں داخل کرنا چاہے۔ لہٰذا یہ طریق اشاعتِ دین کا ہرگز درست نہیں ہے اور اِس طریق کے اُمیدوار اور اس کے انتظار کرنے والے صرف وہی لوگ ہیں جو درندوں کی صفات اپنے اندر رکھتے ہیں اور آیت لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرۃ۔257) سے بے خبر ہیں۔ دوسری صورت صلیبی مذہب پر غلبہ پانے کی یہ ہے کہ معمولی مباحثات سے جو ہمیشہ اہلِ مذہب کیا کرتے ہیں۔ اس مذہب کو مغلوب کیا جائے مگر یہ صورت بھی ہرگز کامل کامیابی کا

ذریعہ نہیں ہو سکتی کیونکہ اکثر مباحثات کا میدان وسیع ہوتا ہے اور دلائل عقلیہ اکثر نظری ہوتے ہیں اور ہر ایک نادان اور موٹی عقل والے کا کام نہیں کہ عقلی اور نقلی دلائل کو سمجھ سکے۔ اسی لئے بت پرستوں کی قوم باوجود قابل شرم عقیدوں کے اب تک جابجا دنیا میں پائی جاتی ہے۔ تیسری صورت صلیبی مذہب پر غلبہ پانے کی یہ ہے کہ آسمانی نشانوں سے اسلام کی برکت اور عزت ظاہر کی جائے اور زمین کے واقعات سے امور محسوسہ بدیہیہ کی طرح یہ ثابت کیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر فوت نہیں ہوئے اور نہ جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر گئے بلکہ اپنی طبعی موت سے مر گئے۔ اور یہ تیسری صورت ایسی ہے کہ ایک متعصب عیسائی بھی اقرار کر سکتا ہے کہ اگر یہ بات بپایہء ثبوت پہنچ جائے کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے اور نہ آسمان پر گئے تو پھر عیسائی مذہب باطل ہے اور کفارہ اور تثلیث سب باطل اور پھر اس کے ساتھ جب آسمانی نشان بھی اسلام کی تائید میں دکھلائے جائیں تو گویا اسلام میں داخل ہونے کے لئے تمام زمین کے عیسائیوں پر رحمت کا دروازہ کھول دیا جائے گا۔ سو یہی تیسری صورت ہے جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں۔ خدا تعالیٰ نے ایک طرف تو مجھے آسمانی نشان عطا فرمائے ہیں اور کوئی نہیں کہ ان میں میرا مقابلہ کر سکے۔" (تریاق القلوب۔ روحانی خزائن جلد۔15۔ صفحہ 166,167)

ان مندرجہ بالا حقائق اور ناقابل تردید دلائل کی بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ دور کے مسلمانوں کا اسلام سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مرہونِ منّت ہے۔ اگر اس دور میں اللہ تعالیٰ انہیں مبعوث نہ فرماتا تو مسلمانوں کی اکثریت یا تو عیسائی ہو چکی ہوتی یا دہریہ۔ یہ حقیقت آج بھی ظاہر و باہر ہے۔ الفضل کے قارئین ایک سلسلہ وار مضمون "مصالح العرب" میں بہت سے نومبائعین عرب بھائیوں خصوصاً مصری احمدی مسلمانوں کی قبول احمدیت کی روداد پڑھتے رہے ہیں جن میں وہ بیان کرتے ہیں کہ مختلف ٹی وی چینلز پر مسیحی پادری اسلام کے خلاف زہر اگلتے رہتے ہیں لیکن کسی مسلمان عالمِ دین کو ان کا جواب دینے کی ہمت اور توفیق نہیں ہوئی۔ بلکہ جب ان سے رابطہ کر کے مسیحیوں کے اعتراضات کے جوابات دینے کی درخواست کی گئی تو انہوں نے انکار کر دیا اور صرف اتنا کہا کہ آپ یہ چینلز مت دیکھا کریں۔ یہ نومبائعین احمدی خواتین و حضرات بتاتے ہیں کہ وہ اس صورتحال پر بہت دل گرفتہ تھے اور اُن میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو ترکِ اسلام اور قبولِ مسیحیت کے دروازے تک جا پہنچے تھے کہ یکایک اللہ تعالیٰ کے مہربان ہاتھ نے انہیں تھام لیا اور ایم ٹی اے کے عربی پروگراموں کے ذریعہ انہیں اسلام کا بہترین دفاع کرنے والی اور حقیقی اسلام کی تصویر دکھانے والی جماعت سے تعارف ہو گیا۔ یوں وہ مسیحیت کی آغوش میں جانے کی بجائے احمدیت یعنی حقیقی اسلام میں داخل ہو گئے۔

زمانہ بعد از مسیحؑ کے علماء

دوسروں پر فتویٰ اپنوں کی تاویل

"عزیزم مولوی محمد شاہد سلمہ بعد سلام مسنون۔ کئی سال ہوئے تم نے مجھ پر اصرار کیا تھا کہ میں اس اعتراض کا جواب لکھوں کہ ان علماء دیوبند کے درمیان اپنے اکابر کے ساتھ جو عقیدت ہے وہ کہیں دوسری جگہ نہیں پائی جاتی۔ ان علماء کے اکابر کے بظاہر خلاف شرع اگر کوئی کچھ لکھے تو یہ تکفیر تک پہنچا دیتے ہیں اور جب معلوم ہو کہ یہ الفاظ تو انہیں کے اکابر کے ہیں تو اس کی تاویلیں کرتے پھرتے ہیں۔ میں نے تمہارے اس اعتراض کو باوجود تمہارے اصرار کے توجّہ کے قابل نہیں سمجھا اور اپنے مشاغل کو ان فضولیات کی وجہ سے چھوڑنا نہیں چاہا۔ میں نے اس قسم کا فقرہ تو بہت بچپن میں جب میری عمر غالبًا دس برس کی تھی حضرت قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ اعلی اللہ مراتبہ کے انتقال پر جو حضرت شیخ الہند نے مرثیہ لکھا تھا اور میرے والد صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ نے کئی ہزار چھپوایا تھا اور خوب مفت بانٹا تھا مجھے بھی قریب قریب سب یاد تھا اور خوب مزے لے لے کر پڑھا کرتا تھا اور میرے کان میں یہ پڑا کرتا تھا کہ دیکھو اگر یہ شعر ہم کہیں تو کافر ہو جائیں مگر چونکہ شیخ الہند نے کہہ دیا اس لئے کوئی اس پر لب کشائی نہیں کرتا (صفحہ 13,14)

"میرا مقصود ان مضامین کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ جن کا تدیّن و تقویٰ اور اتباع شریعت محقّق ہو ان کے اقوال کی تاویل کرنی پڑتی ہے اور متشدّد لوگوں نے بھی کی ہے۔ یہ سمجھنا کہ یہ اپنی جماعت کی حمایت ہے حقیقتِ حال سے ناواقفیت ہے بلکہ علم سے بھی ناواقفیت ہے۔ ہر شخص کا ایک درجہ ہوتا ہے، ہر کس و ناکس کے کلام کی تاویل نہیں کی جاتی اور میرا عقیدہ اکابر دیوبند اعلی اللہ مراتبہم نور اللہ مراقدہم کے متعلق یہ ہے کہ وہ جہابذۂ علوم ہیں، ان کے کلام میں غلطی تو ہو سکتی ہے

مگر ان کی غلطی کو پکڑنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ اگر ان کے کلام کو صرف الفاظ لکھ کر کوئی شخص کسی مفتی سے فتویٰ لے لے تو مفتی ظاہر الفاظ پر حکم لگائے گا، مفتی کے ذمہ یہ ضروری نہیں کہ ہر کلام کی تحقیق کرتا پھرے کہ یہ کس کا ہے۔ البتہ جب یہ تحقیق ہو جائے کہ یہ کلام اتنے بڑے شخص کا ہے تو مفتی کے ذمہ بہت ضروری ہے کہ وہ صاحبِ کلام کا حال معلوم کر کے ضرور تاویل کرے (صفحہ 23,24)

''مفتیوں کے ذمہ ہے کہ وہ ظاہر الفاظ پر فتویٰ دیں۔ لیکن جب انہیں حقیقت حال معلوم ہو جائے تو انہیں اپنے فتویٰ کی تاویل کرنے میں ذرا بھی اشکال نہیں ہونا چاہئے بلکہ تاویل کرنی لازم ہے۔'' (صفحہ 126) '' (محمد زکریا کاندھلوی۔ اکابر علماء دیوبند اتباع شریعت کی روشنی میں)

جھوٹ بول کر توبہ کرلو!

''امکانِ کذب باری'' یعنی اللہ تعالیٰ کا، نعوذ باللہ، جھوٹ بولنے کا امکان دیوبندیوں کا ایک مسلمہ عقیدہ ہے جس پر بریلوی اور اہلحدیث علماء ان پر خوب تنقید کرتے ہیں اور یہ اس کی وضاحتیں دیتے رہتے ہیں۔ مندرجہ ذیل اقتباس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے، نعوذ باللہ، جھوٹ بولنا روا رکھتے ہیں وہ انسانوں کے لئے جھوٹ بولنا کیوں برا سمجھیں گے۔ چنانچہ اشرف علی تھانوی صاحب کے ایک خلیفہ اور جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور کے بانی، محمد احسن صاحب، اپنے ایک مرید کو بوقت ضرورت جھوٹ بول کر جان بچانے اور بعد میں توبہ کرنے کی تعلیم دے رہے ہیں۔

''ریلوے کے ملازم گارڈ کا ریل سے گر کر بازو ٹوٹ گیا تھا۔ اس کا اپریشن وغیرہ سائل کے سپرد ہوا۔ کلورافارم سے اس کی موت واقع ہو گئی تھی۔ سائل نے افسر بالا سے ذکر کر دیا تھا کہ بغیر طاقت کے ٹیکہ کے کلورافارم سے اس کی جان کو خطرہ ہے لیکن افسر نے نہ مانا اور موت واقع ہو گئی۔ اب جب موت کی تحقیقات شروع ہوئی تو افسر نے سائل سے کہا کہ جب تمہارا بیان ہو تو کہہ دینا کہ خون زیادہ بہہ جانے سے موت کا وقوع ہوا۔ کلورافارم نہیں سونگھایا گیا تھا۔ اس کذب بیانی کے متعلق سوال کیا تھا کہ نقصان کے خطرہ سے یہ کذب بیانی جائز ہے۔ ارشاد: اگر حقیقت بیان کی جاوے تو کیا نقصان ہو گا۔ جب تک نقصان کا اندازہ نہ ہو جواب مشکل ہے۔ سائل نے نقصان کا اندازہ 10,12 ہزار تک تاوان یا نوکری برخاست یا تنخواہ کم کرنے کے احتمالات پیش کئے۔ جواب ارقام فرمایا ارشاد: اللہ محفوظ فرماویں۔ اگر ایسی حالت میں کذب بیانی کا صدور ہو تو توبہ کرو۔'' (احسن السوانح۔ مفتی محمد حسن صاحب کے حالات، کمالات کا جامع مرقع۔ صفحہ 335)

نہ کوئی امام نہ سربراہ

''خود غرضی کا عالم ہے، مسلمانوں کا کوئی والی وارث نہیں، روزانہ سینکڑوں مسلمان قتل ہو رہے ہیں کوئی پوچھنے والا نہیں، ایک ہجوم مسلمین ہے جسکی کوئی تنظیم ہے نہ امام نہ سربراہ۔'' (قاضی حسین احمد، روزنامہ جنگ لاہور، جمعرات 2 مئی 1996ئ)

انتخابات اور کتے

''عوام پر کتے کھلے چھوڑ دیئے گئے تو ایسے انتخابات بے فائدہ ہونگے۔ قاضی'' '' قاضی حسین احمد نے کہا کہ میں اس بات سے متفق ہوں کہ اصل احتساب عوام ہی کریں گے لیکن اگر عوام پر کتوں کو کھلا چھوڑ دیا جائے گا تو اس قسم کے انتخابات کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔'' (روزنامہ جنگ لاہور۔ یکم دسمبر ۱۹۹۶ء)

علماء کا بال بیکا ہوا یا نہیں؟

جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ یہ محاورہ سنا تو بہت دفعہ ہے لیکن اس کا عملی مظاہرہ مجلس تحفظ ختم نبوت نے کیا۔ اپنے ایک دن کے جھوٹے بیان کی اگلے ہی دن تردید کر رہے ہیں اور شرماتے بھی نہیں۔ خبر ملاحظہ کریں۔

"گذشتہ رمضان میں پوری قادیانی امت کو پاکستان اور علماء کرام کی تباہی کیلئے بد دعاؤں پر لگایا لیکن آج تک کسی عالم دین کا بال بیکا نہیں ہوا۔" (روزنامہ نوائے وقت ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۷ء)

"یہ اجلاس ملک میں دہشت گردی کی مذمت کرتے ہوئے مولانا انیس الرحمٰن درخواستی رکن عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی اور دیگر علمائے کرام کی شہادت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ فوری طور پر دہشت گردی کی روک تھام کیلئے کیلئے موثر اقدامات کئے جائیں۔۔ اجلاس حضرت مولانا منظور احمد نعمانی، حضرت مولانا انعام الحسن (امیر تبلیغی جماعت) حضرت مولانا اظہار الحسن، حضرت مولانا محمد صدیق باندوی، حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی، حضرت مولانا فضل محمد اور حضرت مولانا انیس الرحمٰن درخواستی کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے انکی وفات کو امت مسلمہ کیلئے عظیم نقصان قرار دیتے ہوئے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی خدمات کو قبول فرمائے۔" (روزنامہ نوائے وقت ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۷ء)

فَاعۡتَرَفُوۡا بِذَنۡبِهِمۡ --علماء کا اپنے زوال کا اعتراف

مسلمان عوام کی حالتِ زار کے ساتھ ساتھ علماء کی علمی، اخلاقی و روحانی حالت بھی کافی دگرگوں ہو چکی ہے جس کا اعتراف خود علماء کے علاوہ صحافی، دانشور اور سیاستدان بھی کرتے ہیں۔ گویا حالت یہ ہے کہ "مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے" یعنی جو امتِ مسلمہ کی بیماری کے علاج کا دعویدار ہے وہ خود اس مرض کا شکار ہو چکا ہے۔ ان حالات میں سوائے آسمانی مدد کے دوسرا کوئی اور چارہ نہیں رہا۔ یہ امر بھی دلچسپی کا حامل ہے کہ جہاں سنّی اور شیعہ ایک دوسرے پر تحریفِ قرآن وحدیث کے الزامات لگاتے ہیں وہاں اہلسنّت کے مختلف گروہ، یعنی دیوبندی، بریلوی، اور اہلحدیث، بھی ایک دوسرے پر قرآن و حدیث میں تحریف کے سنگین الزامات عائد کرتے ہوئے انہیں یہود و نصاریٰ کے نقشِ قدم پر چلنے والا قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں پیغمبروں کو اس وقت بھیجتا ہے جب عوام الناس کے ساتھ ساتھ علماء دین بھی بگڑ جائیں۔ اس کیفیت کو قرآن کریم (سورۃ الروم۔30:42) میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: "ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ" یعنی خشکی کے ساتھ ساتھ تری میں بھی فساد برپا ہو گیا۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد بھی ایک ایسے ہی وقت میں ہوئی جب علماء دین ربّانی علماء کی بجائے علمائے سوء بن چکے تھے۔

مولانا ابو الکلام آزاد

سیّد محمد مہدی جونپوری کے حالات کے ضمن میں مولانا آزاد لکھتے ہیں:

"مخالفت کا بڑا سبب یہ ہوا کہ یہ لوگ اعلان حق میں بڑے ہی بے باک و شدید تھے اور سب سے زیادہ علماء دنیا کو ان کی ہوا پرستیوں اور غفلتوں پر سرزنش کرتے تھے۔ یہی چیز ہر زمانے میں ہر مصلح کو علماء عہد کی نظروں میں مبغوض بنا دیتی ہے اور مصیبت یہ ہے کہ اس کے بغیر چارہ بھی نہیں۔" (تذکرہ۔ صفحہ۔ ۳۰)

"محقق۔ جب آج کل خدا کے فرشتے اور خدا کسی سے باتیں کرنے نہیں آتے تو پہلے کیسے آتے ہونگے۔ اگر کہو کہ پرانے زمانے کے آدمی بے گناہ تھے اب نہیں تو یہ غلط ہے۔" (سوامی دیانند سرسوتی۔ ستیارتھ پرکاش صفحہ۔۸۱۷)

"امت محمدیہ کے بزرگ ختم ہو چکے۔ بیشک وارث انبیاء ولی تھے وہ کرامت رکھتے اور برکات رکھتے تھے۔ لیکن وہ نظر نہیں آتے زیر زمین ہو گئے۔ آج اسلام ان کرامت والوں سے خالی ہے اور ہم کو گزشتہ زمانوں کی طرف حوالہ کرنا پڑتا ہے ہم نہیں دکھا سکتے۔" مولوی ابو سعید محمد حسین بٹالوی۔ رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب صفحہ۔۶۴۱)

"اس زمانہ میں طلبہ کی جو حالت تھی اس پر روشنی ڈالتے ہوئے [محمد علی مونگیری] لکھتے ہیں:۔ "ان مدارس سے دو وقت طلبہ نکلتے ہیں، اول وقت یہ ہے کہ اثنائے تحصیل میں فکرِ معیشت جب انہیں پریشان کرتی ہے اور کوئی سبب اتفاقی پیش آتا ہے اور مضطر ہو کر تحصیل علم سے دست بردار ہو جاتے ہیں، اس حالت میں افسوسناک امر یہ ہے کہ جس قدر عمر انہوں نے اس علم کی تحصیل میں صرف کی وہ محض بیکار گئی، نہ دنیا کے کام آئی نہ دین کے، کیونکہ جو علم انہوں نے پڑھا وہ کسب معاش کا ذریعہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اب رہا دین، اس کی حالت یہ ہے کہ سلسلۂ درس میں اس قدر معقول کی کتابیں بڑھا دی گئی ہیں کہ عرصہ تک وہ کلّی اور جزئی کے سوا کچھ نہیں جانتے، اگر کوئی مسئلہ فقہ کا دریافت کیجئے تو اس سے بے خبر، عقائد و کلام کی کوئی بات پوچھئے تو اس سے ناآشنا، قرآن مجید کی کسی آیت یا کسی حدیث کا مطلب ان سے حل ہو سکے یہ تو غیر ممکن، اس سے تو ان کے کان آشنا ہی نہیں ہوئے۔" آگے لکھتے ہیں۔ "دوسرا وقت ان کے نکلنے کا وہ ہے کہ جب فارغ التحصیل ہوتے ہیں، ان میں سے بھی اکثر کی حالت تو قریب قریب اوّل ہی گروہ کی ہوتی ہے اور جو صاحب خداد طبیعت کی وجہ سے ذی استعداد ہوئے، تو اب انہیں یہ فکر در پیش ہوئی کہ گذر اوقات کس طرح ہو، معاش کے پیدا کرنے کی کیا سبیل ہے، اس فکر میں یا تو جو کچھ بھی استعداد تھی وہ بھی ضائع کر دی اور پریشان پھرتے رہے، یا وعظ وغیرہ کے ذریعہ سے بسر اوقات شروع کی جس کی وجہ سے ہر ایک کی نظروں میں حقیر ہو گئے، اور اگر بڑے خوش قسمت ہوئے تو 25,20 روپے ماہوار پر پڑھانے کے نوکر ہو گئے۔ ان صاحب کی حالت یہ ہوتی ہے کہ تمام عمر انہیں کتابوں کی لوٹ پھیر میں رہتے ہیں جنہیں پڑھ چکے تھے۔ انہیں یہ نصیب ہی نہیں ہوتا کہ (علوم (دینیہ) کی وہ کتابیں دیکھیں جن سے ان کے علم میں ترقی ہو، جن کی وجہ سے وہ کسی علم دین کے ماہر کامل ہو سکیں، یا کوئی ایسا کام دین کا کر سکیں جس سے دین کی اشاعت اور دین کی حمایت ہو اور کوئی معتد بہ فائدہ دین کا ان سے ہو۔ لطف تو یہ ہے کہ فارغ التحصیل تو ہوئے اور وارث الانبیاء کہلانے کے مستحق ہو گئے مگر بعض دینی علوم سے ان کے کان بھی آشنا نہ ہوئے۔ قرآن مجید جو ہمارا دین و ایمان ہے اس کے علوم کی طرف توجہ ہی نہیں ہوئی۔ ہمارے ہادی رسولِ برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ زبردست دائمی معجزہ دیا گیا جس کا جاننا اور مخالفین کے روبرو اس کے اعجاز کو ثابت کرنا انہیں کا فرضِ منصبی ہے مگر یہ ہماری پیاری اور باعثِ افتخار جماعت اس سے غافل رہی۔ اور بھلا یہ تو مشکل فن ہے جس سے میں نے غفلت بیان کی، قرآن مجید سے بے توجہی کا تو یہ حال ہے کہ سیدھے سادھے مطالب و معانی پر عبور نہیں ہوتا۔ قاضی مبارک و صدرا کا ایک صفحہ بلکہ ایک سطر بلکہ ایک جملہ بھی بغیر استاد سے حل کئے چین نہیں آتا، اگر پڑھ چکے ہیں اور دوسرے شخص نے استاد سے پھر شروع کیا، دوبارہ سہ بارہ سماعت کرنے کو موجود ہیں، مگر قرآن مجید کے معلومات ہمیشہ بالقوہ رہیں گے فعلیت میں کبھی نہ آئیں گے، ایک بار بھی اول سے آخر تک اس کے مطالب پر عبور نہیں ہوتا۔" آگے دلسوزی کے ساتھ لکھتے ہیں:۔ "افسوس صد افسوس! کوئی گروہ طلبہ کا ایسا نہیں نکلتا ہے جو ملحدوں اور جدید فلسفوں کے اعتراضات کو اسلام سے دفع کرے جس کا زہریلا اثر بسبب شیوع بے دینی آزادی کے عالمگیر ہوتا جاتا ہے اس کا مٹانا ہمارے علماء کا فرض ہے جس طرح ہو سکے، غرضکہ نہ تو حالتِ تحصیل میں انہوں نے کسی علم دین اور بالخصوص ان علوم مذکورہ میں مہارت و مشق پیدا کی نہ اس کے بعد انہیں نوبت آئی، اب فرمائیے کہ دین کا کام کون کرے؟ زیادہ افسوس یہ ہے کہ زمانہ کی ضرورتوں سے ناواقف ہونے کی وجہ سے نہ تو کسی دینی امر کا انتظام کر سکتے ہیں، نہ اس میں رائے دے سکتے ہیں) شاذ و نادر کا اعتبار نہیں) حالانکہ اس وقت ایسے گروہ کی زیادہ ضرورت ہے۔ "نزاعِ باہمی اور جماعتی عصبیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ "اب خیال کیجئے مقلدین و غیر مقلدین میں کیسی کیسی شرمناک لڑائیاں ہوتی ہیں، ایک بھائی دوسرے بھائی کی جان کا، مال کا، آبرو کا کس طرح خواہاں ہوتا

ہے۔ خلاف مذہب کے اجلاس میں مقدمات جاتے ہیں۔ ہمارے محترم علماء مجرموں کی طرح سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث ان کے جوتوں کے پاس ان کے نیچے ڈھیر ہوتی ہیں اور آمین و رفع یدین کی تحقیق جناب چوبے گھنشیام داس صاحب بہادر اور کرمول صاحب بہادر کے روبرو پیش ہوتی ہیں اور اس کو دین خیال کیا جاتا ہے۔ افسوس صد افسوس! ایسے فہم و خیال پر۔ ہمارے علماء کا اس طرح اجلاس میں کھڑا ہونا کیا شانِ علماء کے خلاف نہیں ہے؟ کیا ہمارے دین کی کتابوں اور ہمارے ہادی برحق کے ارشادوں کا یوں بے حرمتی سے رکھا جانا دین کی ہتک نہیں ہے؟ مذہبی اختلاف کا جھگڑا مخالفینِ مذہب کے روبرو پیش کرنا سخت بے دینی نہیں ہے؟"(سیرت مولانا محمد علی مونگیری بانی ندوۃ العلماء۔ تالیف سیّد محمد الحسنی۔ ص 121-125)

خلیل احمد سہارنپوری صاحب

"اور علماء مکّہ معظمہ کا حال جس نے عقل و علم کے ساتھ دیکھا وہ خوب جانتا ہے جو نہیں گیا وہ ثقات کے بیان سے مثل مشاہدہ کے جانتا ہے اور اکثر وہاں کے علماء نہ کہ سب کیوں کہ وہاں اکثر متقی بھی ہیں اس حالت میں ہیں کہ لباس ان کا خلاف شرع اسبال آستین اور دامن جبّہ و قمیص میں کرتے ہیں ریش اکثروں کی قبضہ سے کم نماز میں بے احتیاطی امر بالمعروف کا باوصف قدرت کے نام و نشان نہیں اکثر انگوٹھی چھلہ غیر مشروع ہاتھوں میں پہنے ہوئے ہیں قطع صفوف شائع ہے فتویٰ نویسی میں کچھ دیکر جو چاہے لکھوالو اگر ان کی عصیان سے کوئی مطلع کر دیوے تو مارنے کو موجود ہو جاویں اور خود شیخ العلماء نے جو معاملہ ہمارے شیخ الہند مولوی رحمت اللہ علیہ کے ساتھ کیا وہ کسی پر مخفی نہیں اور بغدادی رافضی سے کچھ روپیہ لیکر ابو طالب کو مومن لکھ دیا۔۔۔ اہل فہم انصاف کریں کہ ایسی حالت میں علماء دیوبند کا فتویٰ قابل اعتماد ہو گا یا علماء حرمین کا۔۔۔ اے مسلمانو اعتبار قرآن حدیث فقہ کا ہے نہ کہ مکہ کے باشندوں کے قول و فعل کا، ذرا غور کرو کتب دین کو دیکھو کوئی معصیت مکہ کے تعامل سے حلال نہیں ہوتی بلکہ زیادہ موجب عذاب و شناعت کی ہے"(براہین قاطعہ۔ صفحہ ۲۲۔۲۳)

اصل مامور من اللہ کون۔ پیر مہر علی شاہ صاحب یا پیر جماعت علی شاہ صاحب؟

پیر مہر علی شاہ صاحب کے ایک مرید پروفیسر محمد اجمل چشتی صاحب نے ایک مضمون تحریر کیا جو الف لیلہ کی داستان سے کم شعبدہ بازی نہیں رکھتا۔ یہ مضمون روزنامہ نوائے وقت کی اشاعت ۲۷ جولائی، ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ آپ یہ سوچیں کہ کیا جماعت احمدیہ کے عالمگیر پھیلاؤ کو دیکھتے ہوئے ۱۹۹۵ء میں یہ مضمون تحریر کرتے ہوئے بھی پروفیسر صاحب کو یہ خیال نہیں آیا کہ اگر پیر صاحب جماعت احمدیہ کی سرکوبی کے لئے مامور من اللہ تھے اور اس کام میں ان کی معاونت کے لئے اللہ تعالیٰ سورج اور چاند زمین پر اتارنے سے بھی دریغ نہ کرتا تو ان کے ہاتھوں سے یہ کام پایہ تکمیل کو کیوں نہیں پہنچا اور پیر صاحب کو ملنے والی اتنی واضح بشارات کے باوجود جماعت احمدیہ قائم و دائم اور روزافزوں ترقی کی راہ پر گامزن کیوں ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پیر صاحب سے منسوب شرائط پڑھتے ہوئے، جو بقول پروفیسر محمد اجمل چشتی صاحب کے انہوں نے سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے رکھیں، آپ کو سورہ بنی اسرائیل کی وہ آیات یاد آ جائیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کی وہ شرائط بیان کی ہیں جو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے رکھی تھیں کہ ہم آپ پر اس وقت ایمان لائیں گے جب آپ یہاں چشمے جاری کر دیں، یا کھجوروں اور انگوروں کے باغ اگا دیں، یا ہم پر آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں، یا سونے کا محل بنا دیں، یا پھر آسمان پر چڑھ جائیں۔ اب یہ مت پوچھئے گا کہ اس وقت مینار پاکستان تو تھا نہیں پھر حضرت مرزا صاحب علیہ السلام نے اس مقام پر سٹیج کیسے لگائی اور کونسی تاریخ میں یہ عظیم الشان واقعہ درج ہے۔ بس یہ واقعہ پڑھئے اور لطف اٹھایئے۔

"انہی دنوں میں مرزا غلام احمد قادیانی ایک مسلمان محقق و مناظر سے بڑھ کر مجدد وقت اور مسیح موعود کی خود ساختہ سیڑھی پر قدم جما رہا تھا اور اشتہارات و مناظروں کی صورت میں ملت کو گمراہ کر رہا تھا۔ تو آپ کو بحالت بیداری آنحضرت ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ کو اس فتنہ کی سرکوبی پر مامور کیا گیا۔ آپ کے ملفوظات میں یہ واقعہ یوں ہے (ترجمہ)۔"جن دنوں مرزا غلام احمد قادیانی نے بظاہر تحقیق حق کی غرض سے بذریعہ اشتہارات دعوت دی تھی اور میں اسے منظور کرنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ مجھے نعمت عظمیٰ کا شرف حاصل ہوا۔ میں بحالت بیداری آنکھیں بند کئے تنہا اپنے حجرے میں بیٹھا تھا کہ حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ اس حجرے میں بحالت قعدہ جلوس فرما ہیں۔ اور یہ عاجز اس حالت میں جیسے ایک مرید اپنے شیخ کی خدمت میں ہو چار بالشت کے فاصلے پر آپؐ کے بالمقابل بیٹھا ہے۔

غلام احمد اس جگہ سے دور مشرق کی طرف منہ کئے اور آنحضرت ﷺ کی طرف پشت کئے بیٹھا ہے۔ اس روایت کے بعد میں بمعہ احباب لاہور پہنچا۔ لیکن مرزا اپنے وعدہ سے پھر گیا اور لاہور نہ آیا۔ اس طرح آپ نے فرمایا کہ عالم رویا میں آنحضرت ﷺ نے مجھے مرزا کی تردید کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ "یہ شخص میری احادیث کو تاویل کی قینچی سے کتر رہا ہے اور تم خاموش بیٹھے ہو۔" حضور علیہ السلام کے ان ارشادات کے بعد مجھے یقین راسخ ہو گیا کہ مرزا قادیانی کی بیخ کنی کے لئے میں مامور من اللہ ہوں۔ اور یہ کہ اگر اس راہ میں مجھے چاند سورج کو بھی زمین پر اتارنے کی ضرورت پڑی تو میرا اللہ میری ضرور معاونت کرے گا اور مرزا کو سبکسار کرے گا۔

۱۸۹۸ء میں مرزا نے منٹو پارک (اقبال پارک) لاہور میں مسلمانوں کے ایک جم غفیر کی موجودگی میں مینار پاکستان کے مقام پر سٹیج لگائی ہوئی تھی۔ اور بار بار اعلان کر رہا تھا کہ اگر وہ اپنے دعویٰ (مسیح موعود) میں جھوٹا ہے تو اس سٹیج سے اس کا رد کیا جائے مگر جو بھی یہ کوشش کرتا ناکام رہتا۔ ان دنوں اتفاقاً آپ جامعہ نظامیہ بازار حکیماں لاہور میں مقیم تھے۔ قبلہ عالم کی خدمت میں یہ صورتحال پیش کی گئی تو آپ نے مرزا کے مقابل آنے کی ٹھانی۔ بقول حضرت صاحبزادہ سید نصیر الدین گیلانی (نبیرہ قبلہ عالم) مدظلہٗ العالی خواجگان تونسہ شریف نے یوں برملا آپ کو اس کے مقابل آنے سے روکنا چاہا اور فرمایا کہ وہ یقیناً کچھ عملیات کا عامل ہے اور علماء کی زبان بندی پر مہارت رکھتا ہے، آپ اپنے روحانی تصرفات سے اسکی بیخ کنی فرمائیں۔ مگر مامور من اللہ ہونے کی بشارت کی وجہ سے آپ نے بر سر عام اسکی سرکوبی کی ٹھانی اور منٹو پارک روانہ ہو گئے۔ جب آپ شاہی مسجد کی طرف سے جلسہ گاہ میں پہنچے تو مرزا اس وقت بھی اپنے دعویٰ باطل کو سٹیج سے دہرا رہا تھا۔

پنڈال کے قریب پہنچ کر آپ نے وہاں موجود مسلمانوں سے مرزا کے اس دعویٰ کا جواب دینے کی اجازت لی اور فرمایا کہ یہ شخص مسیح موعود (نبی) ہونے کا دعویدار ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے جناب رسول مقبول ﷺ کے غلام ابن غلام ابن غلام۔۔۔ کو اپنی ولایت سے سرفراز فرمایا ہے۔ نبی کا درجہ بہر حال ولی سے بالاتر ہوتا ہے۔ میں اس شخص پر چار سوال کرتا ہوں۔ یا یہ ان سوالات کو پورا کر دکھائے اور اپنی صداقت کا ثبوت دے ورنہ پھر میں اسکی تردید کرنے کی غرض سے بفضل یزد تعالیٰ ان سوالات کا جواب دونگا۔ اوّلاً مرزا حکم دے کہ دریائے راوی اپنا موجودہ رخ تبدیل کر کے فی الفور اس پنڈال کے ساتھ بہنا شروع کر دے۔ دوم ایک نہایت پاکباز ناکتخدا لڑکی کو پنڈال کے قریب چوطرفہ پردہ میں رکھ کر دعا کی جائے کہ بغیر مرد کے اختلاط کے اللہ کریم اس کے ہاں یہیں ایک بیٹا دے جو اس کی نبوت یا میری ولایت کی تصدیق کرے۔ سوئم یہ اپنے لعاب دہن سے باہر کڑوے پانی کے کنویں کو میٹھا کر دے یا پھر میں کر دیتا ہوں۔ رابعًا یا وہ مجھے شیر بن کر کھا جائے یا پھر میں اسے کھا جاتا ہوں۔ آپ کی زبان پاک سے یہ الفاظ نکل رہے تھے کہ آپ کی گردن سے شیر کے بال نمودار ہونے لگے۔ لیکن آپ کے ساتھ کھڑے ایک مولانا صاحب نے فوراً آپ کی گردن مبارک پر ہاتھ رکھ کر کہا، سرکار۔ شریعت، شریعت۔ اس پر آپ اپنی اصل حالت پر آ گئے۔ مگر اس دوران مرزا اسٹیج چھوڑ کر بھاگ چکا تھا۔ بعد میں آپ اس واقعہ کے یاد آنے پر فرمایا کرتے تھے کہ اگر مولوی صاحب نے مجھے روکا نہ ہوتا تو میں اسے تحت الثریٰ میں بھی ڈھونڈھ کر ختم کر دیتا۔ مگر خدا کی مرضی یہ نہ تھی۔ آپ فرماتے کہ دراصل اس کے پاس تین جن تھے جو اس کے مقابل بولنے والے کی زبان پکڑ لیتے تھے مگر اللہ کے فضل سے وہ مجھ پر حاوی نہ آ سکے۔" (نوائے وقت ۲۷۔۷۔۱۹۹۵ء)

مجھے اکیلا چھوڑ کر؟

"اسی طرح ایک بار مسلمانان لاہور کا ایک وفد علی پور سیّداں آیا۔ اور حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ [پیر جماعت علی شاہ صاحب] سے مرزا کے مقابلے کے لئے لاہور چلنے کی درخواست کی۔ حضور اسی دن جمعہ ۲۲ مئی ۱۹۰۸ء کو لاہور تشریف لے گئے۔۔۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی گولڑہ شریف سے تشریف لائے تھے۔ ایک جمعہ کی نماز اور جلسہ کے بعد حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ سے انھوں نے فرمایا کہ شاہ صاحب میں تو واپس جاتا ہوں آپ اپنا کام جاری رکھیں۔ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا "آپ مجھے اکیلا چھوڑ کر کیسے تشریف لے جائیں گے" حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "میں گھر سے شکار کرنے آیا تھا۔ مگر مجھے معلوم ہوا کہ یہ شکار میرے مقدر میں نہیں ہے۔ بلکہ آپ کے لئے مقدر ہے۔ اس لئے آپ ٹھہریں اور اپنا کام کرتے رہیں۔" چنانچہ اگلے دن حضرت پیر صاحب گولڑہ واپس تشریف لے گئے۔" (سیرت امیر ملت۔ صفحہ۔ ۲۴۷، مصنف سیّد اختر حسین شاہ صاحب)

پیر مہر علی شاہ صاحب سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تو کیا مقابلہ کرتے ایک دیوبندی عالمِ دین سے بھی مقابلہ نہ کر سکے اور عوام کی عقلوں سے ماورا منطقی موشگافیوں کا سہارا لے کر مناظرہ ٹال دیا۔ اس روداد کو مولانا حسین علی صاحب کے سوانح نگار نے اس طرح بیان کیا ہے:

”پیر مہر علی شاہ سے مولانا حسین علی کی گفتگو۔ مولانا حسین علی نے فرمایا، پیر صاحب آپ سے ملاقات کا شوق تھا اور دل کرتا تھا کہ قرآن مجید کے حوالے سے مختلف فیہ مسائل پر کچھ گفتگو ہو جائے۔ اُس وقت سب سے زیادہ جس مسئلے کا چرچا تھا وہ علم غیب کا مسئلہ تھا اور عوام الناس میں علم کُلّی اور جزئی مشہور و معروف تھا۔ (جیسے آج کل ذاتی اور عطائی کی تقسیم معروف ہے۔) پیر صاحب نے علم غیب کی بحث چھیڑتے ہوئے مولانا حسین علی سے کہا تم جزئی مانتے ہو اور نبی اکرم ﷺ کے لیے علم کُلّی نہیں مانتے ہو، اس کی کوئی دلیل! مولانا حسین علی نے فرمایا کُلّی علم خاصہ خداوندی ہے۔ پھر آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (نمل۔۶۵) آپ کہہ دیں نہیں جانتا جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے غیب کو مگر اللہ تعالیٰ۔ پیر مہر علی نے بات کو الجھانے کے لیے کہا، کُلّی کی کتنی قسمیں ہیں، تم کون سی کُلّی مانتے ہو اور علم کی کتنی اقسام ہیں۔ مولانا حسین علی نہیں چاہتے تھے کہ اس منطقی بحث میں وقت ضائع کر دیا جائے، وہ دیکھ رہے تھے کہ عوام الناس کو کُلّی کی اقسام، علم کی اقسام اور منطق کی ابحاث سے سروکار نہیں، وہ یہ بھی سمجھ رہے تھے کہ پیر صاحب کے پاس اپنے دعویٰ کے لیے قرآن پاک کی کوئی آیت نہیں، اس لیے وہ اپنی جان چھڑانے کے لیے اور ڈور کو الجھانے کے لیے اور جاہل عوام میں اپنی ساکھ کو بچانے کے لیے منطقی موشگوفیوں کا سہارا لے رہے ہیں، مولانا حسین علی قرآن پیش فرماتے، پیر صاحب منطقی انداز اختیار کرتے، یہی ایک کشمکش میں ہنگامہ ہو گیا اور مولانا حسین علی بنگلہ سے اُٹھ کر مسجد میں چلے گئے جو ان کے گھر کے قریب تھی۔ پیر مہر علی نے جلسہ سے خطاب کرنا تھا، مگر وہ تقریر کے لیے تیار نہ ہوئے اور ان کی جگہ مولوی غلام محمد گھوٹوی نے تقریر کرتے ہوئے اپنا دعویٰ اس طرح پیش کیا۔ ”کالا پہاڑ ہو، اس پر کالے رنگ کی چیونٹی ہو، اس چیونٹی کے قدموں کی آہٹ کو بھی بغداد والے پیر سُن رہے ہیں۔“ (سوانح مولانا حسین علی۔ مصنف میاں محمد الیاس۔ صفحہ ۱۳۱، ۱۳۰)

مولوی ثناء اللہ امرتسری کے خلاف فیصلہ مکہ

”۔۔۔صوفی عبد الحق صاحب غزنوی مرحوم نے اربعین لکھی جس میں مولوی ثناء اللہ صاحب کی تفسیر (عربی) کی چالیس ایسی غلطیاں لکھیں جن کے متعلق مصنف رسالہ اربعین نے یہ ثابت کیا کہ ان مقامات میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے بعض جگہ احادیث اور بعض جگہ صحابہ کرام اور تمام محدثین کے خلاف تفسیر کی ہے اور متکلمین، معتزلہ، جہمیہ وغیرہ فرق ضالہ کا اتباع کیا ہے۔ اس پر پنجاب، دہلی، بنگال، مدراس اور تمام ہندوستان کے سربر آوردہ۔ ۷۰۔ ۸۰ کے قریب علماء نے یہ فتویٰ دیا کہ ان مقامات میں بے شک سلف صالحین، محدثین کرام کے مسلک کے خلاف تفسیر کی گئی ہے۔ اور معتزلہ، جہمیہ وغیرہ فرق ضالہ کا اتباع کیا گیا ہے اور مولوی ثناء اللہ صاحب اہلحدیث سے خارج ہیں۔ مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے بھی ”اربعین“ پر دستخط کئے۔ مگر نہایت افسوس کے ساتھ یہ عرض کرنا پڑتا ہے کہ کچھ دنوں بعد مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی کا وہ سارا جوش وخروش وہ غیرت وحمیت رخصت ہو گئی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سارے ولولے جاتے رہے ”کجا آں شوریٰ شوری کجا ایں بے نمکی“ کہاں یہ کہ مسجد غزنویہ کی صفیں گھسا دیں اور آئے دن یہ تقاضا کہ اس فتنہ کی روک تھام کیجئے۔ کہاں یہ کہ کچھ دن بعد انہی مولوی ثناء اللہ صاحب کے ممد و معاون اور ایڈووکیٹ بن گئے اور ان کی حمایت میں مختلف مقامات پر تقریریں کرتے ہوئے دکھائی دینے لگے“ (فیصلہ مکہ۔ مولوی ثناء اللہ صاحب اور ان کی تفسیر القرآن کے متعلق آخری فیصلہ از عبد العزیز سیکرٹری جمیعۃ مرکزیہ اہلحدیث ہند لاہور۔ صفحہ۔2)

مولوی محمد احسن صاحب خلیفہ اشرف علی تھانوی

”ایک موقع پر علماء کے سلسلہ میں افسوس کے ساتھ فرمایا کہ کتابیں پڑھے ہوئے مل جاویں گے۔ مدرسہ دیوبند کے فارغ بھی مل جاویں گے۔ لیکن اللہ اللہ کرنے والا مولوی شاذ و نادر ہی کوئی ملتا ہے۔“ (احسن السوانح۔ صفحہ۔286)

دیوبندی علماء کا حکومت برطانوی ہند کی طرف سے مالی امداد کا اعتراف

دارالعلوم دیوبند کے مہتممین، حسین احمد مدنی صاحب اور علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب، کے درمیان ملکی سیاست اور دیگر معاملات میں اختلافات پیدا ہوئے جو اس قدر بڑھے کہ علامہ شبیر احمد عثمانی دارالعلوم سے الگ ہوگئے۔ چند بہی خواہوں نے صلح صفائی کی کوشش کی اور ان دونوں صدران کے درمیان مکالمہ کی کوشش کی جسے ایک فریق نے "مکالمۃ الصدرین" کے نام سے شائع کر دیا۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے جس میں انگریز حکومت سے مالی امداد لینے کا اعتراف کیا گیا ہے۔

"مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ کلکتہ میں جمیعۃ العلماء اسلام حکومت کی مالی امداد اور اس کے ایماء سے قائم ہوئی ہے۔ مولانا آزاد سبحانی جمیعۃ العلماء اسلام کے سلسلہ میں دلی آئے اور حکیم دلبر حسن صاحب کے ہاں قیام کیا جن کی نسبت عام طور پر لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ سرکاری آدمی ہیں۔ مولانا آزاد سبحانی اسی قیام کے دوران میں پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ گورنمنٹ آف انڈیا کے ایک مسلمان اعلیٰ عہدیدار سے ملے جن کا نام بھی قدرے شبہ کے ساتھ بتلایا گیا اور مولانا آزاد نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ہم جمیعۃ العلماء ہند کے اقتدار کو توڑنے کے لئے ایک علماء کی جمیعت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ گفتگو کے بعد طے ہوا کہ گورنمنٹ ان کو کافی امداد اس مقصد کے لئے دے گی چنانچہ ایک بیش قرار رقم اس کے لئے منظور کرلی گئی اور اس کی ایک قسط مولانا آزاد سبحانی کے حوالہ بھی کر دی گئی۔۔۔ اس ضمن میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتداءً حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا پھر بند ہوگیا۔۔۔ دیکھئے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے آپ کے مسلّم بزرگ و پیشوا تھے۔ ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ اون کو چھ سو روپیہ ماہوار حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے۔" (مکالمۃ الصدرین۔ ص7,8,9 دارالاشاعت دیوبند ضلع سہارنپور)

علماء میں نہ تقدس، نہ تقویٰ نہ قوم پر اثر باقی

علامہ شبلی نعمانی ایک مشہور عالم دین تھے جن کی کتاب "سیرۃ النبی" نہایت مستند مانی جاتی ہے اور ایک ریفرنس بک کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔ اس مندرجہ ذیل اقتباس کے مطابق انہوں نے یہ تسلیم کیا کہ موجودہ دور کے علماء میں نہ تو تقدس موجود ہے، نہ تقویٰ اور نہ ہی قوم پر ان کا اثر قائم ہے جس کی بناء پر وہ قوم کی اصلاح کرنے کے قابل نہیں رہے۔

"علامہ شبلی نعمانی کا قول کہ قوم کی اصلاح صرف مقدس اور بزرگ ہستیوں سے ہو سکتی ہے: ارشاد فرمایا کہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے جب دہلی میں نظارۃ المعارف قائم فرمایا تو تھانہ بھون آئے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں علامہ شبلی نعمانی سے ملا، تو مسلمانوں کی عام بے راہروی اور پریشانی اور مبتلائے آفات ہونے کا تذکرہ ہوا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کی نظر میں قوم کی اصلاح کی تدبیر کیا ہے۔ علامہ شبلی نے کہا کہ قوم کی اصلاح صرف وہ لوگ کر سکتے ہیں جن کا قوم پر مکمل اثر ہو اور یہ اثر بغیر تقدّس کے نہیں ہو سکتا اور تقدس بغیر تقویٰ اور کثرت عبادت و ذکر اللہ کے حاصل نہیں ہو سکتا۔" (مجالس حکیم الامت۔ تحریر و ترتیب مفتی محمد شفیع)

منظور احمد نعمانی صاحب

13 جون 1971ء کو سورہ توبہ کا درس دیتے ہوئے مولانا منظور احمد نعمانی صاحب نے ارشاد فرمایا

"ان آیتوں کا اگرچہ براہ راست تعلق بگڑے ہوئے یہود و نصاریٰ اور ان کے حرام خور اور ریاکار پیروں، پادریوں سے ہے، لیکن ہم مسلمانوں کے لئے اور خاص کر ہم جیسوں کے لئے جن کو لوگ مذہبی عالم اور دینی پیشوا سمجھتے ہیں ان آیتوں میں بڑا سبق اور بڑی آگاہی ہے۔ حضور ﷺ کی مشہور حدیث ہے "**لتتبعن سنن من کان قبلکم شبرًا بشبر او ذراعً بذراع**" جس کا مطلب یہ ہے کہ میری امت کے لوگ وہ سب کچھ کریں گے جو پہلی امتوں، یہودیوں اور نصرانیوں نے

کیا اور بالکل ان کے قدم بقدم چلیں گے۔ یہاں تک کہ اگر پہلی امتوں کے کسی بدبخت نے اپنی ماں کے ساتھ حرام کیا تھا تو میری امت میں بھی یہ ہو کر رہے گا۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد کا مقصد دراصل امت کو خبردار کرنا تھا کہ وہ اس خطرے سے اپنی حفاظت کرے لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ حضور ﷺ نے فرمایا تھا وہ سب سامنے آرہا ہے۔ امت میں اعمال و اخلاق کی وہ ساری خرابیاں اور وہ سب اعتقادی گمراہیاں پیدا ہوچکی ہیں اور ہو رہی ہیں جو یہود و نصاریٰ میں تھیں۔ وہ کونسا جرم اور گناہ ہے جو مسلمانوں میں نہیں ہے اور وہ کونسا فسق و فجور ہے جو دین و مذہب ہی کے نام پر بزرگان دین کے عرسوں میں نہیں ہو رہا ہے اور وہ کونسا شرک ہے جو ان کے مزاروں پر نہیں ہو رہا ہے۔ قبروں کو سجدے ہو رہے ہیں، مرادیں مانگی جارہی ہیں، نذریں چڑھائی جارہی ہیں، الغرض وہ سب کچھ ہو رہا ہے جو یہود و نصاریٰ کرتے تھے۔ اور جس طرح ان کے پیر پادری دین کے نام پر دنیا کماتے اور بیچارے عوام کو لوٹتے تھے ان کے نمونے بھی اس امت کے پیروں اور مولویوں میں موجود ہیں۔۔۔۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ سورہ توبہ کی ان آیات "اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابًا من دون اللّٰہ" سے لیکر "یاایھاالذین آمنوا ان کثیرًا من الاحبار والرھبان" الآیۃ کا تعلق اگرچہ براہ راست یہود نصاریٰ سے ہے لیکن ان میں ہم مسلمانوں کے لئے بھی بڑا سبق ہے" (ماہنامہ الفرقان لکھنؤ۔ بانی الفرقان نمبر، اپریل 1998ء تا اگست 1998ء۔ صفحہ 407)

سیّد ابو بکر غزنوی

"یہ ایک المیہ ہے کہ جو لوگ معاشرے میں اسلام کی طرف دعوت دینے والے ہیں وہ عملی طور پر اس کی ابجد ہوز سے بھی محروم ہیں اور نوکر کو اپنے دستر خوان پر بٹھانا ان کے لئے ناقابل تصور ہے۔ لاہور میں گزشتہ دنوں ایک ڈنر میں شرکت کا اتفاق ہوا جس میں بڑے بڑے حامیان دین اور مفتیان شرع متین شریک تھے۔ میں نے میزبان سے کہا کہ میرے ڈرائیور کو اندر بلالیجئے وہ کھانا میرے ساتھ کھائیگا۔ میرے ڈرائیور کو تو انہوں نے ذرا سی پس و پیش کے بعد بلالیا مگر بیسیوں ڈرائیور اور چپراسی رات گیارہ بجے تک باہر بھوکے بیٹھے رہے۔ میرے ڈرائیور نے مجھے بعد میں بتایا کہ سب ڈرائیور اور چپراسی ان اسلام کے علمبرداروں کو گالیاں دیتے رہے اور ان پر لعنتیں بھیجتے رہے۔" (محمدی انقلاب کے چند خط وخال۔ صفحہ۔7، مکتبہ غزنویہ۔4 شیش محل روڈ لاہور۔ بار دوم مئی 1976)

محمد رئیس ندوی

"موجودہ صورتحال یہ ہے کہ اہل حدیث اور احناف دونوں فریق کے مدارس و مساجد الگ الگ ہیں، طلبہ مخصوص ماحول میں ایک عرصہ گزارتے ہیں، انہیں اپنے مکتب فکر کے علماء، اساتذہ، کتابوں اور رسالوں کے علاوہ دوسرے فریق کے اہل علم اور ان کے علمی کاموں سے کوئی واقفیت نہیں ہوتی، اور اگر تھوڑی بہت اطلاع ہوتی بھی ہے تو اپنے اساتذہ و علماء اور ان کی تصانیف کی طرف رجوع کرکے کسی طرح کا کوئی مثبت اثر اپنے فکر و عمل پر باقی نہیں رہنے دیتے۔ مختلف فقہی مسائل میں بحث و نظریا ان سے متعلق احادیث کی تحقیق و تنقید کے وقت عمومًا دونوں فریق کی تحریریں علماء و طلبہ کے پیش نظر نہیں ہوتیں کہ پوری تحقیق کے ساتھ کوئی رائے قائم کی جاسکے۔۔۔ اکثر موضوعات پر جو مناظرانہ کتابیں ۱۰۰۔۱۵۰ سال کے عرصے میں لکھی گئی ہیں، ہر فریق اپنے علماء کی ان تصانیف کو حرف آخر سمجھتا، انہیں عقیدت سے پڑھتا اور ان کی از سرنو طباعت و اشاعت کی کوشش کرتا ہے، جبکہ ان کے بہت سارے مباحث فرسودہ، اسلوب بیان عقیم اور دلائل کمزور ہوتے ہیں، بلکہ بارہا ان کی حقیقت دوسرے فریق کے علماء نے اپنے ردود میں بیان کردی ہے۔" (اللمعات الی مافی انوار الباری من الظلمات۔ تالیف علامہ محمد رئیس ندوی۔ جلد اول۔ صفحہ ۳۶،۳۵

"سچی بات تو یہ ہے کہ مختلف زمانوں اور ملکوں میں دین پر جتنے صدمے آئے ہیں وہ سب انہیں علماء سوء کے ہاتھوں، اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اکبری فتنہ کی بڑی ذمہ داری ابوالفضل اور فیضی پر نہیں بلکہ انہیں دنیا کے کتوں پر ہے جنہوں نے بدنصیبی سے اُس وقت علم دین کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ دور اکبری کے ابن حنبل، مجددؒ سرہندی بالکل صحیح فرماتے ہیں: ہر فتورے کہ دریں زمان در ترویج ملت و دین ظاہر گشتہ از شومی علماء سوء اس کہ فی الحقیقت شرار مردم و نصوص دین اند، اولئک

حزب الشیطان، اَلا اِنَّ حزب الشیطان ھم الخاسرون۔"(بحوالہ تذکرہ، ابوالکلام ص 21)"(امام ولی اللہ دہلوی سے پہلے اسلامی ہند کی دینی حالت اور تدریجی ارتقاء۔ از مسعود عالم ندوی۔ رسالہ الفرقان بریلی ولی اللہ نمبر۔ صفحہ۔33۔ سن اشاعت 1940ء)

"یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے معاشرے میں اور ہماری دینی درسگاہوں میں قرآن پاک کی تعلیم کو وہ بنیادی حیثیت حاصل نہیں ہے جو اس کی عظمت کا تقاضاہے بلکہ ان میں دوسرے علوم نے زیادہ بنیادی حیثیت حاصل کر لی ہے۔ قرآن پاک کے لئے مشکل سے روزانہ ایک گھنٹہ وقت دیا جاتا ہے وہ بھی سات سالہ مدت میں ایک سال یا دو سال، جب کہ دوسرے علوم کئی کئی سال اور کئی کئی گھنٹے پڑھائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان درسگاہوں کے فضلاء سے بات کیجئے تو وہ مختلف فنون سے اپنی دلچسپی کا اظہار کریں گے مگر ہزار میں ایک طالب علم بھی قرآن پاک سے کسی خاص شغف کا اظہار کرتا نظر نہیں آئے گا حتیٰ کہ ہم نے کسی نئے فاضل کے پاس قرآن پاک کا اپنا ذاتی نسخہ نہیں دیکھا جس کو اپنی تلاوت میں برابر رکھتا ہو یا اس پر کوئی نوٹ لکھا ہو الا ماشاء اللہ۔ اس وقت دارالحدیث اور ادرالافتا بنانے کا جتنا زور و شور دکھائی دیتا ہے، دارالقرآن یا دارالتفسیر بنانے کے سلسلہ میں اتنی ہی سرد مہری دکھائی دیتی ہے۔ قرآن پاک کے لئے ہماری درسگاہوں نے صرف درجہ حفظ کو کافی سمجھ لیا ہے یا جلالین کے دورہ کو یا قرآن پاک کی کچھ منتخب سورتوں کے پڑھانے کو مگر اس کو بنیاد بنا کر سارے علوم اس کی روشنی میں پڑھائے جائیں اور قلب و دماغ پر اس کے مضامین چھائے رہیں ایسا بہت کم ہوتا ہے۔"(اسلامی فقہ، مجیب اللہ ندوی۔ جلد اوّل۔ صفحہ:268)

محمد یوسف لدھیانوی

محمد یوسف لدھیانوی صاحب نے اس دور جدید میں "عصر حاضر" نامی ایک کتاب لکھ کر آنحضرت ﷺ کی وہ تمام احادیث جمع کی ہیں جن میں اس دور کی علامات بیان کی گئی ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے مندرجہ ذیل پیش لفظ میں بھی لکھا ہے، اس کتاب کا سرسری مطالعہ یہ واضح کر دیتا ہے کہ ان احادیث میں بیان کی گئی علامات پوری طرح آج کے دور کے علماء پر منطبق ہوتی ہیں۔ گویا یہ اپنے علماء کے بگڑنے کی ایک اور گواہی ہے جو خود ایک عالم دین کے ہاتھوں فراہم ہو رہی ہے۔

"دور حاضر کو سائنسی اور مادی اعتبار سے لاکھ ترقی یافتہ کہہ لیجئے لیکن اخلاقی اقدار، روحانی بصیرت اور ایمانی جوہر کی پامالی کے لحاظ سے یہ انسانیت کا بدترین دور انحطاط ہے۔ مکر و فن، دغا و فریب، شر و فساد، لہو و لعب، کفر و نفاق اور بے مروتی و دناءت کا جو طوفان ہمہ گیر دو پیش برپا ہے اس نے سفینہ انسانیت کے لئے سنگین خطرہ پیدا کر دیا ہے۔ خلیفہ ارضی (بنی نوع انسان) کی فتنہ سامانیوں سے زمین لرز رہی ہے، آسمان کانپ رہا ہے اور بحر و بر، جبل و دشت اور وحوش و طیور "الامان والحفیظ" کی صدائے احتجاج بلند کر رہے ہیں، انسانیت پر نزع کی حالت طاری ہے، اس کی نبضیں ڈوب رہی ہیں اور لحہ بہ لحہ اس "جان بلب مریض" کی حالت متغیر ہوتی جا رہی ہے، یہ دیکھ کر اہل بصیرت کا یہ احساس قوی ہوتا جا رہا ہے کہ شائد اس عالم کی بساط لپیٹ دینے کا وقت زیادہ دور نہیں۔ ذیل میں احادیث نبویہ (علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ و سلام) سے ایک آئینہ پیش کیا جا رہا ہے جس میں دور حاضر کے تمام خدوخال نظر آتے ہیں اور علماء، خطباء، حکام اور عوام سبھی کے قابل اصلاح امور کی نشاندہی فرمائی گئی ہے، اس کی جمع و ترتیب سے مقصود کسی خاص طبقہ کی تنقیص نہیں، لالچ صرف یہ ہے کہ ہم اس شفاف آئینے میں اپنا رخ کردار دیکھ کر اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔"محمد یوسف لدھیانوی پیش لفظ (صفحہ۔9)

غرورِ علم اور تقلید آباء

مشہور اہلحدیث عالم احسان الٰہی ظہیر صاحب کی کتاب "احبابِ دیوبند کی کرم فرمائیاں اہل حدیث پر" کا مقدمہ لکھتے ہوئے حافظ عبد الحمید ازہر صاحب، خطیب محمدی مسجد، ایمن آباد راولپنڈی، نے مقلدین حنفی علماء کا حال انبیاء کرام علیہم السلام کے مخالفین جیسا بتاتے ہیں جن کے علم کا غرور اور آباء کی تقلید انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے میں رکاوٹ بنا کرتا تھا۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ ان کی تشخیص تو بالکل درست ہے لیکن "اوروں کو نصیحت اور خود میاں فضیحت" کے مصداق انہوں نے احمدیت کے پیغام کے ساتھ وہی کچھ کیا جس کی شکایت وہ حنفی علماء کے متعلق کرتے ہوئے انہیں انبیاء علیہم السلام کے منکرین سے ملا رہے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”ایمان کی سعادت سے محرومی کے اسباب (۱) غرورِ علم (۲) تقلید آباء۔ انبیاء و مرسلین پر ایمان لانے کی سعادت سے محروم گروہ دو طرح کے افراد پر مشتمل تھا: مغرورینِ علم:۔ ایک تو وہ لوگ تھے جو غرورِ علم میں اس طرح غرق اور اپنی جہالت پر اس حد تک نازاں تھے کہ خود کو کسی قسم کی رہنمائی سے مستغنی سمجھتے تھے۔ وہ اپنی فطری پستی اور کوتاہ نظری کے سبب اپنے مزعومہ علم و معارف پر اس قدر نازاں تھے کہ انہوں نے علوم نبوت اور ان کے معارف و حکم میں غور و فکر نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں کا حال بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔ (فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ) (المؤمن۔ 83) ”پھر جب ان کے پیغمبر ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے تو وہ اس علم پر اترانے لگے جو ان کے اپنے خیال میں ان کے پاس تھا۔“ یہ لوگ پندار کی اس چوٹی پر پہنچ گئے جو ندائے حق کے دائرۂ تاثیر سے باہر تھی۔ (وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِن بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَامِلُونَ) (حم السجدۃ۔ 5) ”اور کہا کہ جس چیز کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ ہے سو تو اپنا کام کر ہم اپنا کام کرتے ہیں۔“ مقلدین آباء و اجداد:۔ دوسرا گروہ ایسا تھا جس نے خود کو اکابر پرستی کے حصار میں محصور کر لیا، جمود و تقلید ان کے رگ و ریشہ میں اس طرح سرایت کر گئی کہ انہوں نے حقائق و دلائل کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا اور اپنے آباء و اجداد کے نظریات اور قیل و قال کو حرف آخر سمجھا اور اس کے مقابل ہر حقیقت کو جھٹلا دیا۔

أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَاباً مِّن قَبْلِهِ فَهُم بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ *بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِم مُّهْتَدُونَ * وَكَذَلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ *قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكُم بِأَهْدَى مِمَّا وَجَدتُّمْ عَلَيْهِ آبَاءكُمْ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ *فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ *(الزخرف:21-24)

”انہیں اس بات کا کچھ علم نہیں وہ تو صرف اٹکل دوڑاتے ہیں کیا ہم نے اس سے پہلے انہیں کوئی کتاب دی؟ کہ وہ اسے مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں، وہ تو صرف یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر پایا اور ہم انہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے درست جا رہے ہیں، اسی طرح ہم نے تجھ سے پہلے جو ڈرانے والا کسی بستی میں بھیجا تو وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے یہی کہا ہم نے باپ دادوں کو ایک دین پر دیکھا ہے اور ہم انہی کی اقتداء کرتے رہیں گے، رسول نے (ازراہ فہمائش) کہا اگرچہ میں تمہارے پاس وہ چیز لاؤں جو ہدایت میں اس سے بڑھ کر ہو جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا، وہ بولے ہم اس پیغام کے منکر ہیں جو تمہارے ہاتھ بھیجا گیا۔“ (احبابِ دیوبند کی کرم فرمائیاں اہلِ حدیث پر۔ صفحہ 16-18۔ ناشر تنظیم الدعوۃ الی القرآن والسنہ۔ طبع اول جون 2000ء)

بوجہ اپنے علم کے

مندرجہ بالا اقتباس کے مطابق علماء اپنے علم کے پندار میں مبتلا ہو کر انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا انکار کر دیتے ہیں۔ دیوبندیوں کے مقتدا اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کا قول نقل کیا ہے

”قادیانی اگر راہ پر بھی ہو تاہم بوجہ اپنے علم کے انکار پر معذر رہیں۔“ (امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق۔ صفحہ۔ 113)

ڈاکٹر اسرار احمد

معروف عالم دین ڈاکٹر اسرار احمد صاحب (شر من تحت ادیم السماء) والی حدیث بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"آج ہمیں اس صورتحال کی جھلک اپنے ان علماء میں نظر آتی ہے جنہوں نے دین کو پیشہ بنالیا ہے۔ ان کی ساری دلچسپی امت میں فتنے پیدا کرنے اور اس میں تفرقہ پیدا کر کے اپنی دکان چمکانے سے ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ امت میں جتنا زیادہ اختلاف ابھرے گا، لوگوں کو مناظروں کیلئے مولویوں کی اتنی ہی زیادہ ضرورت ہو گی" (ماہنامہ میثاق، نومبر 1996ء صفحہ 21)

"ابوالکلام آزاد نے ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء کے دوران لوگوں کو قرآن کی طرف راغب کرنے کے لئے جتنی زوردار دعوت دی اس کی پوری اسلامی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ اس اعتبار سے انہیں دعوتِ قرآنی کا مجدد قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعد میں وہ علماء کے طرز عمل سے مایوس اور بددل ہو کر کانگریس میں شامل ہو گئے کہ یہ مولوی نہ خود کچھ کریں گے نہ کسی دوسرے کو کچھ کرنے دیں گے۔" (ماہنامہ میثاق، نومبر 1996ء صفحہ ۲۴)

"تبلیغ تو ایک پیشہ بن چکی تھی۔ پیشہ ور مبلغ اجرت لے کر فرقہ وارانہ تقریریں کرتے اور مختلف فرقوں کے مبلغ دوسرے فرقوں پر کفر کے فتوے لگاتے۔ اس طرح کی "تبلیغ" کا نقشہ ہمیں آج بھی کہیں کسی "عظیم الشان تبلیغی کانفرنس" میں نظر آجاتا ہے جہاں رفع یدین کے حق میں یا اس کے خلاف دلائل دیئے جا رہے ہوتے ہیں یا تعداد تراویح کا مسئلہ زیر بحث ہوتا ہے۔ اُس دور میں "تبلیغ" کا یہ انداز بہت عام تھا اور مولوی مرغوں کی طرح لڑتے تھے اور پیسے لیتے تھے۔" (ماہنامہ میثاق، نومبر 1996ء صفحہ ۲۵،۲۴)

"جب ایسے لوگ دھڑا دھڑ شدھی ہونے لگے تو ہندوستان میں تہلکہ مچ گیا اور مسلمانوں میں شدید تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ چنانچہ ان علاقوں میں تنخواہ دار مبلغ بھجوائے گئے، لیکن وہ بھلا کہاں دیہات کی خاک چھانتے۔ ملازم آدمی کی ایک اپنی ذہنیت ہوتی ہے، اسے تو بس اپنے ٹی اے، ڈی اے سے غرض ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ ایک گاؤں میں تقریر کر کے رپورٹ میں دس دیہات کا دورہ لکھ دیتے۔ چنانچہ اس تبلیغ کا کوئی نتیجہ نہیں نکل رہا تھا۔" (ماہنامہ میثاق، نومبر 1996ء صفحہ ۲۵)

سمیع الحق

"نصر اللہ، جتوئی، بینظیر، فضل الرحمٰن اور میرے سمیت تمام علماء و سیاست دان گند ہیں انہیں سمندر میں پھینک دیا جائے، سب ناقابل علاج ہو چکے ہیں" (سمیع الحق۔ روزنامہ پاکستان، روزنامہ جنگ، روزنامہ نوائے وقت 18 جون 1997ء)

ڈاکٹر ملک غلام مرتضٰی

'90 فیصد علماء قرآن پاک کا ترجمہ نہیں سنا سکتے اگر وہ ترجمہ سنا دیں تو میں اپنی سند پھاڑ کر پھینک دوں گا۔ وزارت مذہبی امور نے سروے کرایا تو 75 فیصد مولویوں کو نماز کا ترجمہ معلوم نہیں تھا یہ برائے نام علمائے کرام ہیں۔" (روزنامہ نوائے وقت۔ ۱۱ اکتوبر 1995ء)

شخصیت پرستی اور مشیخیت کے دینی و اخلاقی مفاسد۔ مولانا محمد عیسٰی منصوری حنفی

"آج کے دور کا سب سے بڑا فتنہ مشیخیت یعنی اپنے مقرب ہونے کا غرہ ہے، اس مشیخیت کی وجہ سے ہم اہل بدعت کے مماثل بنتے جا رہے ہیں۔ انگلینڈ کے ایک بڑے مشہور شہر میں دو پیر صاحبان نے اپنا اپنا علاقہ تقسیم کر رکھا ہے۔ ایک کا اعلان دوسرے کی مسجد میں نہیں ہو سکتا، گزشتہ دنوں جب حضرت مولانا طلحہ صاحب تشریف لائے تو دونوں کے ہاں ان کا پروگرام تھا۔ ایک جگہ پہنچے تو شاید تھکان کی وجہ سے آرام کے لئے چلے گئے۔ دوسرے پیر صاحب سینکڑوں مصلیوں کے ساتھ آدھی رات تک اپنی ہی مسجد میں انتظار فرماتے رہے۔ پھر باتیں چلیں کہ فلاں نے آنے نہیں دیا۔ یہ دونوں پیر صاحبان جب نماز کے بعد اپنے گھر تشریف لے جاتے ہیں تو متعدد لوگ مشایعت کے لیے پیچھے چلتے ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ اگر مریدوں میں سے کسی کو نماز میں دیر ہو جائے تو وہ نماز توڑ کر پیر صاحب کی

مشایعت کو ضروری سمجھتا ہے۔ تصوف کی منزل کا تو پہلا قدم ہی اپنی نفس و انانیت کو توڑنا ہے۔ یہاں درجن بھر قطب الاقطاب کا یہ حال ہے کہ عالم اسلام یا برصغیر کی کوئی بھی بڑی شخصیت آجائے، یہ اپنے گھر انتظار کرتے ہیں اور خود جا کر ملنا اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔ بندہ نے تقریباً دو سال پہلے مولانا عبد اللہ پٹیل صاحب کو عرض کیا تھا کہ اس مشیخیت کی خبر لیجئے! ورنہ بندہ اپنے انداز میں کچھ کہے گا تو سختی کی شکایت نہ کیجئے گا۔ بندہ کے نزدیک اس دور کا سب سے بڑا فتنہ یہی مشیخیت ہے۔۔۔ اسی طرح حضرت شیخ الحدیث کی یہاں آمد ثانی کے موقع پر خلفا کی طرف سے مبشرات پر مشتمل ایک کتابچہ چھاپا گیا جس کا عنوان غالباً "محبتیں" تھا۔ اس پر سلفی حضرات کے ماہنامہ "صراط مستقیم" (برمنگھم، برطانیہ) میں کئی قسطوں میں سخت تبصرہ چھپا کہ ان کے شیخ جب افریقہ، ری یونین، انگلینڈ تشریف لے جاتے ہیں تو سرورِ دوعالم ﷺ، خلفائے راشدین اور دیگر اکابر صحابہ شیخ کے استقبال، انتظامات اور دیگر خدمات کے لئے پہنچتے ہیں۔ ان دیوبندیوں نے سرورِ دوعالم ﷺ اور حضرات صحابہ کو شیخ کا خادم بنادیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کی بہت سی باتوں پر جب کبھی بندہ نے مولانا یوسف متالا کو ٹوکا تو ہمیشہ ایک ہی جواب ہوتا: غلطی ہوگئی۔۔۔ اب حال یہ ہے کہ ایک ایک شیخ کے خلفا، پھر ہر خلیفہ کے درجنوں خلفاء امت کو تقسیم در تقسیم کے عمل سے گزار رہے ہیں۔ آج عالم کفر عالمگیریت کے دور میں پہنچ کر ایک ایک مسلم قوم، طاقت اور ارادہ کو مل کر اقوام متحدہ کے زیر سایہ باری باری تباہ کر رہا ہے۔ ادھر اللہ سے تعلق اور روحانیت کے دعوے دار ایک دوسرے کے مریدوں کی چھینا جھپٹی میں لگے ہوئے ہیں۔ ہمارا مقصود متاع دنیا اور دنیوی وجاہت بن گیا ہے۔ ان اللہ والوں کے زیادہ تر اسفار گجرات اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے گجراتی اہل ثروت کی طرف ہوتے ہیں۔ خلافت کی ریوڑیاں بھی زیادہ تر انھی لوگوں میں تقسیم ہوتی ہیں۔ (ایک مولوی کو ایک نہیں، کئی کئی خلافتیں) بھارت کے بیس کروڑ مسلمان نظر التفات سے عموماً محروم رہتے ہیں۔ گزشتہ سال دُبئی کے چند دوستوں نے بتایا کہ فلاں حضرت اپنے آدھ درجن بیٹوں و پوتوں کے ساتھ تشریف لائے۔ ان کی تشریف بری کے بعد دیکھا کہ بہت سوں کے ہدایا میزبان کے گھر پڑے تھے کیونکہ ٦، ٧ ٹکٹوں پر حضرت صرف قیمتی ہدایا ہی ساتھ لے جاسکے۔ یہاں لندن میں ہر خلیفہ نے اپنی ضروریات کے لیے چند اہل ثروت کو چن رکھا ہے اور یہ اللہ والے عموماً کسی کروڑپتی کے ہاں قیام فرماتے ہیں۔ کسی غریب مرید کے ہاں شاذونادر ہی نزول فرمائیں گے۔ حقیقی روحانیت ہمیشہ فقر وفاقہ میں مست اور خوش رہتی ہے اور مشیخیت پیسوں کا کھیل بن جاتی ہے۔ سرور دوعالم ﷺ نے ہر برائی اور گناہ کی جڑ دنیا کی محبت کو اور امت کے لیے فتنہ عورت اور مال کو قرار دیا ہے۔ چودھ سو سالہ تاریخ گواہ ہے، اہل دین میں ہمیشہ فتنہ (فساد و بگاڑ) مال کی جہت ہی سے آیا ہے۔ کسی قوم اور ملت کی تباہی و زوال کی بنیادی وجہ حکمرانوں اور علماء کا بگاڑ ہوتا ہے۔ اگر ان دو میں سے ایک بھی اپنا فریضہ صحیح طور پر ادا کر رہا ہو تو فساد و بگاڑ نصف رہ جاتا ہے۔ آپ ﷺ یہ پیش گوئی فرما چکے ہیں کہ امت اور اس کے مشائخ و علماء (احبار و رہبان) بنی اسرائیل کی قدم بقدم پیروی کریں گے۔ قرآن پاک میں بنی اسرائیل کے علماء و مشائخ کے حالات دیکھ لیں، کیا ہم انھی کے نقش قدم پر نہیں بڑھ رہے ہیں؟ آج کل اکثر مولوی مال بٹورنے اور جمع کرنے والی آیت ادھوری پڑھتے ہیں اور (وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ) سے شروع فرماتے ہیں، جبکہ آیت میں اصل وعید و دھمکی علماء و مشائخ (احبار و رہبان) ہی کی حرام خوری کے متعلق ہے۔ آج غریب آدمی اولیاء اللہ سے مصافحہ تو درکنار زیارت بھی بمشکل کر سکتا ہے۔ میرے ایک پاکستانی دوست جو یہاں بڑے سرکاری عہدے پر فائز ہیں، کہنے لگے: میں پاکستان میں فلاں فلاں مشائخ و بزرگوں اور اکابرین سے مل کر آرہا ہوں، سب ہی نے مجھ پر بڑی شفقت فرمائی اور خوب اکرام فرمایا۔ بندہ نے عرض کیا: کیوں نہ کرتے، آپ انگلینڈ سے جو گئے تھے۔ اونچے عہدے پر جو ہیں۔ اب ایک بار اور جائیے، دیہاتی لباس میں اور سب سے عرض کیجئے: حضرت! چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، قرض ہو گیا ہے، بہت پریشان ہوں، دعا کے لیے حاضر ہوا ہوں، پھر دیکھئے! کس طرح آپ کو دستر خوان پر ساتھ بٹھا کر اکرام فرماتے ہیں۔

بزرگ اور پارسا لوگوں کا پلاٹوں کا کاروبار!

سابق امیر جماعت اسلامی، قاضی حسین احمد صاحب پاکستان کے ایوانِ بالا، سینٹ، کے رکن رہ چکے ہیں۔ اُن کے تحریر کردہ کالم اکثر اخبارات کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ مندرجہ ذیل کالم میں انہوں نے اپنی جماعت کے رہنماؤں کی صاف دامنی کا اعلان کرتے ہوئے دیگر "بزرگ" اور "پارسا" لوگوں کے بارے میں حکومت سے مفادات حاصل کرنے کا الزام لگایا ہے۔

”الحمد للہ جماعت اسلامی کا دامن صاف ہے۔اس کے لیڈروں کے بارے میں تو یہ بھی ہر خاص وعام کو معلوم ہے کہ جب اسمبلیوں کے ممبران میں اسلام آباد کے پلاٹ اور گاڑیوں کے پرمٹ تقسیم ہورہے تھے تو صرف جماعت اسلامی کے ممبران نے اپنا دامن صاف رکھا ہے۔میں نے جب سینٹ کے ممبر کے طور پر پلاٹ وصول کرنے والوں کے ناموں کی فہرست طلب کی تو کئی بزرگ اور پارسا لوگوں کے بارے میں معلوم ہوا کہ انہوں نے بھی پلاٹ حاصل کر کے بیچے ہیں اور کروڑوں روپے کمائے ہیں۔“(کالم ”سپریم کورٹ کا حالیہ فیصلہ اور جماعت اسلامی“از قاضی حسین احمد روزنامہ جنگ لاہور 30اکتوبر2012ء)

”قومی اسمبلی کی پبلک اکاؤنٹس کمیٹی میں انکشاف ہوا ہے کہ جماعت اسلامی کے پروفیسر خورشید نے رفاہی کام کے لیے ایف سیون میں پلاٹ لے کر اس کا کمرشل استعمال کیا اور لیز ختم ہونے سے 5 سال قبل اس پلاٹ کو فروخت کر دیا۔ کمیٹی نے معاملے کی 15 دن میں انکوائری کر کے رپورٹ طلب کرلی۔“ (روزنامہ ایکسپریس27 مئی 2016)

علماء اپنے بچوں کو دینی تعلیم نہیں دلواتے

اہلحدیث کے ترجمان رسالہ ”الاعتصام“ نے مارچ 2005 میں اپنے ایک عالم مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی صاحب کی یاد میں 1244 صفحات پر مشتمل ایک خاص نمبر شائع کیا جس میں ان کے متعلق متعدد مضامین شائع کئے گئے جن میں ایک مضمون میں ان کے ایک شاگرد، حافظ صلاح الدین یوسف صاحب، نے دورِ جدید میں علماء اور مدارس کی حالتِ زار کا ذکر کرتے ہوئے دو لطائف بیان کئے جن کے مطابق عام لوگ تو دور کی بات اب علماء بھی اپنے بچوں کو دینی تعلیم نہیں دلواتے اور انہیں سکولوں میں داخل کروا کر دنیاوی تعلیم دلوانے کو ترجیح دیتے ہیں:

”دو مبنی بر حقیقت دلچسپ لطیفے۔یہ تلخ موضوع اب زبانِ قلم پر آہی گیا ہے تو دو دلچسپ لطیفے بھی سن لیجئے جو نہایت عبرت انگیز ہیں اور جو ہمارے اصحابِ ثروت کے اسی رویے سے متعلق ہیں جس کا ذکر مذکورہ مضمون میں کیا گیا ہے۔پہلا لطیفہ کراچی کا ہے۔راقم اگست 1990 کو کراچی گیا۔کورٹ روڈ کی مسجد اہلحدیث میں راقم نے جناب سعید احمد صاحب ریشم والے سے ملاقات کی، موصوف اس مسجد، اس میں قائم مدرسہ میاں نذیر حسین اور دارالافتاء کے ناظم ہیں۔راقم نے ان سے پوچھا کہ آج کل مدرسہ میاں نذیر حسین قائم ہے؟ موصوف نے فرمایا کہ ”ہمارا مدرسہ چلنے ہی کب دیتے ہیں؟“ راقم نے پوچھا۔کون نہیں چلنے دیتا؟ فرمایا” جامعہ ستاریہ اور جامعہ ابی بکر والے“ راقم نے عرض کیا، اس کا ایک حل تو ہے لیکن اسے اختیار کرنا آپ لوگوں کے لئے بہت مشکل ہے۔انہوں نے پوچھا وہ حل کیا ہے؟ راقم نے عرض کیا کہ اپنے خاندان اور برادری کے بچوں کو عُلومِ دینیہ و عربیہ سے آراستہ کیا جائے، انہیں دین کا عالم بنایا جائے تاکہ دوسروں کی محتاجی ختم ہو جائے۔فرمانے لگے ہاں یہ تو ناممکن ہے، اب تو علماء بھی اپنی اولاد کو دینی عُلوم نہیں پڑھاتے تو ہم کس طرح پڑھائیں؟ راقم نے عرض کیا جو علماء بھی ایسا کرتے ہیں وہ بھی غلط ہے۔ان کی غلطی آپ کے غلط رویے کے لئے سندِ جواز نہیں بن سکتی۔

دوسرا لطیفہ پنجاب کا ہے جو راقم کو ایک فاضل دوست نے سنایا، انہوں نے بتلایا کہ گوجرانوالہ کے بابا اہلحدیث نے ایک مرتبہ ایک دینی مدرسہ کے مہتمم سے پوچھا، جو ایک نامور اہلحدیث عالم، بزرگ اور اہل قلم تھے اور ان کے اپنے بچے دینوی اسکولوں میں زیرِ تعلیم تھے کہ مدرسے میں دی جانے والی تعلیم اگر اچھی ہے تو پھر آپ اپنے بچوں کو اس کی بجائے اسکولوں میں کیوں بھیجتے ہیں اور دینی و عربی تعلیم کیوں نہیں دلواتے؟ اور اگر یہ تعلیم بری ہے تو پھر مدرسہ بند کر دیجئے، دوسروں کے بچوں کو یہ تعلیم دے کے ان کو کیوں خراب کرتے ہو؟ ظاہر بات ہے کہ اس کا کوئی معقول جواب مہتمم صاحب نہیں دے سکتے تھے، جس طرح آج کل کے مہتممین اس کا جواب نہیں دے سکتے۔ہیں یہ دونوں لطیفے۔لیکن سوچئے کہ کتنے مبنی بر حقیقت ہیں اور واقعات کی کیسی نقاب کشائی کرتے ہیں۔نیز ان کے پیچھے کرب واضطراب کی کتنی بڑی لہریں پوشیدہ ہیں۔کاش مساجد و مدارس کا اہتمام کرنے والے ان حقائق وواقعات کا ادراک کر سکیں اور اپنے خاندانوں اور گھرانوں میں بھی علوم دینیہ کی قدر افزائی کا کوئی اہتمام کر سکیں ورنہ اس کے بغیر مساجد و مدارس کا انتظام ایک فریبِ نفس، ایک استہزاء اور علوم دینیہ کے بے توقیری وناقدری کا اعلانِ صریح ہے۔“(صفحہ 425)

مولانا محمد اسحٰق بھٹی۔ مدرس ختم شیخ القرآن باقی

"اُن دِنوں آج کل کی طرح زیادہ اخبار بھی نہ تھے جو اشتہار بازی کے ذریعے کسی شخصیت یا کسی جگہ کے مدرسے کو عوام میں متعارف کرانے کا سبب بنتے۔ اب تو ماشاء اللہ جماعتی رسائل و جرائد کی برکت سے غلط بیانیوں سے ملوّث "صداقت" نے ارتقاو تقدم کی اتنی منزلیں طے کر لی ہیں کہ جہاں قاعدے، سیپارے پڑھنے والے پانچ بچے جمع ہوگئے وہ "جامعہ" قرار پاگیا، جس مسجد میں چار لڑکے چند روز کے لئے آگئے وہ "کلیہ" کہلایا۔ جس گھر میں چھ سات لڑکے بٹھالیے اس کا نام "دارالعلوم" رکھ دیا گیا۔ جھوٹ کا اس قدر دور دورہ ہے کہ اب پورے پاکستان میں کوئی مدرسہ نہیں رہا، سب جامعات، کلیّات اور دارالعلوم بن گئے ہیں۔ ایک اور ترقی اللہ کے فضل سے ہم نے یہ کی ہے کہ پورے ملک میں کوئی مولوی یا مدرس نہیں رہا۔ مولوی سب کے سب "علّامے" ہوگئے ہیں یا کم سے کم حضرت مولانا قرار پاگئے ہیں۔ اگاڑی پچھاڑی کے خطابات و القابات اس پر مستزاد۔ مدرس ختم ہوگئے ہیں۔ سب شیخ القرآن یا شیخ الحدیث کہلانے لگے ہیں۔" ("استادِ گرامی"۔ از مولانا محمد اسحاق بھٹی۔ الاعتصام۔ اشاعت خاص بیاد مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی صفحہ 106 طبع اول محرم الحرام 1426ھ مارچ 2005ء ناشر حافظ احمد شاکر باہتمام شاکرین ۳۱ شیش محل روڈ لاہور)

علی میاں کا اہلحدیث علماء کو نظر انداز کرنا

المکتۃ المکرمہ سے مولانا ابو الاشبال احمد شاغف مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب کے بارے میں ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

"مولانا علی میاں نے ہندوستانی مسلمانوں کی سو سالہ خدمات کا تذکرہ کیا تھا اور اس سو سالہ خدمات کو پیش کرنے میں نہایت احتیاط سے کام لیا تھا جو عام علمائے احناف کا وطیرہ ہے یعنی کسی مرحلہ میں بھی جماعت اہلحدیث و علمائے اہلحدیث کی خدمات کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ چنانچہ یہ تاریخ کے ساتھ تلاعبِ مجرمانہ ہے۔ اس لئے مولاناؒ نے اس پر تنقیدی جائزہ پیش کیا اور تنقیدی کلمات میں یہ واضح کیا کہ مولانا علی میاں نے انصاف و دیانت سے کام نہیں لیا اور یہ طرز ایک عالم دین، ایک مؤرخ اور محقّق حتیٰ کہ ایک منصف سیاست دان کو بھی زیب نہیں دیتا۔" (الاعتصام صفحہ 955,956)

جماعت اہلحدیث ہندو پاک بے حس و مردہ

"یہاں ایک بات لکھنے اور کہنے پر مجبور ہوں۔ جماعت اہلحدیث ہندو پاک بالکل بے حس جماعت ہے۔ اس کی بے حسی کا یہ ثبوت ہے کہ جماعت کے ایک بہت بڑے عالم سیّد نواب صدیق حسن رحمہ اللہ کی کتابیں ندوۃ العلماء کو چلی گئیں۔ سیّد نذیر حسین رحمہ اللہ کی کتابوں پر حنفیوں نے قبضہ کر لیا۔ جامعہ رحمانیہ دہلی کی کتابیں جامعہ ملیّہ کی وساطت سے دیوبند کو چلی گئیں۔ مولانا شمس الحق عظیم آبادی کی کتابیں خدابخش لائبریری پٹنہ کو چلی گئیں۔ مولانا شرف الدین دہلوی کی کتابیں ایک متعصّب حنفی کے تصرف میں چلی گئیں۔ مولانا عبد العزیز میمنی کی کتابوں کا بھی وہی حشر ہوا۔ یہ سب جماعت اہلحدیث کی بے حسی اور زمین ہونے کی نشانی ہے۔" (صفحہ 958,959)

علماء کی مالی دھوکہ دہی

مولانا قاضی محمد اسلم سیف صاحب مولانا عطاء اللہ حنیف کے بارے میں اپنے مضمون "ایک جامع کمال شخصیت" میں لکھتے ہیں:

"تیرہ ستمبر 1980ء کو مجھے بھی علماء کے ایک وفد میں جنرل ضیاء الحق کی مجلس میں شامل ہونے کا موقع ملا تو راقم نے گورنمنٹ کے کیشیئر سے (جو اتفاق سے اہلحدیث تھا) علماء کے کرائے وغیرہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے نام لے لے کر تمام جماعتوں کے علماء کے بارے میں بتایا کہ تمام علماء اور مشمولین

ریلوے سلیپر یا ہوائی جہاز کے کرائے وصول کرتے ہیں حالانکہ نہ وہ ریلوے میں آتے ہیں نہ ہوائی جہاز میں اور یہاں اسلام آباد میں ائیر کنڈیشن ہوٹلوں میں قیام کرتے ہیں۔"(اشاعت خاص ہفت روزہ الاعتصام صفحہ 1023)

"اللہ اللہ! ایک طرف یہ سادگی، عاجزی اور انکساری اور دوسری طرف بڑے بڑے جبّوں اور قبّوں کے مال قیام وطعام کی طویل ترین فہرست مرتّب کر کے حکومت سے وصول کرتے ہوئے دیکھے گئے۔"(محمد ایّوب فیروزپوری۔ اشاعت خاص ہفت روزہ الاعتصام صفحہ 1026)

یہی صاحب اسی مضمون میں آگے تحریر فرماتے ہیں:

"اب تک ہم کتنے ہی اہل علم سے محروم ہو چکے ہیں۔ جو مسند خالی ہوتی ہے وہ پُر نہیں ہوتی۔ جماعت کی رفیع اور پُر شکوہ عمارت میں جو دراڑ پڑتی یا اینٹ اکھڑ جاتی ہے اس دراڑ اور سوراخ کو کوئی بند کرنے والا پیدا نہیں ہوتا۔ ہمارے جماعتی ادارے طلبہ کی تعلیم وتربیت پر لاکھوں بلکہ کروڑوں روپے سالانہ خرچ کر رہے ہیں۔ ہر دینی ادارے سے ایک کھیپ فارغ ہوتی ہے لیکن (معذرت چاہتے ہوئے) درس وتدریس اور وعظ وتبلیغ کی مسندیں خالی نظر آتی ہیں۔ کسی عالم کے سانحۂ ارتحال پر چند مضامین لکھنے، قرار دادیں پاس کرنے یا رسائل وجرائد کا خصوصی نمبر شائع کر دینے کے بعد سکوت طاری ہو جاتا ہے۔"(صفحہ 1027)

"یہ صرف عوام ہی کا حال نہیں کہ جہالت کی وجہ سے معذور کہے جائیں، ان لوگوں کا بھی ہے جو اپنے تئیں منہ پھاڑ پھاڑ کر "علماء امت"، "وارث علوم نبوت" اور "انبیائے بنی اسرائیل" کا مشابہ بتاتے ہیں، ایک طرف اسفار شریعت کے حامل اور دوسری طرف حقیقت وطریقت کے رازداں ہونے کے مدعی ہیں۔ دراصل یہی لوگ امت محمدیہ کے لیے اصلی فتنہ اور تمام تباہیوں اور بربادیوں کے اصلی سبب ہیں۔ یہ علمائے سوءاس امت کے "فقیہی" و"فریسی" و"صدوقی" ہیں۔ "ہاروت و ماروت" ہیں۔ "رؤوس الشیاطین" ہیں، انہیں نے شریعت کی تحریف کی ہے، انہیں نے کتاب وسنت کا دروازہ مسلمانوں پر بند کیا ہے، انہیں نے طریقت وبدعت کی تاریکی پھیلائی ہے، انہیں نے اسلام کا نام لے کر اسلام کو مسلمانوں کے دلوں سے اکھاڑ پھینکا ہے۔ تیرہ سو سال کی پوری تاریخ ہمارے سامنے کھلی ہے، وہ کون سی مصیبت ہے جو ان کے ہاتھوں نہیں آئی؟ وہ کون سی گمراہی ہے جس کا جھنڈا انہوں نے اپنے کاندھوں پر نہیں اٹھایا؟(کلمہ گو مشرک از ابوالحسن مبشر احمد ربّانی۔ صفحہ۔23)

سعودی قرآن؟

"پرانے مسائل کو چھیڑ کر سلفی حضرات کو گالی گلوچ، رسائل وکتب کی تالیف وتوزیع اور مساجد تک کو جلانے اور گرانے کی کارروائیاں پاکستان اور انڈیا میں احناف نے کی ہیں۔ پاکستان کے صوبہ سرحد ضلع مانسہرہ شہر بٹگرام کی مسجد عثمان بن عفان کو مقامی متعصب احناف نے آگ لگادی۔ یہ واقعہ ۲۰۰۴ء کا ہے اور اس مسجد کے متولی شیخ عمر خطاب الریاض میں موجود ہیں۔ ان سے تفصیلات معلوم کی جاسکتی ہیں۔ اسلام آباد سے شائع ہونے والے "سیاحۃ الامۃ" نامی ماہنامہ (عربی) اور بعض دیگر اخبارات میں اس واقعہ کے بارے میں کئی صفحات میں رپورٹ شائع کی گئی تھی۔ جلتی مسجد میں قرآن کے نسخے (مع اردو ترجمہ وتفسیر، احسن البیان) بھی جلنے لگے۔ بعض لوگوں کے توجہ دلانے پر کہا گیا کہ "جلنے دو یہ سعودی قرآن ہے"۔"(براۃ اہل حدیث ص۔۵)

"انگریز اور قرآن وحدیث؟ باقی یہ کہنا کہ سو سال کا عرصہ ہوا ہے کہ انگریز نے ہمیں اٹھایا ہے یا انگریز نے ہمیں میدان میں اتارا ہے یا ملکہ وکٹوریہ نے اس جماعت کو (ظہور بخشا) ہے۔ لیکن ذرا سوچو کہ قرآن وحدیث کو انگریز سے کیا واسطہ؟ قرآن وحدیث تو خالص چیز ہے بھلا اس میں انگریز کیا کر سکتا ہے؟ بلکہ وہ تو ملاوٹ والی چیز میں اپنا ہاتھ ڈال سکتا ہے۔"(براۃ اہل حدیث۔ ص۱۹)(اور پھر آگے لکھا ہے کہ حنفیوں کا مذہب ملاوٹ والا ہے جو مختلف لوگوں کے اقوال پر مبنی ہے)

”اب آیئے میں آپ کو بتاؤں کہ تم پہلے اپنے گھر کی خبر لو کہ تم کہاں سے شروع ہوئے (یعنی تمہاری ابتداء کہاں سے ہوئی؟)۔ میرے دوستو! ”دیوبند“ کو قائم ہوئے سو سال سے زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے۔ ابھی چند سال پہلے انہوں نے اپنا ”سو سالہ جشن“ منایا ہے۔ انگریز کو بھی تقریباً سو سال سے زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہو گا۔ اسی انگریز کے دور سے پہلے کسی کتاب، کسی رسالہ، کسی مضمون میں مجھے دیوبند کا لفظ دکھا دو اور (بطورِ انعام) ایک ہزار روپیہ وصول کر لو۔ کسی بھی کتاب میں سے دیوبندی مذہب دکھاؤ۔ انگریزوں کے وجود سے پہلے کوئی ایک کتاب بھی دکھاؤ جس میں یہ لکھا ہو کہ فلاں آدمی دیوبندی ہے۔“(برأۃِ اہلِ حدیث۔ ص ۲۰)

”نظام مصطفیٰؐ کے نفاذ میں رکاوٹ دینی جماعتوں کے اختلافات ہیں: سراج الحق“(روزنامہ امّت کراچی۔ 2 اپریل 2016)

”مسلمانوں میں فسادات کے ذمہ دار آج کے ملا اور جعلی طالبان ہیں“فضل الرحمان. روزنامہ جنگ لاہور 03 دسمبر 2012

”ہمیں مولانا فضل الرحمان کی شریعت اور انقلاب نہیں چاہئے“منور حسن۔ روزنامہ جنگ 01 اکتوبر 2012

ایک جدید ترین حوالہ بھی پیش خدمت ہے جو ایک شدید معاند احمدیت نے اپنے رسالہ میں جسے چیتھڑا کہنا زیادہ مناسب ہو گا، امت مسلمہ کے عمومی طور پر اور اہلسنت والجماعت المعروف بریلوی علماء کے زوال و پستی کا ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے:

”ان علمائے کرام و صوفیائے عظام نے ملک پاکستان نفاذ اسلام کے لئے بنایا تھا اور اسی کے لئے جانیں دی تھیں مگر افسوس صد افسوس، پاکستان بننے کے فوراً بعد ملک کے حقیقی وارثوں کو کھڈے لائن لگا دیا گیا، نصاب تعلیم سے ان کا کردار کھرچ دیا گیا، دشمن اسلام دشمن پاکستان ظفر اللہ قادیانی کو وزیر کارجہ بنا دیا گیا، ملک دشمن عناصر کے ہاتھوں میں باگڈور تھما دی گئی، لسانیت، صوبائیت، فرقہ واریت تعصب، غربت اور اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے ظالمانہ ہتھکنڈے اپنائے جانے لگے، اسلام پسند افراد پر زندگی تنگ کر دی گئی، نصاب تعلیم سے جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاء کلمۃ الحق کی جگہ یورپین کلچر اور ملالہ ٹائپ اسلام دشمن ڈال دیئے گئے، ٹی وی چینل پر علماء ربانین کی بجائے فرقہ واریت پھیلانے والے قادیانیت نواز حمزہ عباسی جیسے بدکردار بٹھائے گئے، اسلامی شعار کا سرعام مزاق اڑایا جانے لگا، حقوق نسواں کے نام پر طلاق کی شرح بڑھائی جا رہی ہے، جس مقصد کے لئے خطہ حاصل کیا گیا تھا وہ مقصد غازی ممتاز حسین قادری شہید کی شہادت پر ذبح ہو چکا، 1929 میں غازی علم الدین شہید کی شہادت پر یہ سوچ پیدا ہوئی تھی کہ ملک کا نظام کافرانہ ہے اس لیے الگ ملک چاہئے جہاں اسلامی احکامات کا نفاذ ہو، یہود و نصاریٰ کا مسلط کردہ نظام نہ ہو، مگر اسی عطار کے لونڈے سے دوا لے کر قوم پھر تقسیم ہو چکی، قرارداد مقاصد کی روح رو رہی ہے کہ میرے ساتھ کیا ہوا غداران وطن قوم کے حکمران بن چکے، پیران عظام جنہوں نے قوم کو رستہ دکھانا تھا وہ بھی انہی سیاسی پارٹیوں کے گرد محو طواف ہیں، کوئی PPP کے بستر فنا پر دراز ہے تو کوئی ن لیگ کی کشتی عصیاں کا مسافر، کوئی PTI کی خمر آلود زلفوں پہ فریفتہ ہے تو کوئی ایم کیو ایم کو خدائی انتخاب کہہ کر اپنی عاقبت خراب کر رہا ہے، کوئی جماعت اسلامی کی طرف مُلتجائی نگاہوں سے دیکھتا ہے کوئی جمیعت علماء پاکستان کے ٹکڑے کرنے میں فخر محسوس کر رہا ہے ”شتت مثلھم“ کی دعا کرنے والے خود اتنے گروہوں میں بٹ چکے کہ وہ شعر یاد آتا ہے: اتنے حصوں میں بٹ گیا ہوں میں۔۔۔ میرے حصے میں کچھ بچا ہی نہیں۔ نہ جماعت اہلسنت کے پاس کچھ رہا نہ جمیعت کے ٹوٹنے کے بعد نظام مصطفیٰ پارٹی بنانے والوں کے پاس کچھ، بلکہ قیادت پابند سلاسل اور کوئی احتجاجی کاوش و کوشش نہیں، ”روح نورانی سے رجوع سود مند رہے گا“ جن لوگوں نے یہ ملک بنایا تھا جب ان کے وارث اس طرح الجھ چکے ہوں گے تو اغیار سے شکوہ کیا، جو اس ملک کے وجود کے خلاف تھے ان سے کیا گلہ۔ اس تمام تر نازک صورتحال میں 14 اگست کا دن ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ پھر سے سر جوڑ کر بیٹھیں اپنی غلطیاں اور کوتاہیاں تسلیم کریں، عروج سے زوال کے سفر میں جو خامیاں ہوئیں وہ دور کریں۔“(قیام پاکستان میں علماء کا کردار از پروفیسر حافظ غلام محی الدین نقشبندی۔ رسالہ الخاتم اگست 2016 صفحہ 25)

علماء کی بدزبانی علماء کی زبانی

مخالفینِ احمدیت سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سخت کلامی کا الزام لگاتے ہیں لیکن خود ان کا اپنا یہ حال ہے کہ اپنے ہی علماء کے خلاف گالیوں اور سخت الفاظ پر مشتمل زبان استعمال کرتے ہیں اور اسے دین کی خدمت گردانتے ہیں۔ ذیل میں ملاحظہ فرمایئے چند حوالہ جات بمصداق مشتے از نمونہ خروارے!

ایک دیوبندی عالم، محمود عالم صفدر صاحب اوکاڑوی، کی کتاب ''انواراتِ صفدر'' میں غیر مقلد علماء کو گدھے، کتے، خنزیر، کیڑے، بے غیرت اور حرام زادہ کہا گیا ہے۔

چھوٹا گدھا بڑا گدھا

''نماز باجماعت میں امام کی تابعداری کے بارہ میں بہت تاکید آئی ہے اور امام مسجد کی تابعداری کی بجائے مخالفت کرنے والا چھوٹا گدھا اور امام اعظم کی مخالفت کرنے والا بڑا گدھا۔ اور امام کی مخالفت کرنے والے غیر مقلد کو گدھا، کتا، خنزیر تک کہا گیا ہے۔ ہاں اتنا فرق ہو گا کہ ایک مسجد کے امام کی مخالفت کرنے والا چھوٹا گدھا ہو گا اور امام اعظم کی مخالفت کرنے والا بڑا گدھا ہو گا۔''(صفحہ 23)

کیڑے

''الحاد کی مثال کیڑوں کی سی ہے جو فصل کو تباہ اور خراب کرتے ہیں۔ کوئی کیڑا پھلوں کو، کوئی ٹہنیوں کو، کوئی جڑوں کو خراب کرتا ہے۔ کسی کیڑے کا نام مودودی ہے، کسی کا نام طاہر القادری ہے، کسی کا نام کیپٹن عثمانی ہے اور کسی کا نام اشاعت التوحید والسنّت ہے۔ یہ لوگ دین کے ثابت شدہ مسائل کا انکار کرتے ہیں۔ کسی نے فقہ کا انکار کر دیا، کسی نے حدیث کا انکار کر دیا، کسی نے معراج کا انکار کر دیا اور کسی نے حیاۃ النبی ﷺ کا انکار کر دیا۔''(صفحہ 25)

بے غیرت۔ حرام زادہ

''یحییٰ بن معین دس لاکھ احادیث کے حافظ تھے اور حنفی تھے غیر مقلد نہیں تھے امام محمد کے شاگرد تھے اور امام بخاری کے استاد تھے۔ غیر مقلد ایسے بے غیرت ہیں کہ بخاری، بخاری تو کہتے ہیں لیکن بخاری کے استاد کو نہیں مانتے جو اپنے دادا کو نہ مانے وہ حرام زادہ ہوتا ہے۔''(صفحہ 40)

غیر مقلدوں کا کام بھونکنا

''غیر مقلد پورے دین کے دشمن ہیں کیونکہ ان کے دو ہی کام ہیں یا فقہاء کو بھونکنا یا صوفیاء کو۔''(صفحہ 42)

ایک اہلحدیث عالم، حکیم محمود احمد صاحب نے ''علمائے دیوبند کا ماضی (تاریخ کے آئینے میں)'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جسے ادارہ نشر التوحید والسنۃ لاہور نے جولائی 2003ء میں شائع کیا۔ اس کتاب میں دیوبندی علماء کی انگریز حکومت سے وفاداری، نام نہاد جہاد، فرقہ واریت اور عقیدہ ختم نبوت کے متعلق حوالہ جات کے ساتھ ساتھ ان کی غیر اخلاقی اور سوقیانہ زبان کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ صفحہ 345 سے لے کر 349 تک ایک دیوبندی عالم مولانا عبد الحق صاحب کی علمائے اہلحدیث کے متعلق غیر اخلاقی زبان کا نمونہ زیر عنوان ''مولانا عبد الحق صاحب کی اصلی نسلی اور مادری زبان جو انہوں نے ہم عقیدت مندوں کے لیے استعمال کی ہے'' نقل کرنے کے بعد صفحہ 349,350 پر مصنف لکھتے ہیں:

اصلی، نسلی اور مادری زبان

"یہ رسیلی زبان ماشاء اللہ آپ کی اصلی اور نسلی زبان ہے اور مولانا سرفراز صاحب کی تربیت نے اس کو چار چاند لگا دیئے ہیں اور مولانا اپنے اس بچے کی رس بھری زبان پر جتنا بھی ناز کریں تھوڑا ہے مولانا صاحب کے پاس جو بھی بیٹھ گیا اس کی فطرت بدل گئی انسانوں کے زمرے سے نکال کر اسے نیش عقرب عنایت فرما دیتے ہیں یہ دیکھو بھولا بھالا حبیب اللہ ڈیروی کتنی بھولی بھالی صورت منہ میں زبان نہیں اب آپ ان کی کتاب نور الصباح اٹھا کر دیکھیں کسی اہلحدیث کا نام عزت سے نہیں لیا یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی اجڈ گنوار ہے جسے تمیز تک نہیں۔ چلو ہماری تو کوئی بات نہیں مگر اس جناب نے امام بخاریؒ اور امام ابن حجرؒ تک کو نہیں بخشا اور وہ زبان استعمال کی ہے کہ الامان والحفیظ۔ مولانا کے شاگردان گرامی قدر نے ایک رسالہ غیر مقلدین کے ڈھول کا پول لکھا جس کے مصنف ملک اعوان جانباز اور نصر اللہ راشد ہیں۔ اس رسالہ کی اخلاقی سطح کا اندازہ کرنے کے لئے صرف ایک حوالہ کافی ہے۔ مڈیالہ تیگہ کے اہلحدیث عالم نے کہا کہ فاتحہ نہ پڑھنا ثابت کرنے والے کو منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ مولانا جانباز صاحب فرماتے ہیں منہ مانگے انعام میں بہت کچھ آجاتا ہے اس لیے اپنے قریبی ہم سفر سے مشورہ کر لیں کہیں انعام دے کر پچھتانا نہ پڑے، جب علماء کی اخلاقی سطح اس قدر پست ہو جائے تو پھر ایسے داعیانِ اسلام کی وجہ سے اسلام سے نفرت کا سبب تو بن سکتے ہیں اور اسلام کو نقصان تو پہنچ سکتا ہے فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔"

اس کے بعد صفحہ 352 پر حکیم محمود احمد صاحب ایک اور دیوبندی عالم مولانا احمد علی صاحب کی اپنے طالبعلموں اور ساتھیوں سے نہایت گندی اور بازاری زبان کے چند نمونے بیان کرنے کے بعد، جسے یہاں نقل کیا اشارۃً بھی بیان نہیں کیا جا سکتا، لکھتے ہیں:

خاتم المکلبین

"مولانا غیر مقلد بیچارے کیا گستاخی کریں گے آپ مقلدین کی شرافت کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔ مولوی محمد حسن سنبھلی جو مولانا قاسم نانوتوی کے شاگرد تھے فوائد حاشیہ شرح عقائد میں گل افشانی فرماتے ہیں: یہ ٹولہ (اہلحدیث) باغی حرام کمائی کرنے والا قنوجی خدا کا جسم ماننے والا فرعون کی امت سے ہے، خدا کو مخلوق سے تشبیہ دینے والا اپنی عورتوں کی زنا کی کمائی کھانے والا بدعات کا پاد مارنے والا کبھی آواز اور کبھی بغیر آواز کے ساتھ اور اماموں کی شان میں بدزبانی کرنے والے (صفحہ 141) اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے: اس ملت وہابیہ کے چار خلفاء ابن تیمیہؒ ابن قیمؒ اور شوکانیؒ بمصداق تین چوتھا ان کا کتا ہے اور جب ابن حزم اور داؤد ظاہری کو ساتھ ملایا جائے تو چھ ہو جاتے ہیں اور بمصداق قرآن پانچ چھٹا ان کا کتا غیب کی اٹکلیں لگاتے ہیں اور خاتم المکلبین کی مثال کی طرح ہے اس پر وزن ڈالو تو بھی ہانپتا ہے اور نہ ڈالو پھر بھی ہانپتا ہے۔ (صہ 102)"

ایک اور اہلحدیث عالم، ارشاد الحق اثری صاحب، اپنی کتاب "تنقیح الکلام" میں صفحہ 19 پر ایک دیوبندی عالم کی بدزبانی کا ذکر کرتے ہیں۔

گالیوں کا پلندہ

"حال ہی میں مولانا صفدر صاحب کے تلمیذ رشید جناب مولانا حبیب اللہ ڈیروی شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم فقیر والی کی کتاب "توضیح الکلام پر ایک نظر" طبع ہوئی۔ کتاب کیا ہے؟ گالیوں کا پلندہ، بدتمیزی کا شاہکار اور غیظ و غضب کا اظہار۔ ذرا جناب شیخ الحدیث صاحب کی زبان ملاحظہ ہو۔ "بدبخت اثری، کاش ظالم انسان تجھے ماں نے نہ جنا ہوتا" (ایک نظر: ص 203)۔۔ تمھیں شرم و حیا کرنا چاہیے، پانی میں ڈوب مرنا چاہیے (ص۔222)۔۔ محرفین و خائنین و خادعین و غالین (ص 191)۔۔ میاں مٹھو چبل چبل (ص 163)"

جماعت احمدیہ کے ایک اشد مخالف مولوی انور شاہ کشمیری کی فارسی زبان میں لکھی گئی کتاب "خاتم النبیین" کا ترجمہ و تشریح کرتے ہوئے مقدمہ میں مولوی یوسف لدھیانوی انور شاہ کشمیری کی بانیٔ جماعت احمدیہ کے خلاف نفرت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ وہ اُن کا نام لیتے ہوئے گالیاں دیا کرتا تھا اور ان گالیوں کا جواز ان الفاظ میں دیا کرتا تھا:

گالیوں کا جواز

"فرماتے تھے کہ "لوگ کہیں گے کہ یہ گالیاں دیتا ہے فرمایا کہ ہم اپنی نسل کے سامنے اپنے اندرونی درد دل کا اظہار کیسے کریں، ہم اس طرح قلبی نفرت اور غیظ و غضب کے اظہار کرنے پر مجبور ہیں۔ ورنہ محض تردید و تنقید سے لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ تو علمی اختلافات ہیں جو پہلے سے چلے آتے ہیں۔" (صفحہ 24)

استاد جامعہ بنوریہ و ناظم شعبۂ تصنیف و تالیف، مولانا محمد اسلم شیخوپوری صاحب اپنی تالیف "ندائے منبر و محراب" (ناشر صدف پبلشرز، کراچی تاریخ اشاعت جنوری 2005ء) جلد اوّل، صفحہ 13 پر اپنے خطباء کا لب و لہجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خطباء کا لب و لہجہ

"ہمارے عام خطباء کا لب و لہجہ اب بھی وہی ہے جو کچھ عرصہ پیشتر متحدہ ہندوستان میں رواج پا گیا تھا۔ چند رٹی رٹائی حکایات ہیں، کچھ منتخب لطائف ہیں، مخالفوں پر ننگی تنقید اور واضح سبّ و شتم ہے۔ موضوع میں نہ ربط ہے نہ تسلسل، تقریر میں نہ یکسانیت ہے نہ ہم آہنگی۔ اور تعجب اس پر ہے کہ ایسے خطباء کو مسلسل سُن سُن کر عوام کا مزاج ایسا بگڑ گیا ہے کہ وہ اس انداز کے عادی ہوگئے ہیں۔ اور عوامی سطح پر ایسے خطباء کو پسند کیا جاتا ہے جن کی آواز پُرکشش ہو، جو قہقہے لگوائیں، جو کیچڑ اچھالنے میں ماہر ہوں۔ جو کسی مخالف پر کفر سے کم فتویٰ نہ لگاتے ہوں، جو نقالی اور ایکٹنگ پر یدِ طولیٰ رکھتے ہوں۔'

صحافیوں کے علماء کے بارے میں تاثرات

شورش کاشمیری

"حکیم محمد اجمل خان نے ندوہ کے سالانہ اجلاس کے صدارتی خطبے (1910ء) میں بیان کیا کہ "ابتدائے اسلام سے غدر 1857ء تک جس قدر تکفیر کے فتوے لکھے گئے۔ اگر انہیں ایک جلد میں جمع کیا جائے تو ہرگز اس جلد کی ضخامت اس جلد کے برابر نہ اُٹھے گی جو 1857ء سے لے کر آج تک کفر کے فتووں کو جمع کیا جائے تو مدون ہو۔" (حیات اجمل صفحہ 80) انگریزی اقتدار نے ان فتووں کی نیو اٹھا کر کماحقہٗ فائدہ اٹھایا۔ شیعہ سنّی مسئلہ مستقلاً باہمی فساد کا موجب ہو گیا۔ مقلد و غیر مقلد میں چھڑ گئی جو فرقے اقلیت میں تھے یا حکومت کے فرستادہ تھے وہ انگریزی سرکار کی پناہ لے کر مسلمانوں میں تفریق کا باعث ہوئے ان کے لئے انگریزی حکومت نعمت غیر مترقبہ تھی۔ رفتہ رفتہ یہ مرض متعدی ہو گیا یوپی کے تعلقدار پنجاب کے زمیندار، سرحد کے خوانین، سندھ کے وڈیرے اور بلوچستان کے تمندار انگریزوں کے دست و بازو ہو گئے۔ ان کے علاوہ علی گڑھ کا سیاسی مذاق جو انگریز پرنسپلوں کی بدولت پروان چڑھا، انگریزی سرکار کا معاون ہو گیا۔ آغا خان برطانیہ کے وفادار تھے مولانا احمد رضا خان نے عقائد کی آڑ میں دیوبند کی چھاڑ کی۔ ان کی جماعت نے ہر اس تحریک کے خلاف فتوے صادر کئے جو انگریزوں کے خلاف عدم تعاون یا ترک موالات وغیرہ کی شکل میں اٹھی، مرزا غلام احمد نے نبوت کا عمامہ باندھ کر جہاد منسوخ کر ڈالا، ان کے علاوہ اکثر مشائخ اور پیروں نے اپنے علم و عمل اور قول و فعل کی پوری کائنات انگریزوں کی جھولی میں ڈال دی اور انہی کے ہو گئے انگریزیوں کی اسی خواہش کا کرشمہ چکڑالوی فرقہ تھا" (ابو الکلام آزاد سوانح و افکار مصنف شورش کاشمیری صفحہ 118)

”تحریک پاکستان سے پہلے سرکاری آفیسر شاذ ونادر ہی مسلمانوں کی ملّی و قومی تحریکوں کے کام آتے تھے، ان میں حمیّت کا جذبہ ہی نہ تھا، مثلاً: مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ ہی کا سوتیلا بھائی مظہر علی تھانوی پولیس میں تھا، اس نے شیخ الہند مولانا محمود الحسن علیہ الرحمۃ کے ساتھ جو سلوک کیا انتہائی شرمناک تھا۔ حضرت مدنیؒ لکھتے ہیں کہ وہ اپنے انگریز افسروں سے بھی زیادہ سنگدل اور سخت گیر تھا۔“ (شورش کاشمیری۔ بوئے گل نالہ دل دود چراغ محفل جلد اول، صفحہ 357)

”دوسری چیز جو میرے نزدیک جماعت احرار کی ویرانی کا باعث ہوئی اور جس کا علم سب سے پہلے مجھی کو ہوا وہ روپیہ تھا جو مظہر علی نے کانگرس اور یونینسٹ پارٹی سے وصول کیا اور اپنے گھر میں رکھا تھا۔ مولانا داؤد غزنوی اوّلاً دس ہزار روپے کی پہلی قسط لے کر دفتر احرار میں آئے تو اس وقت مظہر علی کے پاس صرف میں تھا۔ مجھے کہا ذرا نیچے چائے کے لئے کہہ آؤ۔ میں نیچے گیا، مولانا نے دس ہزار کے نوٹ غڑپ سے جیب میں ڈال لئے۔ میں ابھی لوٹا نہیں تھا کہ مولانا داؤد غزنوی مسکراتے ہوئے نیچے آ گئے۔ میں نے کہا مولانا چائے آ رہی ہے۔ کہنے لگے: ”چائے پی اور پلا آیا ہوں“، پچاس ہزار کی دوسری قسط (تفصیل آئندہ صفحوں میں آئے گی) مولانا نے لالہ بھیم سین سچر کی معرفت وصول کی، یونینسٹ پارٹی کا روپیہ اس کے علاوہ تھا۔۔۔ مظہر علی نے جہاں سے جو کچھ لیا تھا میں نے اس کی تفصیلات پہلے ہی قاضی احسان احمد کو بتا دی تھیں، وہ پھوٹ پھوٹ کر روتے رہے، پھر مولوی غلام غوث کو آگاہ کیا انہیں تعجب ہوا کہنے لگے ثابت کر سکو گے؟ میں نے کہا ضرور۔ فرمایا نہ ہو سکا تو پھر؟ میں نے کہا تو مجھے جماعت سے نکال دیجئے گا۔ مولانا حبیب الرحمٰن کانگرس کی رقم کے رازدار اور حصہ دار تھے۔ انہوں نے ٹالنا چاہا مگر شورش برپا ہو چکی تھی۔ میں نے استغاثہ شروع کیا، ”کانگرس سے مولانا نے ساٹھ ہزار روپیہ لیا، دس ہزار کی پہلی قسط اور پچاس ہزار کی دوسری قسط۔ پہلی قسط مولانا داؤد غزنوی نے دفتر احرار میں دی تھی، دوسری قسط لالہ بھیم سین سچر کی معرفت آئی، صاحبزادہ فیض الحسن اس رقم میں سے اپنا حصہ لے چکے تھے اس لیے معاملہ ٹھپ کرنا چاہتے تھے۔۔۔ شاہ جی [سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب] یہ کتھا سنتے ہی ڈھائیں مار مار کر رونے لگے، مظہر علی تم نے ہمیں ڈبو دیا، مجھے نیلام کر دیا، احرار کی رہی سہی گنوا دی“ (ایضًا۔ صفحہ 343,344)

احرار کی سیاست۔ جو حساب مانگے وہ چندہ نہ دے

جماعت احمدیہ کے افراد قرآن وسنّت کی پیروی میں اس یقینِ کامل کے ساتھ اشاعتِ دینِ اسلام کے لئے سوا سو سال سے مالی قربانی کرتے چلے آ رہے ہیں کہ ان کا دیا ہوا مال اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ ہو رہا ہے۔ لیکن مخالفین اس کے باوجود جماعت احمدیہ کو مال بٹورنے والی جماعت کہتے ہیں۔ اب دیکھیں کہ خود ان کا اپنا یہ حال ہے کہ لوگوں سے چندے مانگتے ہوئے رسید تک نہیں دیتے اور حساب مانگنے والے کو الٹا جواب دیتے ہیں۔

”ہمارے ہاں اور دنیا بھر میں سیاسی جماعتیں چندوں پر چلتی ہیں مگر ان چندوں کا حساب رکھا جاتا ہے کیونکہ یہ قوم کی امانت ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں کسی نے مجلس احرار کے جلسے میں چندے کی اپیل پر یہ پوچھا کہ پچھلا چندہ کہاں گیا تو سٹیج سے احرار لیڈر شیخ حسام الدین نے جواب دیا کہ جو حساب مانگے وہ چندہ نہ دے۔“ (کالم ”غیر سیاسی باتیں“ از عبد القادر حسن۔ روزنامہ ایکسپریس 16 جون 2012ء)

جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی کو ناکام بنانے کی غرض سے عالمی مجلس تحفّظِ ختم نبوت قائم کی گئی اور سادہ لوح مسلمانوں سے ختم نبوّت کے نام پر چندے بٹور کر یورپ اور امریکہ کی سیریں کی گئیں۔ ثبوت کے طور پر ملاحظہ فرمائیں روزنامہ نوائے وقت میں شائع ہونے والی یہ خبر:

ربوہ کی ڈائری

”ربوہ اور چنیوٹ قادیانیوں کی ارتدادی سرگرمیوں کا مرکز بن گئے۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلانے والی قوتیں انتشار کا شکار ہو گئیں۔ مولانا منظور چنیوٹی کے بعض ہمنوا ان کی بدنامی کا باعث ہیں

(تحریر پرواز چودھری نمائندہ نوائے وقت) ربوہ اور چنیوٹ کے گردونواہ میں قادیانی مسلمانوں کو روز بروز ارتداد میں پھنسا کر اپنے گھناؤنے منصوبہ کو تقویت پہنچارہے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دلوانے والی قوتیں آپس کے فروعی اختلافات کے بھنور میں پھنس کر زوال کی طرف بڑھ رہی ہیں۔۔۔۔ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دلوانے والی مذہبی قوت خود فرقہ وارانہ انتشار کا شکار ہے۔ ختم نبوت کے پلیٹ فارم پر کام کرنے والے علماء کرام بیرون ممالک دوروں اور کانفرنسوں میں مصروف ہیں۔ بعض ایمان فروش اور مفاد پرست مسلمانوں نے قادیانیت کے نام کو اپنا کاروبار بنا رکھا ہے جس سے اپنے پیٹ کا دوزخ بھرتے ہیں اور کئی لوگوں نے تو قادیانیوں سے اپنے تعلقات استوار کر رکھے ہیں وہ ہر خوشی اور غم میں قادیانیوں سے کھلم کھلا مراسم رکھتے ہیں۔۔۔۔ جبکہ ہمارے علماء دنیاہ و جاہ و حشمت کیلئے مسئلہ ختم نبوت کے تحفظ کیلئے اب ڈیڑھ اینٹ کی تنظیمیں استوار کرلی ہیں اور قادیانیوں کے تعاقب میں لندن امریکہ اور ہانگ کانگ کے دورے کرنے کا ڈھونگ رچا رکھا ہے مگر اندرون پاکستان بالخصوص ربوہ اور گردونواح کے دیہاتوں میں دورہ کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ جب اس سلسلہ میں نمائندہ نوائے وقت نے شیخ شہزادہ یوسف وہرہ سے گفتگو کی تو انہوں نے انکشاف کیا کہ ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ اس وقت مولانا منظور احمد چنیوٹی کے اکثر ہمنواؤں نے قادیانیوں سے ہر قسم کے تعلقات استوار کر رکھے ہیں اور مولانا کی بدنامی کا باعث بن رہے ہیں۔۔۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور 27 جنوری 1996)

ہارون الرشید۔ کالم نگار

"عالم اسلام کی موجودہ قیادت؟ اہل اخلاص کے سوا وہ پوری کی پوری قبر میں اترنے والی ہے۔ جعلی سیاسی لیڈر، خود پسند دانشور، ریاکار مولوی، سب کے سب۔ عالم اسلام فنا کے گھاٹ اترے گا یا اسے نئی قیادت نصیب ہو گی۔" (جہان نو۔ روزنامہ جنگ، لاہور، 26 مارچ، 2003ء)

"لاہور کے ہوائی اڈے پر مفتی منیب الرحمٰن صاحب سے اتفاقاً ملاقات ہوئی۔ فرمایا: پولیس کی حراست میں جان ہار دینے والے طارق محبوب کے بارے میں آپ کی اطلاع درست نہیں کہ بھتہ وصول کیا کرتا یا کرائے کا قاتل تھا۔ مفتی صاحب! میں نے تصدیق کرلی ہے۔ میری معلومات درست تھیں۔ مزید یہ ہے کہ سنی اتحاد کونسل کے دو معززین باپ بیٹا، 67 سالہ مفتی اقبال اور صاحبزادے اطہر رضا گرفتار ہو چکے۔ وہ بھی بھتہ خور ہیں۔ صرف ایک ادارے، سپنا بیوٹی پارلے سے، جس کی بہت سی شاخیں ہیں، مبینہ طور پر 87 لاکھ روپے وصول کئے۔" ہارون الرشید۔ کالم ناتمام۔ 30 اپریل 2015)

برطانوی مسلمان مولویوں سے تنگ!

"قارئین، آپ اندازہ نہیں کرسکتے کہ برطانیہ میں مقیم پاکستانی نژاد برطانوی مسلمان ان مولویوں سے کتنے تنگ ہیں۔ مولویوں نے نہ صرف برطانوی مسلمانوں کو گروہ در گروہ تقسیم کر دیا ہے بلکہ انہیں مسلک اور برادری کے شکنجے میں بھی جکڑ رکھا ہے۔ اب وہاں کسی بھی مسجد کا امام اور خطیب مقرر کرنے سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ اُس کا تعلق کس برادری اور کس مسلک سے ہے۔ نرم سے نرم الفاظ میں اسے ظلم ہی کہا جائے گا۔ لندن کی آزاد فضا نے بے زبان لوٹوں کو زبان عطا کر دی ہے۔ اب یہ خود بھی متصادم ہیں اور دیگر کو بھی تصادم کی راہ پر ڈال رہے ہیں۔" (کالم "تعاقب" از تنویر قیصر شاہد۔ روزنامہ ایکسپریس اپریل 22,2010ء)

علماء کی خرید

"مدتوں سرکار کی نوکری سے مجھے یہ بھی علم ہے کہ کس طرح ہر فرقے سے علماء کو خریدا جاتا ہے اور پھر ان کو باہم دست و گریباں کیا جاتا ہے۔" (کالم "حرفِ راز" از اوریا مقبول جان روزنامہ ایکسپریس ستمبر 242011)

منبر و محراب معاشرے کی اصلاح میں ناکام رہے۔''عوام کی عدالت'' میں اکثریتی رائے

''جو نیوز پر ''عوام کی عدالت'' میں ۷۲ فیصد حاضرین نے منبر و محراب کو معاشرے کی اصلاح میں ناکام قرار دیا۔ ۲۸ فیصد حاضرین ان کے حق میں رہے۔ حاضرین کی رائے تھی کہ منبر و محراب محبت کا پیغام دینے اور اتحاد قائم کرنے کی بجائے فرقہ وارانہ تشدد کا باعث بن رہا ہے۔ انبیاء کی وراثت محراب و منبر درس انسانیت کی بجائے ذاتی مفادات کی ایجنڈے کا شکار ہو چکا ہے۔۔۔ مرکزی سیکرٹری جنرل تحریک فیضان اولیاء سید ہارون علی گیلانی نے کہا منبر و محراب انبیاء کی وراثت ہے۔ عقائد کی تعلیم کے ساتھ ساتھ درس انسانیت اس کا بنیادی فرض تھا لیکن بدقسمتی سے ہمارا منبر و محراب ذاتی مفاد کا شکار ہو چکا ہے۔ جب ملت اسلامیہ پر تاتاری حملے کر رہے تھے تو ہمارا منبر ایک دوسرے کو کافر قرار دینے کی بحث میں الجھا ہوا تھا اور آج مغربی استعمار ہم پر حملہ آور ہے اور ہم صرف کفر کے فتوؤں میں الجھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا منبر کی اصل ذمہ داری محبت پھیلانا ہے۔ صوفی بزرگ حضرت میاں میر نے اپنے مذہب کے اندر رہتے ہوئے غیر مذہب یعنی سکھ گوردوارے کا سنگ بنیاد رکھ کر انسانیت سے محبت کی درخشاں مثال قائم کی۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہمارا منبر اسی طرح نفرت انگیز سرگرمیوں میں ملوث رہا تو یہاں پر سیکولرازم پروان چڑھنا شروع کر دے گا۔ اگر منبر و محراب نے معاشرے کی اصلاح جیسی بنیادی ذمہ داری ادا کی ہوتی تو آج انہیں حکومتیں چلانے کا موقع ملتا اور لوگ منبر کو اپنا ووٹ ڈالتے۔۔۔ علامہ طاہر اشرفی نے کہا کہ جب ہماری مسجد کچی ہوتی تھی تو قیصر و کسریٰ کے محلات کو ہلا دیتی تھی۔ مگر جب مسجد سے سیاست اور فرقہ وارانہ تشدد کی آوازیں بلند ہوئیں اور جب ہمارے خطیب نے شاہ ولی اللہ اور علی ہجویری جیسے بزرگان کے افکار کو چھوڑ کر اپنے ذاتی ایجنڈے کو اختیار کر لیا تو پھر ہر مسلک کے اندر کئی گروہ بن گئے۔ مجھے پاکستان کے مذہبی طبقے کے اندر رسول کا پرچم نظر نہیں آرہا۔ ہر طرف کسی ملا، پیر، فقیر کا پرچم دکھائی دیتا ہے۔ (روزنامہ جنگ ۴ اپریل ۲۰۱۱ء)

''لیکن میرے ملک میں یہ سب علماء دست و گریبان ہیں۔ اس مملکت کے آغاز میں یہ سب متحد تھے۔ قرارداد مقاصد کی جدوجہد کے وقت ان تمام فرقوں کے علماء نے شریعت کے نفاذ کے لئے بائیس نکاتی ایجنڈا دیا تھا، جس پر سب متفق تھے۔ کیا آج کوئی یقین کرے گا۔ لیکن پھر میرے ملک کے یہ علماء جس طرح سیاسی قیادتوں اور مفادات کے ہاتھ میں کھلونا بنے اس کی کہانی بہت اذیت ناک ہے۔ ان کے چہرے ٹیلی ویژن سکرینوں اور عمومی محفلوں میں اور طرح کے ہیں اور نجی گفتگو میں ان کا زور بیان دوسرے فرقے کی رد اور تردید میں صرف ہوتا ہے۔ یوٹیوب پر ان کی گفتگو پر مبنی حصے دیکھ لئے جائیں تو ابکائی آنے لگتی ہے۔ مجھے دکھ سے لکھنا پڑ رہا ہے کہ جب جامعہ حفصہ کی معصوم بچیوں کا قتل عام ہو رہا تھا تو میرا میل باکس اور خطوط دوسرے فرقوں کی خوش کن اور طنزیہ نعروں کی کہانیاں سناتے رہے۔ اسی طرح جب کسی امام بارگاہ میں دھماکے ہوتے تو مرنے والوں پر طنز کرنے والوں کے خطوط اور ای میلز بھی آج تک مرے پاس محفوظ ہیں۔ یہ نفرت کا بیج اتنا گہرا بویا گیا ہے کہ عام آدمی جو ان علماء کی تقریروں سے متاثر ہوتا ہے وہ اسے ایمان کا جزو سمجھ لیتا ہے۔ مدتوں سرکار کی نوکری سے مجھے یہ بھی علم ہے کہ کس طرح ہر فرقے سے علماء کو خریدا جاتا ہے اور پھر ان کو باہم دست و گریبان کیا جاتا ہے۔ یہ سب میں اس لئے لکھ رہا ہوں کہ اس مملکت خداداد پاکستان میں سب سے بڑی ذمہ داری ان علمائے کرام کی تھی کیونکہ یہ ملک نسل، رنگ یا زبان کی بنیاد پر نہیں بلکہ عقیدے کی بنیاد پر بنا تھا۔ اس کے وارث اور امین تو علماء نے ہونا تھا اس لئے اگر اس ملک پر آفت اور عذاب ٹوٹتا ہے، تباہی آتی ہے تو کل کو روزِ حشر سب سے زیادہ جواب دہ بھی آپ لوگ ہوں گے۔'' (روزنامہ ایکسپریس۔ حرفِ راز۔ اوریا مقبول جان۔ ۲۴ ستمبر ۲۰۱۱)

''سچ تو یہ ہے کہ جماعت اسلامی جو کبھی مزاحمت کی علامت تھی، اب شکست کی علامت بنتی جا رہی ہے۔ نظریاتی کام دور کہیں پیچھے رہ گیا ہے اور وقتی سیاست کی ہنگامہ خیزیاں اپنی بے پناہ مصلحتوں سمیت ہر چیز پر حاوی ہو گئی ہیں۔ نظام کا حصہ بن کر نظام بدلنے کی کوشش میں جماعت نے منہ کی کھائی ہے مگر تاحال حکمت عملی بدلنے پر تیار نہیں۔ بار بار اسی سوراخ سے ڈسی جاتی ہے اور بار بار اسی سوراخ کا رخ کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستانی سیاست کے تقاضے جماعت اسلامی کی نظریاتی فکر سے متصادم ہیں۔ ایک طاغوتی نظام ہے اور دوسرا اسلامی نظریۂ حیات ہے۔ دونوں میں پیوند لگانا ممکن ہی نہیں۔ نہ کوئی ایسا توازن قائم کیا جا سکتا ہے کہ خدا اور صنم دونوں سے آشنائی ہو جائے۔ جماعت کو کوئی ایک چیز چھوڑنی ہو گی۔ اقبال نے کہا تھا کہ ابلیس کے فرزند ہیں یہ اہل سیاست اور جماعت انہی ابلیس کے فرزندوں

کے آگے ہاتھ جوڑ کر سیاسی اتحاد کی کوششیں کرتی نظر آتی ہے یا ان کے شانہ بشانہ کھڑی ہو کر پنجوں کے بل اٹھ اٹھ کر اپنا قد بڑھانے کی کوشش کرتی ہے۔ اگر سیاست ہی کرنی ہے تو ویسے کریں جیسا کہ سیاست کا تقاضا ہے اور اسلام کے لئے کام کرنا ہے تو ویسے کریں جیسا کہ اس کا تقاضہ ہے۔ موجودہ انتخابی نظام کے ذریعے اقتدار میں آنے کی کوششیں گزشتہ 40,50 برس میں بری طرح ناکام ہو چکی ہیں اور ایسی ہر ناکامی جماعت کے نظریاتی اور فکری تشخص کو مزید کمزور کرنے کا باعث بنتی ہے لیکن اس کی کسی کو پرواہ نہیں۔۔۔ اس وقت حال یہ ہے کہ سرسری اور سطحی سیاسی بیانات کے سوا جماعت کے کھیسے سے کچھ برآمد نہیں ہوتا۔ وہ جماعت جو سوچ سمجھ کر، ناپ تول کر اور پوری تحقیق کے بعد بولنے کی شہرت رکھتی تھی اب سڑک چھاپ سیاستدانوں کی تقلید میں بے موقع اور بے محل بیانات دینے پر آگئی ہے۔ جماعت کے دعوتی پروگرام بھی صرف کارکنوں تک محدود ہو گئے ہیں۔ نیا خون بالکل نہیں آرہا۔ جو آرہا ہے وہ جماعت ہی کے کارکنوں کے بچے ہیں۔ اس طرح ایک انقلابی تحریک فیملی ٹرسٹ بنتی جارہی ہے۔۔۔ جماعت اسلامی کی قیادت نے اپنے اردگرد رونما ہونے والے واقعات میں تیرتے کئی مواقع ضائع کر دیئے، کیونکہ وہ ذہنی طور پر اتنے تیز ہوشیار اور جارح نہیں تھے۔ وہ برسوں سے مدافعانہ جنگ لڑ رہے ہیں، بلکہ اب تو وہ بھی نہیں لڑ رہے۔ وہ تھک چکے ہیں، جامد ہو گئے ہیں۔۔۔ نئے خون کی شمولیت میں ناکامی جماعت اسلامی کی پسپائی کا ایک بڑا سبب ہے اور نیا خون دو وجوہات کی بنا پر نہیں آتا۔ ایک تو یہ کہ جماعت کے اندر ایسی کوئی کشش یا ترغیب نہیں ہے جو نوجوانوں کو مائل کر سکے اور دوسرے یہ کہ نوجوان اس جماعت کے بارے میں روشن امکانات نہیں دیکھتے۔ انہیں امید نہیں کہ جماعت اسلامی موجودہ اسٹیٹس، قیادت اور سوچ کے ساتھ کوئی مثبت تبدیلی لا سکتی ہے۔ پھر عمران خان کی ماتحتی نے تو جماعت کے حوالے سے کسی رہنمارول کا تصور ہی چھین لیا ہے۔ نوجوان اسے تحریک انصاف کی ذیلی تنظیم سے زیادہ کا درجہ دینے کو تیار نہیں۔ اس طرح اقتدار کی وقتی سیاست کو ترجیح دے کر جماعت نے نظریاتی رہنمائی کا منصب گنوا دیا ہے۔ سو جماعت کی قیادت نے نیچے سے اوپر تک اگر نئے لوگوں کے لیے جگہ خالی نہیں کی اور پالیسی نہیں بدلی تو پھر پوری جماعت کو کسی اور پارٹی کے لیے جگہ خالی کرنی پڑے گی۔" (وقائع نگار خصوصی۔ روزنامہ امّت کراچی۔ 24 جون 2016ء)

"اللہ گواہ ہے کہ میں نے جتنا بغض جے یو آئی والوں کے دلوں میں جماعت اسلامی کے لئے دیکھا ہے، وہ پیپلز پارٹی یا مسلم لیگ (ن) وغیرہ کے لئے کبھی نہیں دیکھا۔ اسی طرح جس طرح جماعت اسلامی والے جو نفرت جے یو آئی والوں سے کرتے ہیں وہ کسی سیکولر پارٹی سے نہیں کرتے۔ خلوتوں میں جو کچھ دیوبندی، بریلویوں کے بارے میں کہتے ہیں اور جو بریلوی دیوبندیوں کے بارے میں کہتے ہیں، وہ ناقابل بیان ہے۔ رہے شیعہ اور سنی فرقہ پرست تو ان کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔ لال مسجد کے سانحہ سے قبل میں نے دو بڑی مذہبی جماعتوں کے سربراہوں سے بات کر کے مسئلے کے حل میں کردار ادا کرنے کو کہا تو انہوں نے لال مسجد والوں کے بارے میں جو زبان استعمال کی، وہ میں تحریر میں نہیں لا سکتا۔ مجھے لگا کہ ان کی خواہش ہے کہ ان کے خلاف کارروائی ہو لیکن جب کارروائی ہوئی تو انہوں نے ایسا ماتم شروع کیا کہ جو اب تک جاری ہے۔ اسی طرح اب بریلویوں کے دھرنے کے موقع پر جہاں اس کے شرکاء دیوبندیوں کو طنز و تشنیع کا نشانہ بنا رہے تھے، وہاں بعض دیوبندیوں سیاستدانوں کی بھی دلی خواہش تھی کہ ان کے ساتھ دو دو ہاتھ کئے جائیں لیکن تماشہ یہ ہے کہ ٹریڈ یونین کی طرح یہ لوگ کبھی منصورہ میں اور کبھی مولانا فضل الرحمان کی دعوت پر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ ہم جیسے گنہگاروں کی صف میں سے کسی کے منہ سے غلطی سے کوئی لفظ نکل جائے تو یہ لوگ جینا حرام کر دیتے ہیں لیکن اپنی صف میں کوئی کچھ بھی کرے یہ ان کے ساتھ کھڑے رہتے ہیں۔۔۔ اگر یہی صورتحال رہی تو آنے والی نسل مذہب کے نام پر سیاست کو استحصال سمجھ کر رد کر دے گی اور معاشرہ سیکولرازم کی دلدل میں جا گرے گا۔ اگر ایسا ہو گیا تو اس کے ذمہ دار اہل مذہب خود ہوں گے۔ تاریخ انہیں سیکولرازم کے ہراول دستے میں شمار کرے گی۔ اس افسوسناک صورت حال پر اور کیا کہا جا سکتا ہے سوائے اس کے کہ: رحمت سید لولاک ﷺ پہ کامل ایمان۔۔۔ امت سید لولاک ﷺ سے خوف آتا ہے۔" (سلیم صافی۔ جرگہ۔ روزنامہ جنگ 5 اپریل 2016)

علامہ اقبال

''موجودہ زمانہ تو روحانیت کے اعتبار سے بالکل تہی دست ہے۔ اسی واسطے اخلاص، محبت و مروت و یک جہتی کا نام ونشان نہیں رہا۔ آدمی آدمی کا خون پینے والا اور قوم قوم کی دشمن ہے۔ یہ زمانہ انتہائی تاریکی کا ہے۔ لیکن تاریکی کا انجام سفید ہے۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ جلد اپنا فضل کرے اور بنی نوع انسان کو پھر ایک دفعہ نور محمدی عطا کرے۔ بغیر کسی بڑی شخصیت کے اس بدنصیب دنیا کی نجات نظر نہیں آتی۔ زیادہ کیا عرض کروں۔'' مکاتیب اقبال مرتبہ سید مظفر حسین برنی۔ بحوالہ اردو لازمی گیارھویں بارھویں جماعتوں کیلئے۔ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ

''کچھ غلط اندیش صوفی ترک دنیا کی تعلیم دینے والے خواہ اپنی خانقاہوں میں انہوں نے اطمینان بخش اور وافر رزق کا انتظام کر لیا ہو اور کچھ تنگ نظر اور کج فہم ملا جن کا کام فروعی تفریقات پر فرقہ بندی کرنا ہے، اقبال ان دونوں گروہوں سے ایسا ہی بیزار تھا جیسا کہ الحاد پسند مغرب زدوں سے۔ ابتدائی دور میں سر سید کی لوح تربت پر انہوں نے روح سید سے جو پیغام حاصل کیا، اس میں ان دونوں گروہوں سے خبر دار رہنے کی تلقین ہے۔'' (اقبال اور ملا۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم۔ صفحہ ۱)

ملا اگر شریعت کا پابند ہوتا، گو اس کی روح سے پوری طرح آشنا نہ بھی ہوتا، تو بھی اقبال کے دل میں ملائیت کے خلاف اس قدر حقارت کا جذبہ پیدا نہ ہوتا۔ لیکن وہ دیکھتا تھا کہ ملا شریعت میں بھی فقط ان باتوں کی ظاہری پابندی کرتا ہے جن میں اس کو کچھ مادی نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔ لیکن اگر اپنے مادی مفاد پر زد پڑتی ہو تو پھر شریعت کے احکام کو بھی یا تو نظر انداز کر دیتا ہے یا ان کی حسب منشا تاویل کر لیتا ہے۔'' (اقبال اور ملا۔ صفحہ ۳)

''علامہ اقبال ایک روز مجھ سے فرمانے لگے کہ اکثر پیشہ ور ملا عملاً اسلام کے منکر، اس کی شریعت سے منحرف اور مادہ پرست دہریہ ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ ایک مقدمے کے سلسلے میں ایک مولوی صاحب میرے پاس اکثر آتے تھے۔ مقدمے کی باتوں کے ساتھ ساتھ ہر وقت یہ تلقین ضرور کرتے تھے کہ دیکھئے ڈاکٹر صاحب آپ بھی عالم دین ہیں اور اسلام کی بابت نہایت لطیف باتیں کرتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ آپ کی شکل مسلمانوں کی سی نہیں۔ آپ کے چہرے پر داڑھی نہیں۔ میں اکثر ٹال کر کہہ دیتا کہ ہاں مولوی صاحب آپ سچ فرماتے ہیں۔ یہ ایک کوتاہی ہے علاوہ اور کوتاہیوں کے۔ ایک روز مولوی صاحب نے تلقین میں ذرا شدت برتی تو میں نے عرض کیا کہ مولوی صاحب آپ کے وعظ سے متاثر ہو کر ہم نے آج ایک فیصلہ کیا ہے۔ آپ میرے پاس اس مقدمے کے سلسلے میں آتے ہیں کہ آپ باپ کے ترکے میں سے اپنی بہن کو زمین کا حصہ نہیں دینا چاہتے اور کہتے ہیں کہ آپ کے ہاں شریعت کے مطابق نہیں بلکہ رواج کے مطابق ترکہ تسلیم ہوتا ہے اور انگریزی عدالتوں نے اس کو تسلیم کر لیا ہے۔ میرے بے ریشی کو بھی دینی کوتاہی سمجھ لیجئے، لیکن رواج کے مقابلے میں شریعت کو بالائے طاق رکھ دینا اس سے کہیں زیادہ گناہگاری ہے۔ میں نے آج یہ عہد کیا ہے کہ آپ بہن کو شرعی حصہ دے دیں اور میں داڑھی بڑھا لیتا ہوں۔ لائیے ہاتھ، آپ کی بدولت ہماری بھی آج اصلاح ہو جائے۔ اس پر مولوی صاحب دم بخود ہو گئے اور میری طرف ہاتھ نہ بڑھ سکا۔ اس مولوی صاحب کی شریعت گریزی سے مجھے ایک اور بات یاد آ گئی۔ عرصہ ہوا بعض احباب کی دعوت پر رؤف بے ہندوستان تشریف لائے۔ وہ جدید ترکی کے بانیوں میں سے تھے اور سیرت و کردار کے لحاظ سے ایک ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔ مصطفیٰ کمال کی آمریت سے قبل وہ ترکی کے وزیر اعظم تھے۔ وہ حیدر آباد دکن بھی تشریف لائے۔ مجھے ان سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ میری درخواست پر ایک دن انہوں نے میرے ساتھ گزارا اور ترکی تحریک انقلاب اور انجمن اتحاد و ترقی کی مکمل داستان سنائی۔ مصطفیٰ کمال کے متعلق دریافت کرتے ہوئے میں نے کہا کہ مذہب کو سیاست سے بالکل الگ کر دینا تو ہمیں درست معلوم نہیں ہوتا۔ کسی ملت اسلامیہ کی سیاست دین اسلام سے مطلقاً بیگانہ کس طرح رہ سکتی ہے۔ آپ کا اس کی نسبت کیا خیال ہے۔ مصطفیٰ کمال نے یہ اقدام کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ قدم مصطفیٰ کمال نے نہیں بلکہ میں نے اٹھایا جب میں وزیر اعظم تھا۔ مصطفیٰ کمال بعد میں شدت کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہو گیا۔ دین و سیاست کی اس علیحدگی کا میں ذمہ دار ہوں اس لئے اس کی جواب طلبی مجھ سے کرو۔ اس کے بعد فرمانے لگے کہ تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا کہ ترکی میں دین کا علمبردار ملا کس قسم کا انسان تھا۔ وہ نہ صرف دنیاوی امور بلکہ دین کے حقائق سے بھی مطلقاً بیگانہ

تھا لیکن اس کا اقتدار اتنا تھا کہ عوام تو ایک طرف خود حکومت کے ارباب حل و عقد بھی اس سے مرعوب تھے۔ ترکی حکومت ایک قسم کی تھیو کریسی (theocracy) بن گئی تھی۔ اس طبقے نے سیاست میں دخل انداز ہو کر اور مطلق العنان بے بصیرت حکمرانوں کے استبداد میں شریک ہو کر ترکی قوم کو ترقی کا کوئی قدم نہ اٹھانے دیا۔ یہ گروہ جدید علوم وفنون اور ترقی کا دشمن تھا کیونکہ وہ اس کو اپنے اقتدار اور مفاد کے خلاف سمجھتا تھا۔ ترکی کی سلطنت ان کی رجعت پسندی سے ایسی کمزور ہو گئی کہ چھوٹی چھوٹی فرنگی ریاستوں سے مغلوب ہونے کی نوبت آ گئی۔ فوج کی جدید تنظیم کی انہوں نے مخالفت کی۔ ترکی میں چھاپہ خانہ قائم کرنے کو بھی بدعت قرار دیا۔ دین اور سیاست کے اس قسم کے گٹھ جوڑ نے ہماری قوم کو کمزور اور ذلیل کر دیا۔ دین کی اس مداخلت سے سیاست خراب ہوئی اور سیاست کی آمیزش سے خود دین خراب ہوا۔ فرمانے لگے کہ میں مسلمان ہوں اور تہ دل سے اسلام کی صداقت کا معتقد ہوں۔ میں نے خود دین کو خالص کرنے کے لئے یہ اقدام کیا کہ اس کے نادان دوستوں کو سیاست سے الگ کر دیا جائے۔ اس طرح سیاست بھی خالص ہو جائے گی اور قوم کے بقا اور اس کے مفاد پر آزادی سے غور و فکر ہو سکے گا اور دین بھی خراب سیاست کی آلودگی سے بچ جائے گا۔ ہر قدم پر خود غرض اور جاہل ملا سے پوچھنا کہ کیا جائز ہے اور کیا ناجائز، اس کا تلخ تجربہ ہم کو ہو چکا تھا۔ ہم دودھ کے جلے اب چھاچھ کو بھی پھونک پھونک کر پینے پر مجبور تھے۔" (اقبال اور ملا۔ صفحہ ۱۳ تا ۱۵)

"جن کے علم و تقویٰ پر مدینہ کی مہر ثبت تھی، اس کی بابت جواہر لال نہرو کا ایک خط شائع ہو گیا کہ حسین احمد کو اتنے روپے دے چکا ہوں اب وہ اور مانگتے ہیں۔ نہرو نے ان کے نام کے ساتھ نہ مولانا لکھا نہ جناب اور صاحب، اس سے نتیجہ نکل سکتا ہے کہ وہ ایسے علما کو کس نظر سے دیکھتے تھے۔" (اقبال اور ملا۔ صفحہ ۱۷)

'مسلمانوں کے زوال کی اہم وجوہات میں سے ان کے علماء اور حکمرانوں کی کمزوری ہے یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ عام لوگ محض ان کی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور ان کا حق ہے کہ وہ ان کے ساتھ جو چاہے سلوک کریں۔ اور یہ حال ان کے دماغوں میں یہاں تک ترقی کر گیا ہے کہ اگر کوئی شخص راہ راست پر لائے تو اسے مار ڈالنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ زیادہ افسوس یہ ہے کہ ان ظالم حکمرانوں کو ایسے منافق مولوی ملے ہوئے ہیں جو ہمیشہ حق پرستوں کو باغی قرار دے کر قتل کے فتوے دیتے رہتے ہیں۔ حالانکہ ان کا فرض یہ تھا کہ وہ بادشاہوں کو سیدھا راستہ دکھاتے۔ چنانچہ قدیم حکومتوں میں عالموں اور مولویوں کا کام وہی تھا جو آجکل پارلیمنٹ کا کام ہے۔ وہ قوم اور بادشاہ پر نگرانی رکھتے تھے اور جب کبھی قوم پر ظلم ہوتا تھا، وہ فوراً اپنی آواز بلند کر کے خلیفہ وقت کو تنبیہ کر دیتے اور اس طرح مسلمانوں کا کام ہمیشہ درست رہتا۔ اس درستی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ علماء پرہیز گار تھے، دنیا کے سازو سامان سے بے پروا تھے، انہیں یہ فکر نہ تھی کہ بادشاہ ان کی نصیحت سے ناراض ہو جائے گا۔ جب تک مسلمانوں میں ایسی جماعت زندہ رہی، کسی خلیفہ یا بادشاہ کو علی الاعلان ظلم کرنے کی جراءت نہ ہوئی، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ عام امت علماء کے پیچھے ہے اور علماء حق پرست ہیں، لیکن افسوس کہ ان اچھے اور سچے عالموں کے بعد ایسے علماء پیدا ہوئے جنہوں نے علم کو روٹی کمانے کا ذریعہ بنا لیا اور دنیا کو شکار کرنے کے درپے ہو گئے، ایسے علماء نے فاسق اور بدکار بادشاہوں کی ناجائز باتوں کو بھی جائز کر دیا اور ان کی رضاجوئی کے لئے دین کے احکام کو دین کے نام سے توڑ ڈالا۔ اب رہے عوام الناس، تو وہ ان منافق مولویوں کی بڑی بڑی پگڑیوں اور لمبے لمبے عصاؤں کو دیکھ کر دھوکہ کھا جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان مولویوں کے فتوے صحیح ہیں، ان کی رائے درست ہے اور شریعت کے موافق ہے۔ پس اس گمراہی اور غلطی سے اسلام کی خرابی بڑھ رہی ہے۔ امّت کے فائدے ضائع ہو رہے ہیں، مسلمان روز بروز مرتے جاتے ہیں، ان کے دشمن ترقی کرتے جاتے ہیں اور ان سب باتوں کا گناہ مولویوں پر ہے۔ "ماخذ: اسباب زوال امت تحریر: علامہ شکیب ارسلان) ندائے خلافت مارچ 01 تا 16، 2005ء سے ایک اقتباس)

الطاف گوہر (علمائے کرام۔۔۔، جب وقت قیام آیا)

"علماء نے جو قیام پاکستان کے وقت سے ملک میں اسلامی نظام حکومت کے قیام کا پرزور مطالبہ کرتے چلے آ رہے تھے، اس آئین کو جو ہر اعتبار سے ایک سیکولر دستاویز تھا، کھلے دل سے خوش آمدید کہا۔ انہوں نے اپنے بیانات کے ذریعے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ "پاکستان میں اسلامی نظام کے حامیوں اور اس کے مخالفوں کے درمیان جاری جنگ کا فیصلہ آخر کار اسلام دوست عناصر کے حق میں ہو گیا ہے۔" علماء کی مختلف کنونشنوں میں منظور ہونے والی سفارشات میں سے ایک بھی تجویز اس آئین میں شامل نہیں کی گئی تھی اور علماء اس تھوڑے بہت اثر رسوخ سے بھی محروم ہو چکے تھے جو انہیں ۱۹۵۳ء میں پنجاب میں احمدیوں کے خلاف

چلائی جانے والی تحریک سے پہلے حاصل تھا۔ احمدیوں کے خلاف تحریک ایک سیاسی تحریک تھی جو بہت جلد پنجاب کے مختلف شہروں میں پھیل گئی اور ہر طرف آتش زنی، قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا۔ حکومت کو پنجاب کے دارالحکومت لاہور میں مارشل لاء نافذ کرنا پڑا۔ احمدی فرقہ کی بنیاد مرزا غلام احمد نے رکھی تھی جنہیں نبی ہونے کا دعویٰ تھا۔ مسلمانوں کی اکثریت کے نزدیک اس فرقہ کے پیروکار کافر تھے، جنہوں نے مسلمانوں کی صفوں میں انتشار اور تفرقہ پھیلانے کے لئے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔

اس صورتحال سے نمٹنے کے لئے جسٹس منیر کی سربراہی میں ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کیا گیا۔ پاکستان کے تقریباً تمام علماء نے کمیشن کے روبرو پیش ہو کر قادیانیوں کو کافر قرار دینے کے حق میں اپنے دلائل پیش کئے۔ علماء کا مطالبہ یہ تھا کہ احمدیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک فرقہ قرار دے کر ان کے ووٹوں کا اندراج ملک کی دیگر اقلیتوں کے ساتھ کیا جائے۔ علماء نے اس امر پر بھی اصرار کیا کہ احمدیوں کو نہ ملکی معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق دیا جائے اور نہ ہی انہیں اہم سرکاری عہدوں پر فائز کیا جائے اور یہ کہ ملک کے وزیر خارجہ مسٹر ظفر اللہ کو کابینہ سے علیحدہ کیا جائے۔ یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ کون مسلمان کہلانے کا حق رکھتا ہے، تحقیقاتی کمیشن نے علماء سے یہ پوچھا کہ اسلام کیا ہے اور ایک مسلمان یا مومن کی تعریف کیا ہے۔ اپنی رپورٹ میں کمیشن نے کہا: ”ہمارے لئے یہ امر حد درجہ افسوسناک تھا کہ علماء جن کا اولین فریضہ اس موضوع پر واضح اور ٹھوس مؤقف پیش کرنا تھا۔ مایوس کن حد تک ایک دوسرے سے متضاد نظریات کے حامل تھے۔ علماء کی طرف سے ایک مسلمان کی مختلف تعریفیں سامنے آنے کے بعد ہم اس سے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ ان میں سے کوئی دو فاضل ہستیاں بھی اس بنیادی نکتے پر آپس میں متفق نہیں۔ اگر ہم ان فضلاء کی طرح اسلام اور مسلمانوں کی کوئی تعریف وضع کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ تعریف ان کی مجوزہ تعریفوں سے مختلف ہوتی ہے تو ہم متفقہ طور پر دائرہ اسلام سے خارج کر دئے جائیں گے۔“ جہاں تک احمدیوں کو کاروبار مملکت سے الگ رکھنے کے مطالبے کا تعلق تھا تو یہ مطالبہ شہریوں کے لئے یکساں اور مساوی حقوق کے تصور سے انحراف کے مترادف تھا۔

کمشن نے اس ضمن میں آئین ساز اسمبلی میں قائداعظم کی ۱۱۔ اگست ۷۴۹۱ء کی تقریر کا حوالہ دیا۔ جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ ”ہم اس بنیادی اصول کے ساتھ اپنے سفر کا آغاز کر رہے ہیں کہ ہم سب ایک مملکت کے برابر کے شہری ہیں۔“ علماء نے قائداعظم کے پیش کردہ نظریہ ریاست کو مسترد کر دیا اور جماعت اسلامی کے ایک رکن نے بیان دیا کہ ”اس نظریئے پر قائم ہونے والی ریاست شیطان کا کارنامہ ہو گا۔“ علماء کا دعویٰ تھا کہ ۲۱ مارچ ۹۴۹۱ء کو منظور ہونے والی قرارداد مقاصد جدید قومی ریاست کے بارے میں قائداعظم کے نظریات پر فوقیت رکھتی ہے۔ دوسری طرف کمشن کے سامنے اس اعتراف میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی گئی کہ ”قرارداد مقاصد اپنے تمام تر خوش رنگ الفاظ اور دلفریب دعوؤں کے باوجود ایک بے معنی دستاویز سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی اور نہ صرف یہ کہ اس میں اسلامی ریاست کے قیام کا دھندلا سا خاکہ بھی پیش کیا گیا بلکہ اس کی بعض دفعات بالخصوص وہ جن کا تعلق بنیادی حقوق سے ہے، ایک اسلامی ریاست کے بنیادی اصولوں سے براہ راست متصادم ہیں۔“

کمشن نے علماء سے اسلامی ریاست کی تعریف کے بارے میں بھی سوالات کئے۔ ”اسلامی ریاست کی باتیں تو سب کرتے ہیں اس کی واضح تعریف کوئی پیش نہیں کرتا۔“ علماء کی اکثریت نے ان سوالات کے جواب میں 30 برس سے بھی کم مدت پر محیط عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے دور کی مثالیں پیش کیں اور اسلامی حکومت کے بارے میں اپنے نظریئے کی وضاحت کے لئے آیات قرآنی اور احادیث نبوی کا سہارا لیا۔ کمشن نے دوٹوک الفاظ میں کہا: ”جدید قانون شہادت کے تحت جس میں ہمارا قانون بھی شامل ہے، احادیث کو پیغمبر کے عمل کا بدل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ ہر حدیث بالواسطہ روایت کی کوئی نہ کوئی کڑی ضرور موجود ہوتی ہے۔ البتہ اسلامی قوانین کے ضمن میں احادیث کی بالادستی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔“ علماء نے اپنا مؤقف بیان کرتے ہوئے اس امر پر بہت زور دیا کہ ”اسلام اللہ کا دین ہے۔ یہ مکمل اور ہر اعتبار سے جامع ہے اور اللہ اپنے دین میں نہ تو کوئی تنسیخ، تبدیلی یا اضافہ کرے گا اور نہ ہی اب کوئی پیغمبر بھیجے گا۔ چنانچہ قرآن کی پانچویں سورۃ کی تیسری آیت کے مطابق اسلام کے پیش کردہ نظام حیات کی موجودگی میں نہ تو کسی اور ضابطہ حیات کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس نظام میں کوئی ترمیم یا اضافہ ممکن ہے۔“ تاہم علماء نے اجماع کی اہمیت اور ضرورت کا اعتراف کیا۔ اسلام میں اجماع کے تصور کی بنیاد اس حدیث نبوی پر ہے کہ ”میری امت کبھی بھی

کسی غلط بات پر متفق نہیں ہوگی۔''مگر عدالت نے محسوس کیا کہ علماء کے مؤقف کے مطابق اجماع چند صاحب الرائے علماء دین کے باہمی اتفاق کا دوسرا نام ہے اور اس میں عوام سے مشاورت یاان کی رضامندی کا تصور شامل نہیں۔ چنانچہ کمشن یہ کہنے پر مجبور ہوگیا کہ ''اگر علماء کے نزدیک مقنّنہ کی حیثیت ایک طرح کے اجماع کی ہے تو پھر عوام اس میں شمولیت کے کسی صورت میں حقدار قرار نہیں پاسکتے۔'' دراصل مقنّنہ کا جدید ترین تصور اسلامی نظام کے لئے ایک اجنبی تصور ہے۔ اسلامی نظام میں قانون بنانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ پہلے سے بنابنایا قانون موجود ہے۔ قانون پر عمل درآمد کے ذمہ دار افراد کا کام صرف کسی خاص معاملے میں مطلوبہ قانون کی نشاندہی ہی ہوتا ہے اور جب وہ قانون مل جائے تو پھر ہمیشہ اس کی تعمیل کی جائے۔''منیر کمیشن کی تحقیقاتی رپورٹ اس امر کا ناقابل تردید ثبوت فراہم کرتی ہے کہ علماء کے پاس فرد اور معاشرے کے حوالے سے کسی بنیادی سوال کا جواب نہ تھا۔ انہیں کچھ خبر نہ تھی کہ ایک شہری کے حقوق اور ذمہ داریاں کیا ہوتی ہیں یا عوام سیاسی عمل میں کیا کردار ادا کرسکتے ہیں؟ اسی طرح ان کے ذہن میں ریاست یا اقتدار کا کوئی واضح تصور بھی موجود نہیں تھا۔

کمشن نے علماء کی منفی روش کا اعتراف کرتے ہوئے یہ تسلیم کیا کہ ''کوئی عالم ایک دفعہ عوام کو یہ یقین دلادے کہ ان سے جس عمل کا مطالبہ کیا جارہا ہے وہ مذہب کے مطابق یا مذہبی فریضہ ہے تو وہ نظم وضبط، حب الوطنی، شائستگی، اخلاقیات اور شہریت کے تمام تقاضوں کو فراموش کرکے ہر قسم کے مطالبہ پر عمل پیرا ہونے کے لئے نکل کھڑے ہونگے۔'' عدالت نے اپنی رپورٹ کا اختتام ان الفاظ میں کیا ''اگر جمہوریت کا مطلب امن عامہ پر سیاسی مصلحتوں کی بالادستی ہے تو پھر ہمارے مستقبل کا خدا ہی حافظ ہے۔'' تحقیقاتی کمشن کے سامنے علماء کی کارکردگی نے ان کے مبلغ علم کا بھانڈا پھوڑ دیا اور قرآن اور حدیث کی تفسیر پر اجارہ داری کے دعویدار عوام میں اپنی آبرو گنوا بیٹھے۔ مگر ان تقدس مآب ہستیوں نے سیاست کی دوڑ میں اپنے وجود کا ثبوت دینے کے لئے بغیر کسی حیل وحجت کے دوسرے سیاسی اور غیر سیاسی ہتھکنڈے استعمال کرنا شروع کردیئے۔ علماء کی طرف سے ۶۵۹۱ء کے آئین کو اسلامی آئین قرار دینا بھی دراصل اسی سلسلے کی کڑی تھی۔''(ایوب خان فوجی راج کے پہلے دس سال۔ صفحہ 106۔103)

''قوم وملک کی یہ بدقسمتی رہی ہے کہ عدلیہ کے ساتھ ساتھ مذہبی طبقات کے نمائندے یعنی ''میر وپیر'' ہر فوجی ڈکٹیٹر کا وسیع تر مفاد میں ساتھ دیتے رہے۔ ہماری عدلیہ نے فوجی حکمرانی کو نظریۂ ضرورت کا نام دے کر تحفظ فراہم کیا تو مذہبی طبقے نے اپنی قابل قدر خدمات ملکی مفاد کی خاطر ہر فوجی آمر کو خوش دِلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ ''مَن تُرا حاجی بگوئم تو مرا ملّا بگو'' کے اصول کے تحت فراہم کئے رکھیں اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔ ایک مشہور طابعی (تابعی؟) حضرت عبد اللہ ابن مبارکؒ نے کیا خوب فرمایا تھا:'' مَا اَفْسَدَ الدِّیْنَ اِلَّا الْمُلُوکُ وَ اَحْبَارُ سُوْءٍ '' دین وملّت کو خراب کرنے اور تباہ کرنے والے حکمران اور مذہبی طبقات ہی ہوتے ہیں۔''(قیام عدل کا قرآنی حکم اور دینی قیادت کی ذمہ داری از نعیم اختر عدنان۔ صفحہ۔12، ندائے خلافت ستمبر 2007)

میجر (ر) محمد سعید ٹوانہ۔ اسلامی مکتی باہنی

اب بھارت نے ۱۹۷۱ء کے بعد ٹڈی دل لشکر ہمارے لئے تیار کرلیا ہے۔ ۱۳ڈویژنوں کی بجائے ۶۷ڈویژن، ۲ آرمرڈ ڈویژنون کی بجائے ۵۰۰۰ ٹینک، مگ جہازوں کے لشکر، میزائل، بوفرگنیں، نئے ٹینک، الیکٹرانک طریقہ جنگ، لیکن اس کا ''مرے کو مارے شاہ مدار'' دماغ کہتا ہے کہ پہلے افواج پاکستان کی ہانڈی پکانی ہے۔ اس کے لئے اب ''اسلامی مکتی باہنی'' تیار کررہا ہے۔ یہ ''طالبان''، یہ ''قاضی''، یہ ''فضل الرحمان'' سب بھارت کے لئے کام کررہے ہیں کیونکہ یہ بھارت کے عزائم کی تکمیل کررہے ہیں کہ ''اسلام کے نام پر افواج پاکستان کی چمڑی ادھیڑ دی جائے۔ مسلمانوں کو بہتر محافظ (پاک افواج) کی حفاظت سے فارغ کردیا جائے۔ افواج پاکستان کس کی افواج تھیں؟ مسلمانوں کی۔ لیکن قاضی سمجھتا ہے کہ صرف وہی مسلمان ہے (نعوذ باللہ) وہی جنت کا مستحق ہے۔ وہی اسلام لاسکتا ہے۔ یہ اسلام افغانستان میں تو نہ لاسکے۔ وہاں چھوٹے چھوٹے بچے خود سپلائی کئے۔ انہیں اسلام کی راہ دکھا کر ان کی راہ کسی اور شیطان کے لئے کھول دی۔ چند سال پہلے میرا بھانجہ ان ہی مولویوں کے سکھاوٴ پر جہاد لڑنے کی غرض سے گھر سے ہزار روپیہ چوری کرکے گھر والوں کو چٹھی لکھ کر چلا گیا۔ چونکہ راقم ان کے کرتب جانتا تھا۔ اپنے چھوٹے بھائی میجر رضا کو بتایا کہ وہ بنوں جائے۔ وہاں جماعت اسلامی کے امیر (وہ دندان ساز تھا پھر بھی محل جیسے گھر میں رہتا تھا) کے کلینک میں شام ۴ بجے سے پہلے پہنچ جائے تو بچہ مل جائے گا۔ بچہ لوگ وہاں بیٹھے تھے۔ جہاد سے سرشار تھے۔ سوزوکی وین پر بٹھا کر اگلے مورچوں میں بھیج دیئے گئے۔ مورچہ کیا تھا رائفل فائرنگ

رینج تھا۔ فائر کروایا اور آگے بھیج دیا۔ آگے کون تھے؟ بغیر عورتوں کے قبائلی لوگ، اپنا بچہ ہم واپس لے آئے (اس کے لئے علاقہ کا بااثر آدمی اور سکاؤٹس ساتھ لے گئے تھے) بچہ واپس آیا تو پھر بھاگ گیا۔ پھر ہم نے پکڑ لیا۔ اس بچہ سے میں نے پوچھا۔ "تم بتاؤ، معصوم لڑکوں کو کیوں لے جاتے ہیں۔ میرے جیسے دونوں جنگوں کے(VISTERANS (VETERANS کو کیوں نہیں لے جاتے؟" اس بچے کو جواب معلوم نہ تھا۔ پھر دوسرا سوال کیا "اگر وہ بچہ سے بدفعلی کروائیں۔ وہ نہ مانے تو کیا کریں گے؟" بچہ کہنے لگا "معلوم نہیں" تو راقم نے کہا کہ وہ گولی ماردیں گے۔ بچہ کے اوپر پاکستان کا جھنڈا ڈال دیں گے۔ بچے کی لاش اس کے گھر بھیج دیں گے کہ شہید ہوا ہے۔ ماں باپ کو روتے ہوئے رشتہ داروں کو وہ شہید یہ تو نہیں بتا سکتا کہ وہ کیسے مارا گیا؟

ایک دفعہ جماعت اسلامی کا ساہیوال کا امیر میرے ساتھ ساہیوال میں ہوٹل میں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ اس کا بیگ اچانک الٹ گیا۔ اندر سے لاکھوں روپے کی "تھدیاں" گر پڑیں۔ میں نے پوچھا "صاحب یہ کیا ہے؟" تو وہ کہنے لگے "کاروبار کا پیسہ ہے" (لاہور سے آرہے تھے، ساہیوال میں رہتے تھے، ۵۰ لاکھ کی رقم ڈرافٹ کی بجائے نقد لارہے تھے۔ اتنے بھی بچے نہ تھے) یہ بلیک منی تھا۔ بلیک منی سے "اسلام" ۔۔ "امریکہ کے اسلحہ سے جہاد" ۔۔ چہ معنی دارد؟ یہ رام رام جپنے والے اسلام اسلام جپ رہے ہیں۔ یہ لوگ صرف پیسہ کے پیر تھے۔ پیر ہیں۔ ہاتھ اٹھا کر دکھاتے ہیں تو مجھے یہ سمجھ آتی ہے کہ "دس کروڑ اندر جا چکا ہے۔ دس کروڑ مانگتے ہیں" لوٹ کا مال کھاتے ہیں۔ اب ان کے پیٹ میں مروڑ اٹھ رہا ہے کہ پاکستان کو اسلام کے نام پر کیسے لوٹیں؟ لوٹنے لگیں گے تو افواج پاکستان ان کا ہاتھ پکڑے گی۔ یہ فوج کا ہاتھ توڑ دیں گے، کیونکہ یہ ہماری "اسلامی مکتی باہنی" ہے۔" (روزنامہ پاکستان 27 اکتوبر 1997ء۔ میجر (ر) محمد سعید ٹوانہ، ستارہ جرأت)

اصغر علی گھرال ایڈووکیٹ۔ "سرکار! فلک کے نام کوئی پیغام؟"

"الہام وافکار میں جناب جوش ملیح آبادی نے "مرحمت بے جا" کے زیر عنوان اللہ تعالیٰ سے گلہ کیا ہے کہ {عبد سے بے وسیلہ جبریل کبھی خود بھی تو بات کی ہوتی}۔ پھر ایک دوسرے شاعر نے دعویٰ کیا {ہم تک براہ راست بھی پہنچے ہیں کچھ پیام ہر شے نہیں سماعت جبریل کے لئے}

غالب اپنی سالی کے نوجواں بیٹے عارف کی بے وقت موت پر غم [میں] ڈوبے ہوئے پہلے تو فلک پیر سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں {ہاں اے فلک پیر! جواں تھا ابھی عارف کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور}۔ پھر عارف سے کہتے ہیں {تم کون سے ایسے تھے کھرے داد وستد کے کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور} حضرت جوش کی ہی ایک اور رباعی ہے۔ ایک شام وہ حسب معمول ناؤنوش میں مشغول تھے۔ کہ اچانک پیچھے سے جام مے پر عکس سا پڑتا محسوس ہوا۔ پوچھا۔ تم کون ہو؟ پھر دونوں کے درمیان جو "تاریخی" مکالمہ ہوا۔ وہ انہی کی زبان سے سنئے!

{کل شام عین طرب کے ہنگام پر تو یہ پڑا کس کا سر جام

"کون ہو؟" "جبریل ہوں" "کیوں آئے ہو؟" "سرکار! فلک کے نام کوئی پیغام"}

یہ شاعرانہ تخیل کی پرواز تھی۔ انسانی فضیلت، معراج اور فطرت کی قوتوں پر فتح و نصرت کا ایک خواب تھا۔ کچھ دن قبل ایک محفل میں شعراء کرام کا یہ خواب حقیقت میں ڈھلتا نظر آیا۔ اسکی خوبصورت تعبیر سامنے آگئی۔ یہ ۱۶ مئی کی ایک اداس 'عصر' تھی۔ ۳۰ گلبرگ کے باہر چودھری ظہور الٰہی روڈ پر دور دور تک گاڑی کھڑی کرنے کی جگہ نہیں مل رہی تھی۔ کثیر تعداد میں "خواتین و حضرات" جمع تھے۔ شجاعت اور پرویز کی صورت میں غم کے دو مجسمے تعزیت کے لئے آنے والوں سے مصافحہ اور معانقہ کر رہے تھے۔ جواں سال ایس ایس پی گوجرانوالہ چودھری محمد اشرف مارتھ اور انکے بڑے بھائی چودھری محمد ایوب مارتھ (مرحومین) کیلئے قرآن خوانی ہو رہی تھی۔ قرآن خوانی کے بعد نعت خوانی کا دور چلا اور آخر میں دعا سے پہلے ایک معروف عالم دین کو سٹیج پر بلایا گیا۔ مولانا نے فلسفہ شہادت پر اپنے قیمتی خیالات کا اظہار فرمایا۔ ایسے مواقع پر فلسفہء شہادت پر علماء کرام کا وعظ سن سن کر بڑی حد تک زبانی ازبر ہو چکا ہے۔ مولانا نے بھی روایات اور حکایات پر ہی زیادہ انحصار کیا۔ محمد اشرف مارتھ مرحوم کی زندگی، شجاعت، فرض شناسی اور کارنامے پر کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ مذہب کے نام پر دہشت گردی کے حوالے سے بھی

کوئی بات نہیں کی۔ البتہ روائتی گفتگو کے بعد کچھ نئی اور دلچسپ باتیں ضرور سنائیں۔ مولانا نے اپنے خانوادے کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا۔ کہ صدر ضیاء الحق کے ساتھ ان کے کئی رشتے تھے۔ ان کی لڑکیاں ہمارے خاندان میں اور ہماری ان کے خاندان میں بیاہی ہوئی ہیں۔ ہمارا ایک دوسرے کے گھروں میں آنا جانا ہے۔ کہنے لگے مجھے یاد ہے کہ ضیاء الحق کو شروع سے ہی شہادت کا بڑا شوق تھا۔ میں نے ان سے کہا۔ کہ آپ تو ملک کے دفاع میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں جہاں آپ کیلئے شہادت کا بڑا ''چانس'' ہے۔ مگر ہمارے ایسے نصیب کہاں؟ لیکن دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے شہید کو کتنا بلند مرتبہ عطا فرمایا! پھر مولانا مفتی عبدالرحمان نے اپنے خاندان کی برگزیدگی کے حوالے سے ایک بڑا ہی عجیب و غریب واقعہ سنایا۔ فرمانے لگے۔ کراچی میں میرے بہنوئی کے بڑے بھائی ڈاکٹر محمد بشیر رہتے تھے۔ ایک دن حسب معمول کلینک میں بیٹھے تھے کہ اچانک کوئی اندر داخل ہوا ڈاکٹر صاحب نے پوچھا ''تم کون ہو؟'' جواب ملا ''عزرائیل ہوں!'' ''کیوں آئے ہو؟'' جناب ملک الموت کا اور کیا کام ہوتا ہے آپ کی جان لینے حاضر ہوا ہوں۔ ڈاکٹر بشیر نے فرشتے سے پوچھا کہ کیا ایک ہفتے کی مہلت نہیں مل سکتی ہے؟ فرشتے نے کہا۔ ''ڈاکٹر صاحب! میری کیا مجال ہے کہ وقت معینہ سے ایک لمحہ بھی آگے پیچھے کروں! یہ اختیار تو علیٰ کل شی قدیر مولا کریم کو ہی حاصل ہے۔ میں آپکی درخواست خدا کے حضور لے جاسکتا ہوں۔'' چنانچہ فرشتہ واپس عرش معلی پر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوا۔ ڈاکٹر بشیر کی استدعا پیش کی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ہفتے کی مہلت کی اجازت فرمادی۔ اور ملک الموت نے پھر آکر ڈاکٹر بشیر کو یہ مژدہ سنادیا کہ آپکی درخواست منظور ہوگئی ہے۔ خدا حافظ! اگلے ہفتے پھر ملاقات ہوگی!'' ڈاکٹر بشیر خوشی خوشی گھر آئے۔ ہفتہ بھر دوستوں سے ملاقاتیں کرتے رہے۔ بعض رازدانوں کو انہوں نے یہ واقعہ سنا بھی دیا۔ مگر وہ اسے مذاق سمجھتے رہے۔ کسی نے یقین نہیں کیا۔ اس زمانے میں مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم ابھی زندہ تھے۔ ڈاکٹر بشیر کو اچھی طرح جانتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے مولانا سے بھی الوداعی ملاقات کی اور سارا ماجرا سنادیا! مولانا سن کر جھینپ گئے۔ ان کو بھی یقین نہیں آیا۔ ڈاکٹر بشیر نے آبائی قبرستان میں اپنی قبر بنوائی۔ سامی کے اندر باقاعدہ لیٹ کر دیکھا۔ ہفتہ یونہی گزر گیا۔ تا آنکہ پھر جمعے کا روز آگیا۔ ڈاکٹر بشیر ملک الموت کا انتظار کرنے لگے۔ بیٹوں سے کہا کہ ڈرائنگ روم سے صوفے وغیرہ ہٹادو، اور قالین اور دریاں بچھادو تعزیت کیلئے لوگ آئیں گے۔ بیٹے حیران پریشان تھے کہ اباجی کیا کہہ رہے ہیں؟ مگر وہ والد صاحب کا حکم نہیں ٹال سکتے تھے۔ جمعہ جانے والا تھا اور بظاہر فرشتے کا دور دور تک کوئی نشان نہیں تھا۔ مگر عین اس وقت (کہ ایک ہفتہ پہلے آیا تھا) ملک الموت نے آن السلام علیکم کہا۔ ڈاکٹر بشیر خوشی خوشی ساتھ ہولئے۔ کلمہ شریف پڑھا اور فرشتہ روح قبض کر کے لے گیا! مولانا فرمانے لگے کہ میرے پاس وقت تھوڑا ہے ورنہ آپ کو ایسے ایسے محیر العقول واقعات سناؤں کہ آپ حیران رہ جائیں! میرے ساتھ ڈاکٹر اعجاز احسن کھڑے تھے۔ ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ہم نے اجتماع میں لوگوں کے ہونٹ ہلتے دیکھے جو اس عجیب و غریب واقعہ یا افسانے پر تبصرے کررہے تھے۔ ہم سے تھوڑے فاصلے پر جناب مجید نظامی، میاں خورشید قصوری اور ڈاکٹر اکمل کھڑے تھے۔ اجتماع میں وزیر تھے، ہر طبقے کے لوگ تھے پیپلز پارٹی کے لیڈر بھی تھے اونچے اونچے بیوروکریٹ تھے ملک کی ایلیٹ جمع تھی۔ مگر مجھے یہ حسرت تھی کہ کاش مولانا سے دیگر تمام حیرت انگیز واقعات بھی سن سکوں۔ جو وقت کی کمی کے باعث وہ سنا نہیں سکے تھے۔ میں تو خوش تھا کہ چلو اللہ تعالیٰ کے ساتھ براہ راست رابطہ بحال ہوا ہے۔ ایک نئی راہ کھل گئی ہے۔ ڈاکٹر بشیر کے بارے میں تو یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ انہیں ایک ہفتے کی ''ارجنسی یا ایمرجنسی'' کیا تھی۔ مرحوم نے اس مہلت کو کسی خاص مقصد کیلئے استعمال نہیں کیا۔ دوستوں یاروں سے ملاقاتیں تو روٹین کی باتیں ہیں قبر کی تعمیر اور تجہیز و تکفین کے انتظامات پسماندگان کے فرائض میں داخل ہیں۔ مرنے والے کو ان کے تردد کی ضرورت نہیں! البتہ زندگی میں ایسے ایسے دردناک واقعات پیش آتے ہیں جہاں واقعی اللہ تعالیٰ کے حکم پر نظر ثانی کی درخواست کا جواز سمجھ میں آتا ہے۔ مثلاً ایک غریب نوجوان چھوٹی عمر میں دیار غیر میں محنت مزدوری کرنے نکل گیا۔ پندرہ سال بعد وطن واپس لوٹ رہا ہے۔ اسکے عمر رسیدہ والدین چھوٹے بہن بھائی اور منگیتر (کزن) ائرپورٹ پر چشم براہ ہیں انتظار کی گھڑیاں گن رہے ہیں نوجوان کے شوق اور تمنا کا یہ عالم ہے کہ کئی دفعہ اس کا دل چاہا ہے کہ ہوائی جہاز کے ''ڈریور'' سے عرض کرے کہ جہاز کو ذرا تیز چلائے۔ اس کے گھر والے ائرپورٹ پر اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ جہاز بخیریت اتر جاتا ہے۔ مسافر سامان وغیرہ چیک کرواکے باہر آرہے ہوتے ہیں کہ اچانک عزرائیل نوجوان کو دبوچ لیتے ہیں۔ اسکی جان قبض کرنا چاہتے ہیں۔ کیا ایسے سنگین حالات اور نازک لمحات میں سات دنوں کی نہ سہی صرف سات گھنٹوں کی مہلت کی درخواست غیر واجب ہوگی؟ تاکہ وہ بدنصیب اپنے عزیزوں کو نظر بھر کر دیکھ تو سکے۔ گلے تو مل لے کچھ اپنی سنا سکے کچھ انکی سن سکے!

ہمارے ہاں الیکٹرانک میڈیا سے مذہب کے نام پر ہمارے کانوں میں جو کچھ انڈیلا جاتا ہے یہ اس کا بہترین نمونہ ہے۔ کار رفتہ اور دقیانوسی مسائل پر بحث ہوتی ہے یا یوں لگتا ہے جیسے سائنسی سوچ، روشن خیالی، وسعت نظر، انسان دوستی، مکمل مذہبی آزادی کا تصور اور جدید دور کے مسائل ہمارے مذہبی نصاب سے ماوراءہیں۔ عرصہ ہوا ایک دن میں تفہیم دین کا پروگرام دیکھ رہا تھا۔ پروگرام کے بارے میں سوال وجواب اس قابل تھے کہ محفوظ کر لئے جاتے۔ تاہم ایک دینی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل مجھے آج بھی یاد ہے۔ سوال۔ کیا پیروں کو نذر نیاز، اور قبروں پر چڑھاوے چڑھانا اسلامی فعل ہے؟ نیز یہ کہ کیا نذرونیاز میں دیا جانے والا بکرا لازمًا کالے ہی رنگ کا ہونا چاہیئے؟ یا بکرا کسی اور رنگ کا بھی ہو سکتا ہے؟ جوابات کیلئے علماء کا ایک پینل موجود تھا۔ میزبان نے ایک عالم دین کو بلایا۔ انہوں نے فرمایا اگر نیت کفر یا شرک کی نہ ہو تو پیروں کو نذر نیاز اور قبروں پر چڑھاوے عین اسلامی ہیں۔ رہ گیا نذرونیاز کیلئے بکرے کا رنگ تو (ابھی مولوی صاحب کچھ کہنے ہی والے تھے کہ میزبان نے لقمہ دیا جس کا مفہوم یہ تھا کہ رنگ کی تخصیص تو بے معنی ہے رنگ سے آخر کیا فرق پڑتا ہے۔۔۔۔۔) مگر عالم دین نے میزبان کو روک کر مائیک ان کے ہاتھ سے لے لیا اور اونچی آواز میں فرمایا "جی نہیں! بکرا لازمًا کالے ہی رنگ کا ہونا چاہیئے۔" پھر وہ دیر تک کالے رنگ کی خوبیوں اور اثرات پر اظہار خیال فرماتے رہے۔ میرا بڑا دل چاہا کہ لگے ہاتھوں مولانا سے یہ بھی پوچھ لوں کہ اگر نیت کفر اور شرک کی نہ ہو تو بعض دیگر غیر شرعی مشاغل بلکہ بت پرستی میں کیا حرج ہے۔ مگر ٹی وی پر ایسا ممکن نہیں تھا۔ مجھے پیروں کو نذرونیاز قبروں پر چڑھاوے یا بکرے کے رنگ پر کوئی اعتراض نہیں ہے یہ بھی یقینًا اہم مسائل ہیں۔ سوال صرف ترجیحات کا ہے۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں ۱۲ویں صدی کے دہانے پر اسلام میں کیا صرف یہی مسائل حل طلب رہ گئے ہیں؟ چلو تسخیر کائنات، فروغ سائنس، کمپیوٹر ٹیکنالوجی، مصنوعی ذہانت والے روبوٹ، جینیٹک انجینئرنگ کے مسائل تو کافروں کے سپرد ہوئے مگر تفہیم دین کے پروگراموں میں کیا ہمارے ان جید علماء کرام کو یہ باور نہیں کرایا جاسکتا ہے کہ چاند پر انسانی قدموں کے نشان لگے آج ۸۲ سال ہونے کو ہیں اور اب وہ کافر لوگ افلاک کی وسعتوں میں اتنی دور آگے نکل گئے ہیں کہ آپ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے؟ ہزاروں ایسے مولوی صاحبان اور ائمہ مساجد موجود ہیں جو آج بھی یہ باور کرنے کو تیار نہیں کہ انسانی قدم چاند کو چھو چکے ہیں! ان کے روبرو ذکر کریں تو وہ کفر کا فتویٰ صادر فرمادیں گے۔ ورنہ یہ جہالت مآب کم از کم "رن طلاق" کی سزا ضرور سنادیں گے۔ آج انسان، اس کا بنایا ہوا سپر کمپیوٹر اور انسان سے بھی زیادہ طاقتور اور کہیں زیادہ ذہین روبوٹ کائنات کی پنہائیوں میں سرگرم عمل ہیں۔ بلاشبہ آج فطرت کی دیویاں حضرت انسان کے روبرو دست بستہ کھڑی عرض کررہی ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ فلک کے نام کوئی پیغام۔" (روزنامہ نوائے وقت 17 جون 1997)

سیّد قاسم محمود۔ تحریک کی ناکامی کے مجرم

سیّد قاسم محمود صاحب نے تاریخ تحریکات احیائے اسلام کے نام سے مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا جو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے رسالہ "ندائے خلافت" میں قسط وار شائع ہوتا رہا۔ دسمبر 16 تا 22، 2004ء کے شمارہ میں "تحریک کی ناکامی کے مجرم" کے عنوان سے تحریک ریشمی رومال کے بارے میں ان کا مضمون شائع ہوا۔ چونکہ اس تحریک کے ممبران ریشمی رومالوں پر خفیہ نقشہ جات اور پیغامات کاڑھ کر ایکدوسرے کو بھیجا کرتے تھے اس لئے اس تحریک کا یہ نام پڑ گیا۔ اس مضمون میں سیّد قاسم محمود صاحب نے اس تحریک کی ناکامی کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس تحریک میں شامل مدرسہ دیوبند کے مولوی جو شیخ الہند کے قریب ترین افراد تھے، دراصل انگریز کے لئے جاسوسی کا کام کرتے تھے۔

قارئین کی معلومات کے لئے عرض کردوں کہ تحریک ریشمی رومال احیائے اسلام کی تحریک نہیں تھی، جیسا کہ سیّد قاسم محمود صاحب نے تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، بلکہ انگریزوں سے آزادی کی تحریک تھی جس کے سربراہ مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی تھے جو "شیخ الہند" بھی کہلاتے ہیں۔ یہ صاحب اس تحریک کی ناکامی اور راز افشاء ہونے کے باعث پکڑے گئے اور مالٹا میں نظر بند کئے گئے۔ وہاں سے رہائی کے بعد انہوں نے سیاست اور جدوجہد آزادی سے توبہ کرلی اور دارالعلوم دیوبند کے ایک گوشے میں تنہائی کی زندگی گزار کر فوت ہوئے۔ ایک عالم دین کے اس تحریک کے سربراہ ہونے اور ان کے زیر اثر دوسرے مولویوں کے اس تحریک میں کام کرنے کے باعث یہ غلط فہمی ہوگئی گویا کہ یہ احیائے اسلام کی تحریک تھی۔ ویسے بھی ہمارے غیر احمدی مسلمان بھائی احیائے اسلام سے مراد احیائے حکومت وسلطنت ہی لیتے ہیں، روحانی انقلاب ان کا مطمع نظر نہیں ہوتا۔

چونکہ ہمارے قارئین کی عام رسائی اس رسالہ ندائے خلافت تک نہیں ہوتی جس میں یہ مضمون قسط وار شائع ہوا ہے، لہذا ان کی دلچسپی اور معلومات کے لئے میں اس مضمون کا وہ حصہ یہاں نقل کر رہا ہوں جن میں ان دیوبندی مولویوں کا انگریز کے لئے جاسوسی کرنا اور اپنے لوگوں سے غدّاری کا احوال بیان کیا گیا ہے۔ سیّد قاسم محمود صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اس مضمون کی تیاری میں انہوں نے مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عبد الرحمٰن، ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری، ڈاکٹر محمد ایوب قادری اور مولانا غلام رسول مہر کی تصانیف سے استفادہ کیا ہے۔

"تحریک ریشمی رومال کے بانی حضرت شیخ الہند بہت زیادہ حسن اعتماد رکھتے تھے اور بعض ایسے افراد کو اپنا مشیر کار بنایا ہوا تھا جو کہ خفیہ طور پر انگریز کے جاسوس تھے اور ظاہری طور پر حضرت شیخ کے معتقد اور فدائی بنے ہوئے تھے۔ حضرت شیخ خود فرمایا کرتے تھے کہ "من از بیگانگاں ہر گز نہ نالم، کہ با من [ہر چہ] کرد [آں] آنچہ آشنا کرد"۔ انگریز کے یہ جاسوس ہی تحریک کی ناکامی کا سبب بنے۔ درحقیقت جو لوگ حضرت شیخ کے ساتھ تھے اور انگریز کی سی آئی ڈی کے تنخواہ دار تھے ان کی زندگیاں ہی ان کے کرتوتوں کی شاہد ہیں۔ ان کے کردار اور زندگی کے حالات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ پکے غدّار تھے:

(۱) شیخ الہند کی خصوصی مجلس کے ایک رکن تھے۔ ان کے بارے میں لوگوں نے حضرت شیخ کو آگاہ بھی کیا، لیکن حضرت کی خوش اعتمادی کا یہ عالم تھا کہ آخر زندگی تک ان کو ساتھ رکھا، بلکہ اپنی ایک عزیزہ سے ان کا عقد بھی کرا دیا۔ مولانا حسین احمد مدنی نے بھی ان کی صفائی بیان کی ہے، لیکن ان کی زندگی اور حالات بتاتے ہیں کہ وہ یقیناً جاسوس تھے۔ ان کا وطن پشاور ہے۔ یہ کاکا صاحب کی درگاہ کے متولیوں کے خاندان سے ہیں۔ دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔ تحریک میں پہلے دیوبند، پھر مالٹا میں حضرت کے ساتھ رہے اور پھر آخر رہائی کے بعد بھی ساتھ ہی رہے۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ یہ صاحب جاسوس تھے۔

(۲) مصر کی عدالتی کارروائی سے پتا چلتا ہے کہ دیوبند اور دہلی کے ان خصوصی اور خفیہ مجلسوں کے پورے حالات انگریزوں کو معلوم ہوتے ہیں، جن میں یہی حضرات شریک ہوتے تھے۔ مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا آزاد، گاندھی جی، موتی لال نہرو، مہندر پرتاپ، برکت اللہ، ہر دیال، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا ہادی حسن، مولانا محمد میاں انصاری، اور مولانا عزیز گل۔ اب ان حضرات میں سے تو کسی پر بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ ان حضرات نے اپنی زندگیاں انگریز کی مخالفت میں خرچ کر دیں اور مصائب و آلام برداشت کئے۔

(۳) حضرت شیخ جب مالٹا سے واپس بمبئی پہنچتے ہیں تو جہاز پر ہی آپ کو ایک سی آئی ڈی کا مولوی ملتا ہے اور ایسی باتیں بتاتا ہے جو مالٹا کے قید خانے میں ان تین حضرات کے مابین ہوئیں، یعنی شیخ الہند، مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا عزیز گل، کیونکہ مولانا وحید الزمان چوتھے قیدی پہلے ہی انتقال کر چکے تھے۔ ان تین حضرات کی باتیں انگریز تک پہنچانے والا ان تین حضرات میں سے کوئی ایک ضرور ہے۔ وہ کون ہے؟

(۴) ان مولوی صاحب کی معاشرتی زندگی ایک دولت مند کی سی رہی ہے۔ خورد و نوش اور دوسرے لوازمات زندگی امیرانہ رہے اور بظاہر آمدنی کبھی اتنی زیادہ نہیں رہی جس سے امیرانہ زندگی بسر کی جا سکے۔ یقیناً کوئی خفیہ ذریعہ آمدنی رہا ہے۔

(۵) امیر احمد خان نامی ایک صاحب تھے جو اٹک کے رہنے والے تھے۔ دیوبند میں تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ انگریز نے ان کو خرید لیا۔ تین سال ہندوستان میں جاسوسی کا کام کیا۔ پھر انگلینڈ میں سراغ رسانی کا امتحان دیا، اور دوسرے ممالک میں انگریز کی جاسوسی کا کام کرتے رہے۔ جرمنی، روس، جاپان میں کام کیا۔ آخر ترکی میں متعین ہوئے تو خیالات میں تبدیلی آئی۔ انگریز سے باغی ہو کر مستعفی ہو گئے۔ انگریز نے ہندوستان میں داخلہ بند کر دیا۔ آپ جاپان چلے گئے۔ وہاں ایک اخبار نکالا۔ اس دوران سوبھاش چندر بوس جاپان گئے۔ ان سے شناسائی ہو گئی۔ انہوں نے واپس آ کر ان کے لئے کوشش کی تو ان کو ہندوستان آنے کی اجازت مل گئی۔ کچھ عرصہ سوشلسٹ پارٹی میں کام کیا۔ دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو انگریز حکومت نے ان کو اپنے گاؤں میں پولیس کی نگرانی میں پابند کر دیا۔ پھر گرفتار کر کے لاہور چھاؤنی میں لائے اور یہاں سے لاپتہ کر دیا۔ کچھ عرصے بعد وارثوں کے شور مچانے پر اعلان کر دیا کہ وہ پولیس کی نگرانی میں جہلم کے قریب چلتی گاڑی سے کود

کر فرار ہو گیا۔ خدا معلوم کہاں گیا۔ مولانا سندھی لکھتے ہیں کہ "ان سے میری ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ جب ہندوستان میں جاسوسی کا کام کرتا تھا تو اس زمانے میں دیوبند سے وابستہ بہت سے مولوی یہ کام کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ میں خود ایک مولوی صاحب کے ذریعے اس کام میں تھا۔ انہوں نے اس مولوی کا نام بھی بتایا۔ وہ عید گاہ دیوبند کے خطیب تھے۔ یہ بھی بتلایا کہ ایک مولوی صاحب جو پشتو بولتے تھے اور میرے ساتھ پشتو میں بات کرتے تھے۔ پہلے تو مجھے ان کا علم نہ تھا لیکن جب میں اس کام پر مقرر ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ بھی یہی کام کرتے تھے، اور ان کے ذمے اہم کام ہوتے تھے۔ یہ صاحب کاکا خیلی تھے۔ جب میں انگلینڈ گیا تو ان کے دو خط بھی میرے نام گئے۔

(۶) اور ایک انگریز کا جاسوس دیوبندی مولوی صاحب خطیب عید گاہ دیوبند ہیں۔ یہ مولوی صاحب اگرچہ مرکزی مجلس انتظامیہ کے رکن تو نہ تھے، لیکن تحریک کے کئی شعبوں سے وابستہ تھے۔ اس لئے یہ کافی کام کر سکتے تھے۔ امیر احمد خان کا بیان ہے کہ میں ویسے تو اپنی رپورٹ دہلی میں پہنچاتا تھا مگر گرمیوں میں شملہ جانا پڑتا تھا تو میں راستے میں انبالہ میں مولوی صاحب کے پاس ٹھہرا کرتا تھا، کیونکہ مولوی صاحب مذکورہ انبالہ چھاؤنی کی جامع مسجد کے خطیب تھے۔ بعض دفعہ مولوی صاحب بھی میرے ساتھ جاتے تھے اور شملہ جاکر علیحدہ ہو جاتے تھے، کیونکہ ہمیں ایک دوسرے کو بھی اپنی باتیں بتلانا اور پہچان کرانا منع تھا۔ وہ اپنی رپورٹ علیحدہ پیش کرتے تھے اور میں علیحدہ۔ انہیں میری رپورٹ کا علم ہوتا تھا نہ مجھے ان کی رپورٹ کا۔

(۷) چکوالی مولوی صاحب چکوال کے رہنے والے تھے اور لاہور میں محاذ تحریک کے قائد تھے۔ مولانا عبید اللہ سندھی کا بیان ہے کہ جاسوس کے طور پر تحریک میں شریک تھے۔ حقیقت بھی یہی نظر آتی ہے، اس لئے کہ ان کو حکومت لوگوں کے دکھانے کو (جھوٹ موٹ) گرفتار کرتی ہے اور پھر جلد ہی رہا کر دیئے جاتے ہیں۔ اگر یہ جاسوس نہ ہوتے تو تحریک کے فعال کارکن تھے، نہ معلوم کتنے سال جیل میں رہتے۔ مولانا احمد اللہ پانی پتی ایک سادہ لوح بزرگ تھے۔ ان کو حکومت گرفتار کرتی ہے۔ وہ سختی اور تشدد کے باوجود تحریک کے متعلق کوئی بات بھی نہیں بتلاتے، مگر ایک دن یہی چکوالی مولوی صاحب جیل میں تنہائی میں ان کے پاس بیٹھتے ہیں اور دیوار کے پیچھے سے سی آئی ڈی اور فوجی افسروں کو بٹھاتے ہیں اور ان سے فرداً فرداً ایک ایک بات کا اقرار کراتے ہیں کہ دیکھئے، ہم نے وہ معاملہ اس طرح کیا تھا اور فلاں اسکیم اس طرح بنائی تھی۔ جب مولانا احمد اللہ سب باتوں کا اقرار کر چکتے ہیں تو افسر سامنے آجاتے ہیں۔ درمیان میں صرف ایک پردہ تھا۔ فوجی افسروں نے وہ پردہ اٹھا کر مولانا احمد اللہ سے کہا کہ آپ تو ان باتوں کے منکر تھے اور لاعلمی ظاہر کرتے تھے۔ اب بے چارے مولانا احمد اللہ بری طرح پھنس چکے تھے، معافی مانگ کر ہمیشہ کے لئے سیاسیات سے علیحدہ ہو گئے اور آخر تک علیحدہ رہے۔

اس واقعے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کیا کوئی مجبور آدمی اس طرح دوسروں کو گرفتار کر سکتا ہے؟ یہ تو ہو سکتا ہے کہ خود مولانا صاحب خود اپنی مجبوری کی وجہ سے اپنے جرم کا اقرار کرتے اور معافی مانگتے۔ مگر ایک دوسرے آدمی سے اس طرح اقرار کرانا، یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ مولوی صاحب ان واقعات کی رپورٹ پیش کرنے کے بعد اس کی تصدیق ایک دوسرے رکن تحریک سے کرانا چاہتے تھے کہ میں نے جو رپورٹ حکومت کو دی ہے، وہ ٹھیک ہے اور اس کے ثبوت میں یہ ساری کارروائی عمل میں لائی گئی، ورنہ ایک مجرم کو تو اپنے معاملات سے تعلق ہوتا ہے، نہ کہ دوسرے لوگوں کے جرائم کی شہادتیں بھی۔ بہر حال چکوالی مولوی صاحب کی صاحب زادی مولانا احمد علی لاہوری کے عقد میں تھیں۔ گویا وہ مولانا احمد علی صاحب کے خسر تھے۔

(۸) انہیں لوگوں میں سے ایک قندھاری مولوی صاحب بھی تھے۔ آپ دیوبند سے فارغ التحصیل تھے۔ آپ شیخ الہند کی تحریک کے رکن بن کر قبائل میں جاکر تبلیغ جہاد کا کام کرتے رہے۔ لیکن تعجب ہے کہ جب ریشمی خط پکڑا جاتا ہے اور راز فاش ہوتا ہے تو انگریز دباؤ ڈال کر امیر حبیب اللہ خان سے کابل کے سب انقلابیوں کو گرفتار کراتا ہے تو قندھاری مولوی صاحب نہ صرف یہ کہ گرفتار ہی نہیں کئے جاتے بلکہ مشیر امور خارجہ مقرر کیا جاتا ہے۔ حبیب اللہ خان اس وقت انگریز کی مرضی و منشا کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ پھر ان مولوی صاحب کو تو ایک ایسا عہدہ دیا گیا جو کہ انگریز اور افغان حکومت کے درمیان رابطے کا درجہ رکھتا تھا۔ چنانچہ ان سے یہی کام لیا جاتا تھا کہ افغان حکومت نے کوئی بات انگریز حکومت سے منوائی ہوتی تو ان قندھاری مولوی صاحب کی وساطت کے بغیر منظور نہ ہوتی تھی۔ اسی طرح انگریز کو جو بات افغان حکومت سے منظور کرانی ہوتی تو قندھاری مولوی صاحب کو واسطہ بنایا جاتا۔

(۹) مولانا چاند پوری کا نام بھی انگریز کے جاسوسوں میں شامل ہے۔ مولانا سندھی کا کہنا ہے کہ مولانا نے پہلے تو وہاں حجاز میں کچھ ایسی حرکتیں کیں، کہ جن سے مقصد یہ تھا کہ ترکی حکومت حضرت شیخ الہند سے بدظن ہو کر ان کو گرفتار کرلے۔ چنانچہ جدہ سے کچھ ایسے مشکوک خطوط حضرت شیخ کی خدمت میں لکھ کر بھیجے کہ اگر غالب پاشا مداخلت نہ کرتا تو شاید مدینہ کی حکومت آپ کو گرفتار کرلیتی۔ وہاں تو یہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہوئے۔ یہاں کا معاملہ سارا پہلے بھی انگریزوں کو پہنچاتے رہتے تھے اور اب بھی پوری رپورٹ حجاز کی تحریک کی پیش کی، اس لئے کہ ان کے ساتھ ہی مولوی محمد میاں جب خط لکڑی کی چھڑی میں لے کر آتے ہیں تو بمبئی گورنمنٹ کو کوئی خبر نہ تھی۔ لیکن ان مولوی صاحب کے پہنچتے ہی دیوبند اور نانوتہ میں ان لوگوں کے گھروں میں چھاپے پڑتے ہیں، جن کا علم حضرت شیخ کے سوا صرف ان دونوں کو تھا۔ اس کا اور کسی کو پتہ ہی نہ تھا۔ (یہ مولانا سندھی کا بیان ہے)۔"

حفیظ الرحمان۔ ملا کے بغیر زندگی

"لاہور میں شائع ہونے والے ایک اخبار میں ایک شہری کا خط شائع ہوا ہے جس میں اس نے لکھا ہے کہ میں نے مولوی کے فرسودہ خطبات سے تنگ آکر مقامی مسجد میں نماز باجماعت حتیٰ کہ نماز جمعہ تک پڑھنا ترک کر دی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی وجہ سے ملک کے دوسرے حصوں میں بھی بعض افراد مساجد میں جانا ترک کر چکے ہوں، لیکن میرے علم میں آنے والا یہ دوسرا واقعہ ہے۔ پہلا واقعہ بھی کچھ اسی قسم کا ہی ہے۔ اردو صحافی برادری کے ایک بزرگ رکن سردار فاضلی صاحب بیڈن روڈ پر چھٹی مسجد کے پاس رہا کرتے تھے۔ انہوں نے ایک دن مجھے بتایا کہ وہ کسی دوسرے علاقے میں رہائش تبدیل کرنے کے انتظامات کر رہے ہیں کیونکہ اس مسجد کے امام اور خطیب صاحب اپنے تمام تر خطبات اور درس کا موضوع جنسی مسائل بنائے رکھتے ہیں۔ فاضلی صاحب نے بتایا کہ میری جوان بچیاں ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ جنس کے متعلق دینی تعلیم انہیں مسجد کے لاؤڈ سپیکر کی بجائے اپنی ماں سے زیادہ بہتر طریقے سے مل سکتی ہے۔ ہمارے علماء کو جنرل ضیاء کے دور میں بہت سہولیات مہیا کی گئیں لیکن انہوں نے ان سہولیات کو اپنے علم میں اضافے اور جدید معاشرے سے اپنے رویے کو بہتر بنانے میں ہرگز صرف نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کی نوجوان نسل انہیں اچھی نظر سے نہیں دیکھتی۔ ملا اور نوجوان نسل کے درمیان احترام کا ایک باریک پردہ حائل ہے جو کسی بھی وقت گر سکتا ہے۔

تقسیم ہند کے بعد تک بھی علماء کے درمیان چند معزز استثنائی ہستیاں موجود تھیں جن کے تمام تر خیالات سے ہمیں چاہے اتفاق ہو یا نہ ہو لیکن ان کے علم و فضل میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ جماعت اسلامی اور دونوں جمیعت العلماء (پاکستان اور اسلام) میں ایسے مولوی حضرات موجود تھے لیکن عوام الناس پر ان کا اثر محدود تھا کیونکہ یہ حضرات سیاست کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا چکے تھے اور دین کے دیگر پہلو تقریباً نظر انداز کر چکے تھے۔ ایک عرصے تک اسلام آباد کے مولویوں سے میرا قریبی تعلق رہا ہے۔ خاص طور پر ان مولویوں سے جو اوقاف کی مساجد کے امام اور خطیب تھے۔ ۱۹۷۱ء میں میں ان کا افسر تھا جیسا کہ وہ مجھے شفقت سے پکارتے تھے۔ ان میں چند ایک ہی اس حد تک تعلیم یافتہ تھے کہ انہیں بادشاہی مسجد میں تعینات کیا جا سکتا جبکہ باقی تمام اوسط درجہ سے بھی کم تر درجے کے لائق اور ذہین تھے۔ ان کی تنخواہیں اور مراعات افسوس ناک حد تک کم تھیں اور ان کا گزارہ بااستثناء چند ایک، نہایت مشکل سے ہوتا تھا۔ اب بیس سال کے بعد صورتحال خاصی بدل چکی ہے۔ ان کے گریڈ اوپر جا چکے ہیں بہت سوں کے پاس گاڑیاں ہیں اور باقیوں کے پاس موٹر سائکل اور سکوٹر تو یقینی ہیں۔ ان میں سے مشکل سے ہی کوئی ایسا ہو گا جس کا نوکری کے ساتھ ساتھ مالی آمدن کا کوئی اور ذریعہ نہ ہو جو کہ عموماً پرمٹ، لائسنس پلاٹ وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ مراعات انہیں جنرل ضیاء کے دور میں دی گئیں اور آج تک سرکاری سرپرستی میں چل رہی ہیں۔ مولوی کی خوشحالی کا یہ منظر پورے ملک میں دیکھا جا سکتا ہے۔ کون کہتا ہے کہ جنرل ضیاء نے اسلام کے لئے کچھ نہیں کیا؟

میرا پختہ یقین ہے کہ آج اگر تمام مساجد مولویوں سے چھین لی جائیں (مجھے پتہ ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا لیکن مجھے کم از کم خواب تو دیکھنے دیں) تو عام آدمی ان کی جگہ بہتر طور پر سنبھال سکتا ہے۔ ان عام شہریوں میں آپ کو دین سے حقیقی طور پر مخلص، بے تعصب اور عالم فاضل اشخاص مل سکتے ہیں جو حقیقی علم کے نور سے منور ہونگے۔ یہ لوگ محض تنخواہ اور بچے کھچے کھانے کے لالچ میں نہیں بلکہ محض اسلام کی محبت اور اپنے مسلمان بھائیوں کی علمی اور روحانی ترقی کے لئے یہ کام کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ایسا ہو جائے تو چند ہفتوں میں ہی زندگی کے متعلق ہمارے قومی رویے میں ایک صحت مندانہ تبدیلی آجائے گی۔ ایسا کوئی خطبہ نہیں ہو گا

جس نے سردار فاضلی کو گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ فرقہ واریت ایک دم ختم ہو جائے گی اور ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے نہیں جاری کئے جائیں گے۔ لوگ یہ جان جائیں گے کہ اب ایسی بہت سی تفریحات سے لطف اندوز ہوا جاسکتا ہے جن سے لطف اندوز ہونے پر آگ کے عذاب کا اب کوئی ڈر اور خوف نہیں۔ (ابھی چند دن پہلے ایک فتویٰ آیا تھا کہ ٹی وی دیکھنے سے لوگوں کے نکاح ٹوٹ جاتے ہیں۔ لیکن مولوی صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ کنواروں کا کیا ہوگا) اسلام کی بنیادی تعلیم سے ہٹے بغیر ملک میں ایک نئی روحانی اور حقیقی عالمانہ رو دوڑ جائے گی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ لاؤڈ سپیکر سے نجات پانے کی ہماری اجتماعی خواہش پوری ہو جائے گی جس نے نہ بیمار کو بخشا ہوا ہے نہ بچوں کو اور نہ طالب علموں کو۔ بلکہ کئی لوگوں کا تو یہ کہنا ہے کہ فجر کی اذان اور نماز کے درمیانی وقفہ میں ہم لاؤڈ سپیکر پر جو سنتے ہیں وہ کیسٹ پلئیر پر چل رہا ہوتا ہے جب کہ مولوی صاحب اس دوران بستر پر استراحت فرما رہے ہوتے ہیں۔

چالیس پچاس سال پہلے مسجدوں میں لاؤڈ سپیکر نہیں ہوتے تھے۔ کیا اس وقت ہم کم درجہ کے مسلمان تھے؟ بادشاہی مسجد جیسی بڑی مسجد میں اس وقت کے عظیم عالم اور خطیب مولانا غلام مرشد صاحب صرف اذان کے لئے لاؤڈ سپیکر استعمال کرتے تھے۔ اب تو یہ عالم ہے کہ اگر آپ کسی مسجد کے قریب نہیں رہتے تب بھی آدھ میل کے دائرے میں آپ نماز کے تمام ارکان مسجد کے امام کے ساتھ دہرا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسلام کے نام پر جو سمع خراشی کی جاتی ہے وہ الگ ہے۔ ڈپٹی کمشنر حضرات کہتے ہیں کہ لاؤڈ سپیکر کی اجازت صرف اذان کیلئے ہے۔ شاید انہوں نے کانوں میں روئی ٹھونسی ہوتی ہے تبھی انہیں حقیقت سنائی نہیں دیتی۔

پنجاب میں مولوی کی عقل و دانش کی سطح کے بارے میں کچھ بھی کہا جائے، یہ ماننا پڑتا ہے کہ وہ کچھ پڑھے لکھے ضرور ہوتے ہیں اور کئی جگہوں پر سکول ٹیچر کے طور پر کام کرتے ہیں۔ لیکن دوسرے علاقوں میں پڑھا لکھا مولوی ڈھونڈھے سے بھی نہیں ملتا۔ ایک مرتبہ پشاور میں مجھے ایک دوست کے نکاح کا انتظام کرنا تھا۔ میں نے قریبی مسجد کے امام کو پکڑا۔ جب اسے کہا گیا کہ نکاح نامہ پر دستخط کر دو تو اس نے پشتو میں جواب دیا کہ میں صرف انگوٹھا لگا سکتا ہوں دستخط نہیں کر سکتا۔ مسئلہ یہ ہے کہ پاکستان کی کسی بھی حکومت نے یہ کوشش نہیں کی کہ پڑھے لکھے اماموں اور مذہبی معلموں کی ایک کھیپ تیار کرے۔ حتیٰ کہ جنرل ضیاء کے نام نہاد اسلامی دور میں بھی ایسا نہیں ہوا۔ اس نے مولویوں پر عنایات کی بارش کی لیکن ان کی علمی و عملی حالت سدھارنے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ شاید وہ چاہتا تھا کہ یہ ایسے ہی جاہل رہیں۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ ہمیں موجودہ قسم کے مولوی تو ہرگز درکار نہیں ہیں لیکن ہمیں اپنی مساجد کیلئے امام اور خطیب اور سکولوں کیلئے مذہبی استاد بہر حال درکار ہیں۔ یہ حضرات مناسب تعلیم یافتہ ہونے چاہئیں، انہیں انگریزی زبان پر عبور ہونا چاہئے اور اس قابل ہونا چاہئے کہ جدید دور کے نوجوان کے ساتھ، جن کا دماغ وسیع اور روشن ہے اور جن کی شناسائی سائنس اور دیگر جدید مغربی علوم کے ساتھ ہے، گفتگو کر کے انہیں اسلام کی حقانیت اور اس دور میں اس کے قابل عمل ہونے کا یقین دلا سکیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خود کو مذہبی معلم سمجھیں نہ کہ خدا اور انسان کے درمیان رابطے کا ذریعہ۔ (دی نیوز انٹرنیشنل، 7 جون 1997ء۔ حفیظ الرحمان۔ ترجمہ۔ انصر رضا)

اسلامی تحریکوں کے اسلام دشمن رہنماء

مسلمانوں کی مذہبی تحریکوں میں اسلام دشمن طاقتوں نے کس طرح سے اپنے گماشتے داخل کر رکھے ہیں جو مسلم رہنماؤں کا لبادہ اوڑھ کر عالم اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں مصروف ہیں، اس کا ایک ثبوت اسرار عالم صاحب نے اپنی کتاب ''دجال'' حصہ اول صفحہ 55,56 پر اسطرح فراہم کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''ان تفصیلات سے کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ مسلم ملکوں کی تعلیم گاہوں، سول سروس، فوج اور عدلیہ کے سوا دیگر شعبوں میں فریمیسنری کے کاڈر موجود نہیں۔ یہ کاڈر ہر جگہ ہیں یا کم از کم ان میں انفرادی طور پر منسلک و مربوط افراد خواہ وہ سیاسی پارٹیاں ہوں، NGO's ہوں یا بعض طبقاتی تشخصات مثلاً: ڈاکٹر، وکلائ، انجینیر' حتی کہ علمائ، پیر صاحبان اور مشائخ بھی۔ جو بات بے حد افسوسناک ہے وہ یہ ہے کہ پورے عالم اسلام کے سب سے بیدار مغز طبقات یعنی تحریکات اسلامی میں بھی اس تعلق سے بے خبری ہی بے خبری پائی جاتی ہے۔ اس عاجز کا اندازہ ہے کہ ان کے یہاں بھی فریمیسنری نے انکلیو (Enclave) بنا لیے ہیں۔ میں نے

عالم اسلامی کی ایک بہت بڑی تحریک اسلامی کے بڑے قائدین میں سے ایک سے اس تناظر میں بات کی۔ میں نے ان کے سامنے اس صورتحال کو ایک مسئلے کی شکل میں رکھا۔ میں نے پوچھا:

اگر کوئی شخص تحریک میں ہو اور اس کی تنظیمی سرگرمیاں دستور کے مطابق بظاہر اطمینان بخش ہوں اور اس میں کسی غفلت اور تعطل کا احساس نہ پایا جاتا ہو بلکہ وہ دوسرے یا سب سے زیادہ سرگرم نظر آتا ہو اور کسی ذریعے سے قائد تحریک کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ شخص کسی خطرناک اسلام دشمن تحریک سے وابستہ ہے لیکن اس کا کوئی ثبوت بھی نہ ہو تو دستور کے مطابق قائد اسے تحریک میں رہنے یا اسے ذمہ دار منصب تک پہنچنے سے کیسے روک سکتا ہے جب کہ صورتحال یہ ہو کہ دستور میں کسی منصب کی جو اہلیت بتائی گئی ہے اس کا فیصلہ عام ارکان کرتے ہیں جن کی بڑی تعداد کو نہیں معلوم کہ مثلاً: عالم بالکتاب والسنہ ہونے، رسوخ فی الدین کا حامل ہونے یا اہل الرائے ہونے کا حقیقی اور مطلق مفہوم کیا ہے بلکہ عام طور پر وہ اسکے معروف مفہوم کو ہی جانتے ہیں جن میں مطلق کی بجائے اضافی صورتحال کا زیادہ لحاظ رکھا جاتا ہے اور عام طور پر تحریکات میں وابستگی اور اہل الرائے ہونے کا مدار اس پر ہوتا ہے کہ مثلاً کون اپنی تحریروں یا تقریروں سے جو عموماً زیادہ ہوتی ہیں کتنا نمایاں ہے۔ اور بطور خاص اس صورتحال میں کہ اگر: (۱) قائد بلا ثبوت اسے تحریک سے ہٹانا چاہے تو اسے غیر دستوری قرار دیا جائے گا یا (۲) قائد ثبوت نہ ہونے کی صورت میں یا اس کے باوجود اس کے بارے میں تحفظات کا درپردہ یا علانیہ اظہار کرے تو اسے غیبت بلکہ بہتان یا نجویٰ قرار دیا جائے گا۔ تو ان بزرگ قائد نے جواب دیا: بلاشبہ دستور میں تو ایسی کوئی شق نہیں ہے جس کے ذریعہ کسی ایسے شخص کو دستوری طور پر اعلیٰ مناصب تک پہنچنے سے روکا جاسکے۔ خاص طور پر ایسی صورت میں کہ وہ ذی حیثیت اور باوقار بھی ہو۔ لیکن ''ہم تحریک اسلامی کے افراد کی اصابت رائے اور اجتماعی شعور سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ شخص بہت دنوں تک چھپ کر نہیں رہ سکتا۔'' میں نے جواباً پوچھا: ''کیا آپ کی یہ بات آپ کا تصوراتی خیال ہے یا اعتماد یا اس کے پیچھے کوئی واقعہ ہے جس کے تجربے کے بعد آپ اس نتیجے تک پہنچے ہیں۔'' انہوں نے جواب دیا: ''یہ میرا خیال ہے اور مجھے اس پر اعتماد ہے۔'' تب میں نے ان کی جانب معنی خیز نظروں سے دیکھا اس لیے کہ کم از کم ایک ایسے شخص کی حقیقت پا لینے پر اللہ نے اس عاجز کو قدرت دے دی تھی جو پچھلے چالیس سالوں سے رکن ہی نہیں ذمہ دارانہ مناصب پر بھی رہتا آیا تھا اور اسلام دشمن قوتوں سے براہ راست منسلک بھی تھا حتیٰ کہ اس کا اسلام بھی مشتبہ تھا۔''

سیاستدانوں کے علماء کے بارے میں تاثرات

احمدیت کے مقابلہ میں علماء کی ناکامی کا اعتراف۔ قومی اسمبلی پاکستان کی قادیانی مسئلہ پر غور کے لئے خصوصی کمیٹی کی سرکاری رپورٹ۔

قومی اسمبلی کے رکن سردار عنایت الرحمٰن خان عباسی نے احمدیہ مسلم جماعت کی طرف سے قومی اسمبلی میں اٹھائے گئے نکات کا جواب نہ دینے پر علماء پر تنقید کی۔

''لیکن جو مواد انہوں نے (یعنی احمدیہ مسلم جماعت نے) اس ہاؤس کے سامنے رکھا، ہمارے علماء کرام پر بہت بڑا دھبہ ہے، ایک اتنا بڑا چارج ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں اس چارج سے اس دھبہ سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے انہیں اپنے عوام کے سامنے آنا چاہئے۔ آپ کے یعنی مفتی صاحب کے جوابات میں نے پڑھے۔ طویل ڈکشنری جس میں انہوں نے اپنے تمام علم کا ذخیرہ اکٹھا کر دیا تھا، سب میں نے دیکھا، میں نے پڑھا۔ لیکن کہیں ایک جھلک ان چارجز کی، ان کے حقائق کی جو انہوں نے یہاں پیش کئے، خدا جانے وہ سچے ہیں یا جھوٹے ہیں، اگر وہ جھوٹے بھی ہوں تو عقلی طور پر میں تسلیم کرتا ہوں۔ اب آپ نے اس کی تردید نہیں کی تو میرے پاس کیا جواب ہے۔ میں یہ کہوں کہ ان کے جو دلائل ہیں غلط ہیں جو کہ آپ کے اندرونی فرقوں کے متعلق ہیں۔۔۔'' (پیر ۲ ستمبر ۱۹۷۴ء۔ نمبر ۱۸)

لیکن انہوں نے ابھی اپنی بات شروع کی ہی تھی کہ چند اراکین اسمبلی نے شور مچا کر اور پوائنٹ آف آرڈر اٹھا کر انہیں یہ سب کہنے سے منع کر دیا اور چیئرمین نے بھی ان اراکین کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے سردار عنایت الرحمٰن خان عباسی کو علماء پر تنقید کرنے سے منع کر دیا۔ ایک اور رکن اسمبلی، چوہدری جہانگیر علی، نے سردار عنایت الرحمٰن خان

عباسی کے مؤقف کی تائید کرتے ہوئے چیئرمین سے درخواست کہ انہیں بولنے دیا جائے لیکن سپیکر نے رولنگ دے کر سردار عباسی کو خاموش کرا دیا۔ اس پر اس زبردستی روکے جانے پر سردار عنایت الرحمٰن خان عباسی نے کہا:

"چلو رولنگ ہے سپیکر صاحب کی ہے۔ میں صرف اس ضمن میں کہوں گا، تفصیل میں جانا نہیں چاہتا ہوں۔ ہم جو مسلمان ہیں۔ ہم دین سے واقف ہیں جو مناسب جواب ہے اس ہاؤس کے سامنے ہمارے علماء ایک پمفلٹ کی شکل میں لائیں اور ہماری رہنمائی کریں۔" (ایضًا۔ پیر ۲ ستمبر ۱۹۷۴۔ نمبر ۱۸)

ایک اور رکن اسمبلی، کرنل حبیب احمد، نے عباسی صاحب کی تائید کرتے ہوئے اس بات پر تشویش کا اظہار کیا کہ احمدیہ مسلم جماعت کی طرف سے جو دلائل پیش کئے گئے ہیں ان کا جواب علماء کی طرف سے نہ آنے پر وہ لوگ جو اس تمام کاروائی اور احمدیوں کی کتابیں پڑھیں گے وہ گمراہ ہو جائیں گے۔

"کرنل حبیب احمد: پوائنٹ آف آرڈر۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس وقت جو تقریریں ہوئی ہیں اور جو حضرات اپنا مؤقف بان کر رہے ہیں وہ اب تمام کی تمام کتابوں کی شکل میں باہر آجائیں گی اور اس کا زبردست تمام دنیا میں پروپیگنڈہ ہو گا اور ہماری آئندہ آنے والی نسلیں اس کو پڑھیں گی۔ یہ ایک مثبت ریکارڈ ہے اور تاقیامت رہے گا اور اس کو تاریخ اور دنیا کی کوئی چیز مٹا نہیں سکے گی۔ اور ہم بھی یہ توقع کر رہے تھے کہ چوہدری صاحب اور ہمارے دوسرے کئی دوستوں نے یہاں پوائنٹ آؤٹ کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ہمارے علماء کرام جو یہاں تشریف رکھتے ہیں، مولانا صاحبان جو ہم سے بہت زیادہ اسلامی تعلیم رکھتے ہیں، ہم اس بات کو admit کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن کسی نے یہاں کوئی پوائنٹ آف آرڈر نہیں کیا یا دوسری صورت میں پوائنٹ آؤٹ نہیں کیا۔ میں نے اپنی کم عقلی کے باوجود پوائنٹ آؤٹ کیا تھا کہ انہوں نے یہاں فرمایا تھا کہ اگر یہاں کوئی عالم بیٹھا ہے جو عربی جانتا ہے۔ وہ یہ سمجھے گا کہ عربی میں زیر، زبر، پیش سے کیا مطلب ہوتا ہے اور کیسے مفہوم تبدیل ہو سکتا ہے۔ ہمارے یہ علماء کے لیے اتنا بڑا چیلنج تھا لیکن ان میں سے کوئی بھی نہیں اٹھا۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ان کے جواب میں۔۔۔

<u>جناب چیئرمین</u>: پوائنٹ آف آرڈر پیش کر لیا ہے تشریف رکھیں۔

<u>کرنل حبیب احمد</u>: عباسی صاحب جو تقریر فرما رہے ہیں وہ نہایت مدلل اور convincing ہے۔ اب میں یہ کہتا ہوں کہ وہ ریکارڈ پر بھی آئے گی۔ یہ تاریخ ہے اور ایک اسلامی تاریخ ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ انہوں نے جو جواب یہاں دیئے ان دلائل کو زیر بحث نہ لایا گیا۔ ان کے مؤقف کو جو نہایت خطرناک تھا، ان کے جوابات کتاب کی شکل میں کیوں نہیں آئے۔ چونکہ میرا بیٹا اور اس کا بیٹا، ہماری نسلوں کی نسلیں بھی ان کو پڑھیں گی، ہمارے علماء کے بیانات پڑھیں گے، تو وہ اپنے ذہن میں کیا تصور پیش کریں گے۔ مثلاً میں یہ کہتا ہوں کہ جو عباسی صاحب نے فرمایا وہ درست فرمایا ہے۔ ہمارے کئی دوست اس طرف بیٹھے ہیں اس وقت یہ پوائنٹ آؤٹ کیا لیکن کوئی بات نہیں بنی۔ اور ہمارے ایڈووکیٹ جنرل صاحب نے ایک ایسی معیاری ایڈووکیسی کی کہ جس کی کوئی مثال نہیں ہے۔ میرے نزدیک وہ بھی مجھ سے زیادہ عالم ہوں گے۔ لیکن میں یہ چاہتا تھا کہ ہمارے علماء میں اس قسم کا کوئی مذاکرہ ہوتا تاکہ ہم کو بھی پتہ ہوتا۔ میں سنی ہوں لیکن خدا گواہ ہے اگر ہم سنی ہیں تو ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم سنی ہیں۔ یہ میری اپنی بات ہے۔" (ایضًا۔ پیر ۲ ستمبر ۱۹۷۴۔ نمبر ۱۸)

"<u>ملک محمد جعفر</u>: میری آخری تجویز تبلیغ کے متعلق ہے۔ میں سمجھتا ہوں جناب! کہ یہ بہت بڑی کوتاہی ہے ہمارے علماء کی۔ ان کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا چاہئے اور اس کمزوری کو ماننا چاہئے۔ یعنی جس کو ہم کہتے ہیں ختم نبوت، یہ ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے عقیدۂ اسلام میں۔ تو یہ کیونکر ہوا۔ ایک اسلامی معاشرہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا، اور دعوے میں اتنا تضاد، اور اپنے باقی کاروبار بھی، عورتوں کے متعلق بھی، سب چیزوں میں اتنی خرابیاں۔ اور الہام جو ہیں بالکل بے معنی اور بے ربط ہیں۔ ان ساری چیزوں کے باوجود اسلامی معاشرے میں پڑھے لکھے لوگ، عالم، سیّدوں کے خاندان کے، مولوی نورالدین جیسے لوگ اور مولوی محمد علی، یہ لوگ کیوں اس جماعت میں شامل ہو گئے۔ اگر ہمارے علماء جن کے متعلق قرآن کریم میں حکم ہے مسلمانوں کو کہ تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا

چاہیئے۔۔ یہ علماء کے متعلق ہے۔۔ جو لوگوں کو ہدایت کی راہ دکھائے پھر علماء کے متعلق حدیث یہاں بیان ہوئی ہے۔(عربی)میری امت کے علماء جو ہیں بنی اسرائیل کے انبیاء کے برابر ان کا مقام ہے۔ اتنا بڑا مقام۔ ایک غلط مدعی نبوت اسلامی معاشرہ میں پیدا ہوا اور اس کی جماعت ترقی کرتی جائے اور اس حد تک ترقی کر جائے۔ یہ تبلیغ کا فریضہ ہمارے علماء اور باقی لوگوں کو بھی ادا کرنا چاہیئے۔ لیکن ہم نے ادا نہیں کیا۔ ہم نے جب دیکھا کہ وہ بہت بڑے منظم ہو گئے ہیں، طاقتور ہو گئے ہیں، خاصی جمعیت ہو گئی ہے تو یہ شروع ہو گئی تحریک۔ لیکن ساتھ تبلیغ ہونی چاہئے کیونکہ یہ ہمارے معاشرے میں سے گمراہ ہو گئے۔ یہ خود بھی نہیں ہوئے بیچارے۔ بیشتر ایسے ہیں، میرے خیال میں ایک فیصد بھی نہ رہے ہیں، جو اس وقت شامل ہوئے تھے۔ اب ان کے بیٹے پوتے وغیرہ ہیں۔ ان کو تو پتہ بھی نہیں ہے۔ ہم اگر تبلیغ کا کام کریں صحیح طریقے پر تو کوئی وجہ نہیں، کیونکہ ہمارے پاس حق ہے اور اس طرف باطل ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ حق باطل پر غالب نہ آجائے۔"(ایضًا۔ جمعرات ۵ ستمبر ۱۹۷۴ء۔ نمبر ۱۹)

احمدیہ مسلم جماعت کے خلاف فیصلہ پر سزا کا اقرار

"شہزادہ سعید الرشید عباسی: جناب والا میں اس علاقے سے تعلق رکھتا ہوں جسے پاکستان بننے سے پہلے اور ون یونٹ کے وقت ریاست بہاولپور کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ریاست بہاولپور پنجاب کی سب سے بڑی اسلامی ریاست تھی۔ یہاں اسلام کا بول بالا تھا اور اسلامی قانون نافذ تھے۔ چنانچہ اس سرزمین پر نواب الحاج صادق محمد خان عباسی کے دور میں ایک بڑا اہم واقعہ پیش آیا۔ یہ ایک مقدمہ تھا جو ۱۹۲۶ء میں دائر ہوا اور جو بعد میں فیصلہ بہاولپور کے نام سے مشہور ہوا۔۔۔ یہ فیصلہ بہاولپور کے مسلمانوں نے قادیانیوں کے خلاف کیا اور اس کی سزا آج تک ہمیں مل رہی ہے۔"(ایضًا۔ پیر ۲ ستمبر ۱۹۷۴ء۔ نمبر ۱۸)

ڈاکٹر مہاتیر محمد

"اسلامی دنیا میں فکری اعتبار سے مسلسل تاریکی چھائی ہوئی ہے اور ہر جگہ مسلمان اغیار کی نگاہوں میں معتوب نظر آرہا ہے۔ یہ انتہائی تکلیف دہ صورتحال ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ ہم نے اپنے معاملات مولوی حضرات کے ہاتھوں میں دے دیئے ہیں جو جدید علوم سے نہ صرف بے بہرہ ہیں بلکہ انہوں نے اسلام کی آفاقی تعلیمات کو جدید علوم کی روشنی میں پرکھنے یا مشاہدہ کرنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔" (کوالالمپور فورم کیا تھا؟ آغا مسعود حسین، روزنامہ جنگ 9 اگست 2002ء)

مسلمان علماء کے ایک دوسرے پر قرآن وحدیث میں تحریف کے الزامات

"دیوبندیوں نے اپنے مسلک کے دفاع کے لئے قرآن وحدیث کو بھی معاف نہیں کیا اور اپنے مسلک کو صحیح اور درست ثابت کرنے کے لئے قرآن وحدیث میں تحریف کر ڈالی۔ چنانچہ اس کتاب میں دیوبندیوں کی واضح اور مبینہ خیانتوں کو ان کی محرف کتابوں کے فوٹو اسٹیٹ کے ذریعے ظاہر اور واضح کیا گیا ہے۔ پھر حدیث کی اصل کتب کے بھی فوٹو دے کر ان کی خیانتوں کی نقاب کشائی کی گئی ہے جس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ دیوبندی بھی تحریف کے معاملے میں یہود و نصاریٰ کے نقشِ قدم پر چل پڑے ہیں۔" (قرآن و حدیث میں تحریف۔ ص2۔ مرتبہ ابو جابر عبد اللہ دامانوی۔ ناشر مدرسہ ام المومنین حفصہ بنت عمر فاروقؓ کیماڑی کراچی)

اس کے جواب میں ایک دیوبندی عالم حافظ محمد حبیب اللہ ڈیروی نے "تنبیہ الغافلین علیٰ تحریف الغالین۔ قرآنی آیات، حدیث مبارکہ، فتاویٰ جات میں غیر مقلدین کے تحریفی کارناموں کا بیان" کے نام سے ایک کتاب لکھ کر غیر مقلد اہلحدیث علماء کی طرف سے ان پر لگائے گئے تحریف کے الزامات کا جواب دینے کے ساتھ ساتھ اہلحدیث علماء پر تحریف کے 118 الزامات لگائے اور متعدد بار انہیں یہودیوں کے مشابہ قرار دیا۔ بلکہ کتاب کے پہلے صفحہ پر قرآنِ کریم کی آیت

"يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهٖ" لکھی ہے جو علمائے یہود و نصاریٰ کی ان کی کتابوں میں تحریف کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ اسی طرح دیوبندیوں نے بریلویوں پر بھی تحریف کا الزام لگاتے ہوئے لمبی چوڑی مثالیں دی ہیں جو اس مندرجہ ذیل ویب سائٹ پر ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

http://www.ownislam.com/articles/urdu-articles/barelviat/1710-barelvi-yahood-ke-naqsh-qadam-par

بریلوی علماء نے بھی ایک مضمون بعنوان "تحریفات" میں دیوبندی اور اہلحدیث علماء پر تحریف کے الزامات لگائے ہیں۔یہ مضمون www.islamieducation.com/urمضامینtehrifat.html/ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

قرآن سے استنباط کے متضاد اصول

مخالف کے قرآن سے استنباط کو رد کرنے کے لئے یہ علماء کبھی ظاہری معنی لینا کفر قرار دے دیتے ہیں، کبھی شانِ نزول کی قید لگا دیتے ہیں، کبھی قرآن فہمی کے لئے درجنوں علوم کا ماہر ہونا لازمی قرار دیتے ہیں، اور کبھی سابقہ مفسرین کی تفسیر کو حتمی سمجھنے پر اصرار کرتے ہیں۔ لیکن اپنے مسلک و عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے ان اصولوں کو مکمل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ دیکھئے علماء کی قرآن فہمی کے متعلق مختلف بلکہ متضاد آراء!

قرآن مجید سمجھنے کے لئے کتنے علوم کا جاننا ضروری ہے؟

"اس وقت ہندوستان کیا تقریباً تمام عجمی ممالک میں جن میں ترکستان و ایران اور افغانستان ہندوستان کے قریبی ہمسایہ تھے۔۔۔ اور انہیں کے رجحانات، مشاغل، ذوق اور تسلیم شدہ حقائق کا سایہ ہندوستان کے علمی و دینی حلقوں پر پڑتا تھا، یہ تسلیم کر لیا گیا تھا کہ قرآن مجید اخص الخواص طبقہ کے مطالعہ، غور و فکر اور فہم و تفہیم کی کتاب ہے، جس کا سمجھنا ایک درجن سے زیادہ علوم پر موقوف ہے، اس کو عوام میں لانا، عوام کو براہ راست اس کے مطالب سے واقفیت پیدا کرنے اور اس سے ہدایت اور روشنی حاصل کرنے کی دعوت دینا سخت خطرناک، ایک بڑی گمراہی اور فتنہ کا دروازہ کھولنے کے مرادف ہے، اور عوام میں ذہنی انتشار، خودرائی، اور علماء سے بے نیازی، بلکہ بغاوت اور سرکشی کی دعوت دینا ہے، اس طرزِ خیال اور دلیل کو ایک مختصر رسالہ "تحفۃ الموحّدین" میں بڑی خوبی سے بیان کیا گیا ہے:۔

"بعض لوگ کہہ بیٹھتے ہیں کہ قرآن مجید اور حدیث کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو بہت سے علم اور کتابیں پڑھا ہوا ہو، اور اپنے زمانہ کا علّامہ ہو، ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ" (الجمعہ۔۲) (خدا تعالیٰ وہ ہے جس نے اَن پڑھوں میں پیغمبر بھیجا انہیں ان پڑھوں میں سے، پڑھتا ہے وہ پیغمبر ان ان پڑھوں پر خدا کی آیتیں اور ان کو گناہ کے میل سے پاک کرتا اور کتاب اور اس کی تدبیر سکھاتا ہے) یعنی رسول خدا ﷺ بھی ان پڑھ اور آپؐ کے اصحاب بزرگوار بھی ان پڑھ تھے، مگر جب رسول خدا ﷺ نے اپنے اصحاب کے سامنے قرآن کی آیتیں پڑھیں، تو وہ ان کو سُن کر ہر قسم کی بُرائی اور بگاڑ سے پاک صاف ہو گئے۔ پس اگر ناخواندہ آدمی قرآن و حدیث نہیں سمجھ سکتا، اور اس کی سمجھ کی استعداد نہیں رکھتا تو صحابہؓ برائی اور عیبوں سے کیونکر پاک صاف ہو گئے؟ اس قوم پر سخت افسوس ہے جو "صدرہ" سمجھنے اور "قاموس" جاننے کا تو دعویٰ کرتے ہیں، مگر قرآن و حدیث کو سمجھنے میں اپنے آپ کو محض نادان ظاہر کرتے ہیں اور بعضے یوں کہتے ہیں کہ ہم پچھلے لوگ ہیں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کی برکت اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دل کی سلامت کہاں سے لائیں جو قرآن و حدیث کے معنی بخوبی سمجھ سکیں، ان کے جواب میں حق تعالیٰ فرماتا ہے "وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" (الجمعہ۔۳) یعنی پچھلے لوگ خواہ پڑھے ہوئے ہوں یا ان پڑھ مگر جبکہ وہ مسلمان ہوں اور اصحاب کے طریقہ کی پیروی کا ارادہ کریں، اور قرآن و حدیث کو سنیں تو انہیں بھی پاک کرنے کے لئے یہی قرآن و حدیث کافی ہو سکتی ہیں، اور فرماتا ہے "وَلَقَدْ

یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ"(القمر۔۲۲)(اور البتہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے واسطے آسان کر دیا، پس کیا کوئی نصیحت لینے والا ہے؟) یہ کیونکر آسانی ہوسکتی ہے کہ "کافیہ" پڑھنے والے اور "شافیہ" جاننے والے تو اس کے معنی سمجھنے سے عجز ظاہر کرتے، اور عرب کے جنگلی لوگ اس کی حقیقت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک جگہ یوں فرمایا ہے "اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ"(محمد۔24) کہ (قرآن میں کیوں نہیں فکر کرتے) پس اگر قرآن مجید آسان نہ ہو تو اس میں فکر کیونکر کیا جائے "اَمۡ عَلٰی قُلُوۡبٍ اَقۡفَالُهَا"(محمد۔24)(یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں) یعنی باوجودیکہ دلوں پر قفل نہیں لگے ہوئے ہیں، پھر بھی کیسی گمراہی ہے قرآن کے فکر میں زور نہیں لگاتے۔ (حاشیہ: تحفۃ الموحدین صفحہ 5,6,7 مطبوعہ المکتبۃ السلفیۃ، شیش محل روڈ لاہور"(تاریخ دعوت و عزیمت جلد پنجم صفحہ 142-144۔ از مولانا سیّد ابوالحسن علی حسنی ندوی)

قرآن و حدیث کے ظاہری معنی لینا کفر!

"حدیث و قرآن کے محض ظاہری معنی لینا کفر کی جڑ ہے"(جآء الحق وزھق الباطل از مولوی احمد یار خان بدایونی۔ صفحہ 26)

قرآن مجید کی تفسیر کے معیار

"قرآن کی قرآن سے تفسیر۔۔۔ رسول اللہ ﷺ کی تفسیر۔۔۔ صحابہ کرامؓ کی تفاسیر۔ امام الحدیث حاکم نے کہا ہے کہ تفاسیر صحابہ سے اس جگہ صرف وہ تفاسیر مراد ہیں جو شانِ نزول وغیرہ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، مطلقاً اقوالِ صحابہ مراد نہیں، خود حاکم نے اپنی کتاب علوم الحدیث میں اس کی تصریح فرمادی ہے۔۔۔ تابعین رحمھم اللہ کے اقوال دربارۂ تفسیر۔۔۔ ائمہؒ کی تفاسیر: ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن ماجہ، حاکم، ابن مردویہ، ابوالشیخ ابن حبان، ابن المنذر، ابن کثیر، درمنثور لیکن ان سب میں سیوطیؒ نے ابن جریر کو ترجیح دیتے ہوئے کہا: علماء معتبرین نے اس پر اجماع و اتفاق کیا ہے کہ فن تفسیر میں اس جیسی کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔۔۔ یہ پانچ اصول ہیں جو قرآن عزیز کی صحیح تفسیر کا معیار ہیں، جو تفسیر ان اصول کے مطابق ہے وہ علماً قابل اعتماد ہے اور جو اس پر درست ثابت نہ ہو وہ قرآن مجید کی تحریف اور زندقہ و الحاد ہے، اسی کو تفسیر بالرائے کہا جاتا ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ صحابہ و تابعین اور اسلاف متقدمین کی تفسیروں کے بعد ان کے خلاف کوئی قول ایجاد کرنا اور آیت کی مراد اُن سب کے خلاف قرار دینا صاف معنی یہ رکھتا ہے کہ العیاذ باللہ تیرہ سو برس تک تمام امّت نے قرآن کا مطلب غلط سمجھا، صحابہ کرامؓ اور پھر تابعینؒ اور تبع تابعین اور پھر تمام ائمہ سلف صالحین میں سے کسی کو حق کی طرف ہدایت نہ ہوئی، یہ ایک ایسی بات ہے کہ جس کا کوئی مسلمان جو قرآن مجید کو خدا کی کتاب جانتا ہے قائل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ وہ مفسدۂ عظمٰی ہے کہ اسلام کی بیخ و بنیاد کو ہلا دینے والا ہے، بلکہ اگر انصاف سے کام لیا جائے تو کوئی منصف کافر بھی اس بیہودگی کو اختیار نہیں کر سکتا۔۔۔ غرض آج ہمارے لئے تفسیرِ قرآن کے بارے میں سیدھا راستہ اور سہل طریق اور سب سے زیادہ قابلِ اطمینان ذریعہ جس میں غلطی کا احتمال نہیں وہ صرف یہی ہے کہ ہم صحابہ و تابعین اور ائمہ متقدمین کی تفسیروں پر اعتماد کریں اور ان کے خلاف اگر کوئی معنی سمجھ میں آئیں تو اس کو اپنا قصورِ فہم خیال کریں"(ختم نبوت کامل از مفتی محمد شفیع۔ صفحہ 37 تا 46)

نئی لیکن ٹھکانے کی بات!

دیوبندی فرقہ کے اتنے بڑے عالم ہونے کی مناسبت سے چاہئے تو یہ تھا کہ جن کے یہ پیروکار ہیں ان کے نزدیک بھی قرآنِ کریم کی تفسیر کا یہی معیار ہو۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ دیوبندی فرقہ کے بانی حضرت مولانا قاسم نانوتوی صاحب پر جب ایک آیت کی تفسیر میں بالکل نئی بات کہنے کا الزام لگایا گیا جو قدیم مفسرین سے منقول نہیں تو وہ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اگر بوجہ کم التفاتی بڑوں کا فہم کسی مضمون تک نہ پہنچا تو ان کی شان میں کیا نقصان آگیا۔ اور کسی طفل نادان نے کوئی ٹھکانے کی بات کہدی تو کیا اتنی بات سے وہ عظیم الشان ہو گیا" تحذیر الناس صفحہ۔35)

"اب یہ گزارش ہے کہ ہر چند آیۃ اللہ الذی خلق سبع سمٰوٰت کی یہ تفسیر کسی اور نے نہ لکھی ہو پر جیسے مفسّران متاخرنے مفسران متقدم کا خلاف کیا ہے میں نے بھی ایک نئی بات کہہ دی تو کیا ہوا معنے مطابقی آیہ اگر اس احتمال پر منطبق نہ ہوں تو البتہ گنجائش تکفیر ہے اور یوں کہہ سکتے ہیں کہ موافق حدیث من فسّر القرآن برایہ فقد کفر یہ شخص کافر ہو گیا پر اس صورت میں یہی گنہگار تنہا کافر نہ بنے گا یہ تکفیر بڑے بڑوں تک پہنچے گی۔" (تحذیر الناس صفحہ 47)

ایک آیت کے کئی معنی ہو سکتے ہیں

حضرت مولانا قاسم نانوتوی صاحب کے اس بیان کی صفائی پیش کرتے ہوئے ایک اور دیوبندی عالم محمد منظور نعمانی صاحب لکھتے ہیں:

"اور یہ ممکن ہے کہ ایک وقت میں ایک آیت کے کئی معنی ہوں۔ حدیث شریف میں خود جناب رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں "لکل آیۃ منھا ظھر و بطن ولکل حد مطلع "یعنی قرآن عزیز کی ہر ایک آیت کے دو قسم کے معنی ہیں۔ ایک ظاہری (جس کو ہر زبان دان سمجھ سکتا ہے) دوسرے باطنی (جس کو خواص ہی سمجھتے ہیں نہ عوام) یہ حدیث صحاح میں موجود ہے۔ اب اگر کسی آیت کے کوئی معنی خود آنخضرت صلعم یا کسی صحابی نے بیان کر دیئے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے نزدیک اس کے بس وہی معنی ہوں نہ کوئی دوسرے۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے وہ معنی بھی ہوں اور کوئی دوسرے معنی بھی ہوں۔ بس ایسے ہی سمجھ لیجئے کہ لفظ خاتم النبیین کے وہ معنی بھی ہیں جو عام طور پر مشہور ہیں (یعنی یہ کہ آپ سب سے آخری نبی ہیں) اور وہ معنی بھی جن کو مولانا محمد قاسم صاحب مرحوم نے بیان فرمایا ہے۔ اور اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ قاضی بیضاوی نے تفسیر بیضاوی شریف میں جہاں بقرۃ بنی اسرائیل کا قصہ آیا ہے۔ اوّلاً ان آیات کے وہ معنی بیان کئے جو عام طور پر مشہور ہیں اور جن کو سب لوگ سمجھتے ہیں اور وہی ظاہر قرآن عزیز سے سمجھ میں بھی آتے ہیں۔ اس کے بعد ایک نئے معنی بیان کئے اور وہ یہ کہ بقرۃ سے نفس انسانی مراد لیا جائے اور اس کے ذبح کرنے سے جہاد بالنفس۔ تو اس سے ہر گز یہ نہیں سمجھا جاتا کہ قاضی بیضاوی نے مشہور معنی کو چھوڑ دیا۔ بلکہ یہ کہا جائے گا کہ انہوں نے معنی مشہور بھی لئے اور اس کے علاوہ ایک اور دوسرے باریک معنی بھی بتائے جو عوام کے خیال سے بالاتر تھے۔ علیٰ ہذا خاتم الولایت حضرت شیخ محی الدین اکبر ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر کو ملاحظہ فرمائیے۔ مشکل سے کوئی آیت ایسی ملے گی جس کے انہوں نے وہ معنی کئے ہوں جو آنخضرت ﷺ یا صحابہ یا تابعین یا ائمہ مفسرین سے منقول ہوں۔ بلکہ اکثر آیات کے معنی ایسے عجیب وغریب بیان کئے ہیں جن کو دیکھ کر بھی حیرت ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ بہت سی وہ آیات جن کی کوئی تفسیر خود جناب رسول اللہ صلعم یا صحابہ کرام سے منقول ہے ان کی تفسیر میں بھی انہوں نے کوئی نئے معنی ہی بیان کئے ہیں۔ لیکن اس سے ہر گز یہ نہیں سمجھا جاتا کہا نہوں نے آنخضرت صلعم یا صحابہ کی بیان کر دہ تفاسیر کو چھوڑ دیا معاذ اللہ بلکہ دنیا بھر کے علماء اس کا یہی مطلب سمجھتے ہیں کہ ان کے نزدیک وہ معانی تو مسلم ہیں ہی ان کے علاوہ دوسرے باریک معنی بیان کرتے ہیں جس کو ہر شخص قرآن عزیز سے نہیں سمجھ سکتا تھا بلکہ یہ تو قرآن عزیز کا معجزہ ہے۔ جناب رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں لا تنقضی عجائبہ (یعنی قرآن عزیز کے عجائب وغرائب تابقاءِ دنیا ختم ہونے والے نہیں)" (منظور نعمانی۔ فتوحات نعمانیہ، صفحہ۔73،74)

شانِ نزول کا اعتبار نہیں

"اعتبار آیت کے عام الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ شانِ نزول کے مخصوص حالات کا۔" (تقلید کی شرعی حیثیت از مفتی محمد شفیع عثمانی صفحہ۔21)

قرآن فہمی میں ان علماء نے جو متضاد اصول اپنائے ہیں اُن سے کہیں بڑھ کر دست درازیاں احادیث میں کی ہیں۔ایک اہلحدیث عالم لکھتے ہیں کہ اپنا مسلک ثابت کرنے کے لئے حنفی علماء ثقہ راوی کو ضعیف اور ضعیف کو ثقہ ثابت کر دیتے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر وہی راوی جو ایک جگہ ان کے حق میں روایت پیش کر رہا ہو ثقہ ہوتا ہے اور دوسری جگہ ان کے خلاف روایت پیش کر رہا ہو تو ضعیف قرار پاتا ہے۔ اپنے حق میں مُرسل روایت بھی حجت ہوتی ہے اور اپنے خلاف مُرسل کسی کی بھی ہو ضعیف اور ناقابل حجت ٹھہرتی ہے۔ کبھی کسی صحابی کی موقوف روایت بھی مرفوع کے حکم میں مانی جاتی ہے کبھی فہم صحابی اور موقوفِ صحابی کو یکسر رد کر دیا جاتا ہے اور قیاس کو اس پر ترجیح دی جاتی ہے۔ کبھی بخاری کو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کہا جاتا ہے کہیں یہ لکھا بھی پایا گیا ہے کہ بخاری کی بھی ساری حدیثیں قطعی الثبوت نہیں ہیں۔ کبھی خبرِ آحاد یعنی محض ایک فرد سے روایت کردہ حدیث رد کر دی جاتی ہے کبھی اسے مان لیا جاتا ہے۔یعنی میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو!

موقوف صحابی مرفوع کے حکم میں!

"حضرت مولانا رشید احمد صاحب کو میں نے سُنا کہ فرماتے تھے: یہ حدیث ہر چند کہ موقوف جابر رضی اللہ عنہ پر ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ احکام کے متعلق ہے کہ صحابی اپنی طرف سے یہ استثناء نہیں کر سکتا تھا۔"(تذکرۃ الرشید از عاشق الٰہی۔ حصہ اوّل صفحہ۔92)

موقوف صحابی حجت نہیں

"فہم صحابی اور موقوف صحابی حجت نہیں ہے خصوصًا قرآن کریم، صحیح احادیث اور جمہور حضرات صحابہ کرامؓ کے آثار کے مقابلہ میں (احسن الکلام صفحہ156)۔۔۔فریق ثانی نے اپنے اس دعویٰ پر کہ امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے ورنہ نماز ناقص، بیکار، کالعدم اور باطل ہو گی، حضرات تابعینؒ و اتباع تابعینؒ و غیر ہم کے آثار اور اقوال سے بھی استدلال کیا ہے حالانکہ ان کے نزدیک در موقوفات صحابہؓ حجت نیست اگر چہ بصحت رسد (احسن الکلام صفحہ۔159)"

صحاح السِتّہ بھی قطعی نہیں!

"لیکن یہ بات نہ بھولنی چاہئے کہ صحاح ستّہ کی اکثر احادیث بھی تو قطعی الثبوت نہیں ہیں۔"(مقدمہ تحذیر النّاس۔ علامہ خالد محمود صفحہ۔۹)

کوئی ایسا نہیں جسے سب ثقہ کہیں

"۔۔۔فن رجال سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والے حضرات بھی بخوبی اس امر سے واقف ہیں کہ کوئی بھی ایسا ثقہ جس پر جرح کا کوئی کلمہ منقول نہ ہو یا ایسا ضعیف جس کو کسی ایک نے بھی ثقہ نہ کہا ہو کبریتِ احمر کے مترادف ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ کا رتبہ کس سے مخفی ہے؟ اور الصحابۃ کلھم عدول کے جملہ سے کون اہل علم ناواقف ہے؟ مگر خوارج اور روافض کا نظریہ بھی ان کے بارے میں پوشیدہ نہیں ہے"(احسن الکلام فی ترک القراۃ خلف الامام از سرفراز خان صفدر۔ صفحہ۔61)

اپنی فقہ و عقائد پر حدیث کی صحت کا معیار

"اس گروہ کے نزدیک حدیث تب قابل حجت ہے جب اس سے ان کا کوئی فقہی مسئلہ یا ان کا خود ساختہ عقیدہ و مسلک ثابت ہوتا ہو، چاہے وہ روایت مسلّمہ اصولِ تحقیق کی رو سے پایۂ اعتبار سے ساقط ہو۔ لیکن جو حدیث اس کے برعکس ہو، چاہے وہ سند کے اعتبار سے کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی ہو، وہ ان کے نزدیک ناقابلِ اعتبار ہے۔

چنانچہ صحیحین (بخاری و مسلم) کی روایات سے، جن کی صحت پر علماء وفقہائے امت کا اتفاق ہے، جان چھڑانے کے لئے ان کے ثقہ راویوں کو مجروح ثابت کرنا اور تیسرے چوتھے درجے کی کتب احادیث سے یکسر ضعیف اور ناقابل اعتبار روایات سے استدلال کر کے اپنے مزعومہ عقائد اور مسائل فقہ کو ثابت کرنا اس گروہ کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ اور اس میں امانت و دیانتِ علمی کا جس طرح خون کیا جاتا ہے اور خوفِ خدا سے بے نیازی کا جس دیدہ دلیری سے ارتکاب کیا جاتا ہے وہاں سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔" (اہلِ حدیث کا منہج اور احناف سے اختلاف کی حقیقت و نوعیت مصنف حافظ صلاح الدین یوسف صفحہ 57)

ایک ہی راوی کبھی ثقہ کبھی ضعیف

"یہی حال ان احادیث کی صحت و ضعف کے معاملے میں ہے جو اختلافی مسائل میں مدارِ بحث بنتی ہیں۔ ان میں نہایت بے خوفی کے ساتھ امانت و دیانت کا خون کر کے ثقہ راویوں کو ضعیف اور ضعیف راویوں کو ثقہ ثابت کرنے پر سارا زور صرف کیا جاتا ہے۔۔۔ اس میں ایک لطیفہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک راوی اپنی کسی من پسند روایت میں ہوتا ہے تو اسے اس وقت ثقہ باور کرایا جاتا ہے اور وہی راوی جب اس روایت میں آتا ہے جس سے دوسرا فریق استدلال کرتا ہے تو وہ ضعیف قرار پاتا ہے۔ ایک اور لطیفہ یہ ہوتا ہے کہ ایک حدیث میں دو تین باتیں ہوتی ہیں، ان میں سے کوئی ایک بات تو قبول کرلی جاتی ہے کہ اس سے ان کے کسی فقہی مسئلے کا اثبات ہوتا ہے اور دوسری باتیں رڈ کر دی جاتی ہیں کیونکہ وہ فریقِ مخالف کے موافق ہوتی ہیں، حالانکہ حدیث ایک ہے سند ایک ہے۔ اگر وہ حدیث صحیح ہے تو اس میں بیان کردہ ساری ہی باتیں صحیح ہیں، ان میں سے کسی بات کو مان لینا اور بعض کو نہ ماننا، اسے کون معقول طرزِ عمل قرار دے سکتا ہے؟ اسی طرح اگر وہ ضعیف ہے تب بھی معاملہ ایسا ہی ہے، اس کی ساری باتیں ناقابل تسلیم ہونی چاہئیں، اس کا کوئی ایک جز قابل استدلال نہیں ہو سکتا۔ یہ لطائف ہمارے فقہی جدل و مناظرہ میں عام ہیں۔" (ایضًا صفحہ۔ 93,94)

جسے حنفی علماء صحیح کہیں وہی حدیث صحیح ہے

"اسی گروہ کے ایک "شیخ الحدیث والتفسیر" منور احمد صاحب ہیں۔ ان کی ایک کتاب "بارہ مسائل" کے نام سے مطبوع ہے۔ یہ کتاب مغالطات و تلبیسات بلکہ کذبات و خداعات کا مجموعہ ہے۔ موصوف اس کے حصہ اوّل میں تحریر کرتے ہیں: "احادیث کی صحت و ضعف کے بارے میں ہمارا اصول یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ حضرات نے آثار صحابہ اور آثار تابعین و تبع تابعین اور عملی تواتر کی روشنی اور رہنمائی میں اپنے اجتہادی اصولوں کے تحت جن جن احادیث کے معمول بہ و صحیح ہونے کا فیصلہ فقہی مسائل کی صورت میں دیا ہے ہمارے نزدیک وہی صحیح ہیں، اگرچہ محدثین ان کو سند کے اعتبار سے ضعیف لکھ دیں اور جن حدیثوں کو ان حضرات نے غیر معمول بہا قرار دیا ہے وہ ہمارے نزدیک ضعیف ہیں، اگرچہ محدثین ان کو سندًا صحیح قرار دیں۔" (ایضًا صفحہ۔ 99)

ایک دیوبندی مصنف کی کتاب "اسلام میں امام مہدی کا تصور" میں اس محولہ بالا الزام کی تصدیق کی گئی ہے

"اہل علم نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اگر کوئی مجتہد کسی حدیث سے استدلال کرتا ہے تو گویا وہ پہلے اس حدیث کے صحیح ہونے کا حکم لگاتا ہے۔ پھر اس سے استدلال کرتا ہے۔ اس اصول کے پیش نظر جب سلف صالحین اس پیشگوئی کے معتقد رہے تو انہوں نے اس سلسلے کی وارد شدہ احادیث کو صحیح قرار دے دیا۔ پھر بعد میں سند کے ضعیف ہونے سے اس پر کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔" (صفحہ۔ 230)

مرسل جس کی بھی ہو ضعیف ہے

"مرسل اور بلاغات والی روایت زہری کی ہو یا کسی دوسرے تابعی کی ہمیشہ ضعیف و ناقابل حجت ہوتی ہے۔" (توفیق الباری فی تطبیق القرآن و صحیح البخاری از حافظ زبیر علی زئی۔ صفحہ۔ 25)

بریلوی فرقہ کی طرف سے شائع ہونے والے ایک رسالہ کنزالایمان نے 1995 میں تحریک پاکستان نمبر شائع کیا جس میں دیوبندی علماء کا پاکستان مخالف ہونا مصدق حوالہ جات کے ساتھ ثابت کیا گیا۔ اس میں سے چند حوالہ جات پیشِ خدمت ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ طلباء دیوبند کا سلوک

"دارالعلوم دیوبند کے طلباء نے جو گندی گالیاں اور فحش اشتہارات اور کارٹون ہمارے متعلق چسپاں کئے جن میں ہم کو ابو جہل تک کہا گیا اور ہمارا جنازہ نکالا گیا، آپ حضرات (اکابر علماء دیوبند) نے اس کا بھی کوئی تدارک کیا تھا؟ آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت دارالعلوم کے تمام مدرّسین، مہتمم اور مفتی سمیت (باستثناء ایک دو کے) بالواسطہ یا بلاواسطہ مجھ سے نسبت تلمّذ رکھتے تھے، دارالعلوم کے طلباء نے میرے قتل تک کے حلف اٹھائے اور وہ فحش اور گندے مضامین میرے دروازے میں پھینکے کہ اگر ہماری ماں بہنوں کی نظر پڑ جائے تو ہماری آنکھیں شرم سے جھک جاتیں۔ کیا آپ میں سے کسی نے بھی اس پر ملامت کا کوئی جملہ کہا بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ بہت سے لوگ ان کمینہ حرکتوں پر خوش ہوتے تھے۔(صفحہ۔112)

احراریوں کی مناسب قیمت (صفحہ۔45,46)

"استاذ العلماء مولانا عطا محمد بندیالوی نے احراریوں کے متعلق ایک سوال کے جواب میں بتایا۔ "انکی کیا بات کرتے ہیں۔ یہ ابن الوقتوں کا ایک ٹولہ تھا۔ ضرورت پڑنے پر وہ کسی مذہب اور عقیدے کے پابند نہیں ہیں۔ اچھرہ میں ہمارے مدرسے کے ایک بزرگ میاں قمر الدین تھے، بڑے پکے سُنّی۔ جہاں آجکل گلبرگ ہے، یہاں پر ان کی زمینیں بہت تھیں اور یہ احراری سُنّی بن کر ختم نبوت کے نام پر ان سے بہت سی رقمیں بٹورتے رہے، عطاء اللہ شاہ بخاری اور بڑے بڑے جغادری احراری میاں قمر الدین کا طواف کیا کرتے تھے، اس سے میں یہ سوچتا ہوں کہ اگر قائداعظم ان کی مناسب قیمت لگا دیتے تو یہ تحریک پاکستان کی حمایت کر سکتے تھے، مگر کانگریس نے ان کو پہلے خرید لیا تھا"

دیوبند میں کانگرسیت کی تعلیم (صفحہ۔56,57)

"مولوی شبیر احمد عثمانی دارالعلوم دیوبند پر کانگرسی اثرات کے متعلق اپنے دکھ کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ "حضرت مولانا انور شاہ کے عہد مبارک تک دارالعلوم ہر قسم کے داخلی و خارجی فتنوں سے پاک و صاف تھا۔ درس حدیث میں خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کی بجائے مہاتما گاندھی اور جواہر لال نہرو کی اطاعت کا درس نہیں دیا جاتا تھا۔۔۔اب تفسیر جلالین، بیضاوی اور درس حدیث میں کانگرسیت کا سبق پڑھایا جانے لگا۔ مہاتما گاندھی اور جواہر لال نہرو کے کارناموں کی نہ صرف تعریف کی جاتی ہے بلکہ ان کی تائید قرآن و حدیث سے پیش کی جانے لگی۔ درس حدیث میں شائد ہی کوئی دن ایسا گزرتا ہو گا کہ جس میں کانگرس کا تذکرہ اور اس میں شمولیت کی تلقین نہ کی جاتی ہو، ان کی تقریروں اور رات دن کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج دارالعلوم نہ صرف ہنود کا مداح ہے بلکہ ان کے رنگ میں بہت کچھ رنگا جا چکا ہے۔"

کانگرس بمقابلہ جماعت اسلامی۔(صفحہ۔65)

"مفتی کفایت اللہ صاحب نے فتویٰ دیا تھا کہ ابو الاعلیٰ مودودی چونکہ کسی امام کے قائل نہیں، اس لئے ان کا اتباع شرعاً ناجائز ہے۔ مودودی صاحب نے اس کا جواب ان الفاظ میں دیا تھا: "میں حیران ہوں کہ جن لوگوں نے مولانا کفایت اللہ صاحب سے یہ سوال کیا تھا انہوں نے یہ کیوں نہ سوچا کہ یہی مولانا کفایت اللہ صاحب تیس سال سے گاندھی اور نہرو کا اتباع فرما رہے ہیں اور آج بھی انہوں نے یہی فتویٰ دیا ہے کہ مسلمانوں کو کانگریس کے حق میں ووٹ دینا چاہئے، کیا

کانگریس کسی امام کی قائل ہے؟ بلکہ کیا کانگریس خدا اور رسول کو بھی مانتی ہے؟ پھر جو عالم دین کانگریس کے معاملہ میں تو اماموں کے ماننے یا نہ ماننے کا لحاظ نہ کرے مگر جماعت اسلامی کے بارے میں اسے امام یاد آنے لگیں کیا وہ اس قابل بھی ہے کہ اس کے فتویٰ کا لحاظ کیا جائے؟"

دیوبند انگریزی شہنشائیت کی تخلیق۔(صفحہ۔85)

"حضرت علامہ (اقبال) کرب کی سی حالت میں کہنے لگے۔ مولوی کا ذہن پچھلے سو برس سے عقیم چلا آتا ہے، دیوبند کو ہی دیکھئے۔ دیوبند بھی انگریزی شہنشائیت کی غیر ارادی تخلیق ہے۔۔۔ میری بات سے غلط فہمی نہ ہو۔ ملا کا ذہن فی الواقع عقیم ہے اور پچھلی ایک صدی کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ ملا غور و فکر سے محروم ہے۔۔۔ ملا کا ذہن یوں عقیم ہے کہ صدیوں کی فرسودہ اور لاطائل بحثوں میں الجھ کر اس کی فکری صلاحیتیں ختم ہو چکی ہیں۔ وہ نہیں سمجھتا کہ اسے جن عقائد پر سختی سے اصرار ہے اسلام نے ان کا رشتہ زندگی سے کس طرح جوڑا، ان سے فی الحقیقت کیا مقصود ہے"

غیر مسلموں کے لئے غائبانہ نماز جنازہ اور قرآن خوانی؟۔(صفحہ۔۳۲)

"روزنامہ جسارت کراچی 23 جولائی 1980 کی اشاعت میں صفحہ اول پر ایک تصویر شائع ہوئی ہے جس میں کانگرسی مولویوں کو سنجے گاندھی کیلئے قرآن خوانی کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے اور تصویر کے نیچے لکھا ہے "سنجے گاندھی کے لئے دہلی میں ہونے والی قرآن خوانی، اندرا گاندھی بھی شریک ہیں۔"

"بمبئی کے اخبار "اردو ٹائمز" کی اطلاع ہے کہ پونہ میں حافظ عبدالکریم نے اندرا گاندھی کی غائبانہ نماز جنازہ کی امامت فرمائی اور لکھنؤ کے اخبار "اودھ بازار" نے خبر دی کہ مولانا اسعد مدنی صدر جمیعت العلماء ہند نے اندرا گاندھی کے لئے منعقدہ تقریب قرآن خوانی میں شرکت فرمائی اور نہایت تضرع وزاری کے ساتھ مغفرت کی دعا مانگی۔"(صفحہ۔۳۳)

"نئی دہلی (جنگ نیوز) بھارت میں بی جے پی کے زخمی رہنما اور سابق وزیر پر مود مہاجن کی جلد صحت یابی کیلئے 300 مولویوں نے قرآن خوانی کی۔ دو گھنٹے تک ہونے والی تلاوت کلام پاک کے بعد انکی صحت یابی کیلئے دعا کی گئی، نئی دہلی میں بی جے پی کے ہیڈ کوارٹر میں قرآن خوانی کے اس موقع پر علماء کی قیادت بی جے پی کی اقلیتی شاخ کے صدر تنویر حیدر عثمانی کر رہے تھے، اس موقع پر شریک ہونے والے دیگر اہم مذہبی رہنماؤں میں درگاہ حضرت نظام الدین کے سید علی موسیٰ نظامی اور بریلی کے مولانا شکیل رضا نے بھی شرکت کی۔ پارٹی نے اس سے قبل اپنے ہیڈ کوارٹر میں مرتی انجایا اور گائتری منترا کا بھی اہتمام کیا تھا۔ پارٹی ترجمان نے بتایا کہ اس سے قبل قرآن پاک کی تلاوت لکھنؤ میں پارٹی کے قیام کے موقع پر کی گئی تھی، اس واقعہ کے بعد یہ اس قسم کی دوسری تقریب تھی۔"(روزنامہ جنگ۔26 اپریل 2006ء)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متحد رہنے اور فرقہ واریت سے بچنے کی تعلیم دی ہے۔

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ۪ وَاذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ کُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا ۚ وَکُنۡتُمۡ عَلٰی شَفَا حُفۡرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَکُمۡ مِّنۡہَا ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمۡ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ ﴿3:104﴾

اور اللہ کی رسّی کو سب کے سب مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو آپس میں باندھ دیا اور پھر اس کی نعمت سے تم بھائی بھائی ہوگئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر (کھڑے) تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچالیا۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیات کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ شاید تم ہدایت پاجاؤ۔

فرقہ واریت شرک ہے

مُنِیۡبِیۡنَ اِلَیۡہِ وَاتَّقُوۡہُ وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿30:32﴾ مِنَ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَہُمۡ وَکَانُوۡا شِیَعًا ؕ کُلُّ حِزۡبٍۭ بِمَا لَدَیۡہِمۡ فَرِحُوۡنَ ﴿30:33﴾

ہمیشہ اُس کی طرف جھکتے ہوئے (چلو) اور اُس کا تقویٰ اختیار کرو اور نماز کو قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو۔ (یعنی) اُن میں سے (نہ ہو) جنہوں نے اپنے دین کو تقسیم کر دیا اور وہ فرقہ فرقہ (ہو چکے) تھے۔ ہر گروہ (والے) جو اُن کے پاس تھا اُس پر اِترا رہے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرقہ واریت کرنے والوں سے کوئی تعلق نہیں

اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَہُمۡ وَکَانُوۡا شِیَعًا لَّسۡتَ مِنۡہُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمۡرُہُمۡ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ یُنَبِّئُہُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ ﴿6:160﴾

یقیناً وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ در گروہ ہوگئے، تیرا ان سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ ان کا معاملہ خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔ پھر وہ اُن کو اُس کی خبر دے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔

فرقہ واریت عذاب ہے

قُلۡ ہُوَ الۡقَادِرُ عَلَی أَن یَبۡعَثَ عَلَیۡکُمۡ عَذَابًا مِّن فَوۡقِکُمۡ أَوۡ مِن تَحۡتِ أَرۡجُلِکُمۡ أَوۡ یَلۡبِسَکُمۡ شِیَعاً وَیُذِیقَ بَعۡضَکُم بَأۡسَ بَعۡضٍ انظُرۡ کَیۡفَ نُصَرِّفُ الآیَاتِ لَعَلَّہُمۡ یَفۡقَہُونَ ﴿6:66﴾

کہہ دے کہ وہ قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے قدموں کے نیچے سے یا تمہیں شکوک میں مبتلا کر کے گروہوں میں بانٹ دے اور تم میں سے بعض کو بعض دوسروں کی طرف سے عذاب کا مزہ چکھائے۔ دیکھ کس طرح ہم نشانات کو پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ کسی طرح سمجھ جائیں۔

تفرقہ اور اختلاف ایک دوسرے سے بغاوت کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے جب یا تو ایک واجب الاطاعت امام اور مضبوط مرکز موجود نہیں ہوتا یا پھر لوگ اس کی اطاعت سے انکار کرتے ہوئے بغاوت کر دیتے ہیں۔

2:214 كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُواْ فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلاَّ الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُواْ لِمَا اخْتَلَفُواْ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللّٰهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

تمام انسان ایک ہی امت تھے۔ پس اللہ نے نبی مبعوث کئے اس حال میں کہ وہ بشارت دینے والے تھے اور انذار کرنے والے تھے۔ اور ان کے ساتھ حق پر مبنی کتاب بھی نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان امور میں فیصلہ کرے جن میں انہوں نے اختلاف کیا۔ اور اس (کتاب) میں اختلاف نہیں کیا مگر باہم بغاوت کی بنا پر انہی لوگوں نے، جنہیں وہ دی گئی تھی، بعد اس کے کہ کھلی کھلی نشانیاں اُن کے پاس آچکی تھیں۔ پس اللہ نے ان لوگوں کو اپنے اِذن سے ہدایت دیدی جو ایمان لائے تھے بسبب اس کے کہ انہوں نے اس میں حق کے باعث اختلاف کیا تھا اور اللہ جسے چاہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

3:20 إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللّٰهِ الإِسْلاَمُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوْتُواْ الْكِتَابَ إِلاَّ مِن بَعْدِ مَا جَاءهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهِ سَرِيعُ الْحِسَابِ

یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ اور اُن لوگوں نے جنہیں کتاب دی گئی اختلاف نہیں کیا مگر آپس میں سرکشی کرتے ہوئے اس کے بعد کہ اُن کے پاس علم آ چکا تھا۔ اور جو اللہ کی آیات کا انکار کرتا ہے تو اللہ یقیناً حساب (لینے) میں بہت تیز ہے۔

42:15 وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ مِن بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ

اور اُنہوں نے تفرقہ نہیں کیا مگر ایک دوسرے کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے بعد اِس کے کہ اُن کے پاس علم آ چکا تھا اور اگر تیرے ربّ کا یہ فرمان معین مدت تک کے لئے جاری نہ ہو چکا ہوتا تو ضرور اُن کے درمیان فیصلہ چکا دیا جاتا اور یقیناً وہ لوگ جنہیں اُن کے بعد کتاب کا وارث بنایا گیا اس کے متعلق ایک بے چین کر دینے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

45:18 وَآتَيْنَاهُم بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ

اور ہم نے انہیں شریعت کی کھلی کھلی تعلیمات عطا کیں۔ پس انہوں نے اختلاف نہیں کیا مگر ایک دوسرے کے خلاف سرکشی کرتے ہوئے، بعد اس کے کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا۔ یقیناً تیرا ربّ اُن کے درمیان قیامت کے دن ان امور میں فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔

فرقہ واریت سے بچنے کے اس صریح حکم اور اس کو شرک اور عذاب الٰہی قرار دیئے جانے کے باوجود مسلمان فرقہ واریت کا شکار ہو گئے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے بطور پیش گوئی کے ارشاد فرمایا تھا:

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ: قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه ''افترقَتِ الْيَهُوْدُ على إحدی و سبعين فرقةً فواحدةٌ في الْجَنَّةِ و سبعون في النَّارِ وافترقَتِ النَّصاری علی ثِنْتَيْنِ و سبعينَ فِرْقَةً فإحدی و سبعون في النَّارِ و واحدةٌ في الجنةِ والَّذِي نفسُ محمدٍ بيدِهِ لَتَفْتَرِقَنَّ أُمَّتِيْ علی ثلاثٍ و سبعينَ فِرْقَةً فواحدةٌ في الجنةِ وثِنْتَانِ و سبعونَ في النَّار'' قيل: يا رسولَ اللّٰهِ من هُم؟ قال: ''الجماعة''۔

حضرت عوفؓ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہود اکہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے۔ بس ایک ہی جنت میں تھا اور ستّر آگ میں تھے اور نصاریٰ بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے۔ ان میں اکہتّر آگ میں اور ایک جنت میں تھا۔ اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے میری امت ضرور تہتّر فرقوں میں تقسیم ہوگی جن میں سے صرف ایک جنت میں جائے گا اور بہتر آگ میں ہوں گے۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اُن میں وہ کون ہوگا۔ فرمایا ''الجماعت''۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الفتن باب افتراق الامم، ابوداؤد کتاب السنۃ باب شرح السنۃ، المستدرک للحاکم کتاب العلم)

مسلمانوں کا دو بڑے گروہوں، شیعہ اور سنّی، میں تقسیم ہونے کے بعد تقسیم در تقسیم کا یہ عمل مسلسل جاری رہا اور اب دونوں فرقے مزید بے شمار فرقوں میں منقسم ہوکر ایک دوسرے کے شدید دشمن بن کر ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہیں۔ بعض تو ایک دوسرے کے ساتھ نکاح تک کو حرام قرار دے چکے ہیں اور یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر چل کر کلمہ گو مسلمانوں کو دیگر تمام غیر مسلموں سے بھی بدتر کافر قرار دے چکے ہیں۔

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّ هُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ *

اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ (کی بنا) کسی چیز پر نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود (کی بنا) کسی چیز پر نہیں حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں نے بھی جو کچھ علم نہیں رکھتے ان کے قول کے مشابہ بات کی۔ پس اللہ قیامت کے روز اُن کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ (البقرۃ 2:114)

سورہ بقرہ کی مندرجہ بالا آیت میں یہود و نصاریٰ کا طرزِ عمل بتایا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں حالانکہ ان کے پاس کتاب موجود ہے جس کو پڑھتے بھی ہیں لیکن اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے۔ اسی طرح ان کے مثیل ایسے لوگ بھی ہیں جو انہی کی طرح کی باتیں کرتے ہیں یعنی ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں اور کتاب اللہ سے فیصلہ نہیں کرتے۔ یہود و نصاریٰ کے یہ مثیل صحیح بخاری کتاب الاعتصام والسنۃ باب قول النبی ﷺ لتتبعن سنن من کان قبلکم میں بیان فرمودہ حدیث کی روشنی میں آج کے مسلمان ہی ہیں جو قرآنی علم سے بے بہرہ ہوکر یہود و نصاریٰ کی پیروی میں ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے یہ حوالہ جات:

''بحکم شریعت مسٹر جینا اپنے ان عقائد کفریہ قطعیہ یقینیہ کی بنا پر قطعًا مرتد اور خارج از اسلام ہے اور جو شخص اوسکے ان کفروں پر مطلع ہونے کے بعد اوسکو مسلمان جانے یا اسے کافر نہ مانے یا اوسکے کافر مرتد ہونے میں شک رکھے یا اوسکو کافر کہنے میں توقف کرے وہ بھی کافر مرتد شر اللئام اور بے توبہ مرا تو مستحق لعنت عزیز علام'' (تجانب اہل السنۃ صفحہ ۱۲۲)

''لیگ کا دستور اساسی بکثرت کفریات وضلالات و وبالات پر مشتمل ہے اور ایسے کہ جن سے مسلمانوں کا دین اور دنیا دونوں برباد ہوں۔۔۔ لیگ کے اکثر لیڈران عام طور پر علی الاعلان کفریات بکتے پھرتے ہیں اور ضروریات دینیہ کا انکار کرنے میں انہیں کوئی باک نہیں۔'' (تجانب اہل السنۃ صفحہ ۱۱۸)

''ہنود سے معاملہ کرنا و کانگرس میں شریک ہونا بشرط عدم نقصان دین جائز ہے لیکن سیّد احمد نیچری کی ایسوسی ایشن میں ملنا بالکل حرام ہے اور اس کی مدد کرنی بیشک گناہ ہے۔''(نصرۃ الابرار۔ مولوی عبدالحق لدھیانوی۔ سرورق)

''اس وقت ہماری قوم کا برگزیدہ ترین طبقہ علماء وفقہاء کا خصوصاً جو تعلیم و تصنیف میں مشغول ہیں، ان کی شبانہ روز مشغولیت کا جائزہ لیا جائے تو بیشتر حضرات کی علمی تحقیقات اور سعی و عمل کی ساری توانائی انہی فروعی بحثوں میں محدود نظر آئے گی۔ ان میں بعض حضرات کا غلو تو یہاں تک بڑھا ہوا ہے کہ اپنے سے مختلف رائے رکھنے والوں کی نماز کو فاسد اور ان کو تارک قرآن سمجھ کر اپنے مخصوص مسلک کی اس طرح دعوت دیتے ہیں جیسے کسی منکر اسلام کو اسلام کی دعوت دی جا رہی ہو۔ اور اسی کو دین کی سب سے بڑی خدمت سمجھے ہوئے ہیں۔''(وحدتِ امّت از مفتی محمد شفیع صفحہ ۲۲، ۲۳)

''مولوی فضل رسول بدایونی کے بعد ان کے جانشین اختلاف کی اس لکیر کو پیٹتے رہے یہاں تک کہ پھر یہ خدمت مولوی احمد رضا خان صاحب کے سپرد ہوئی، ان کی بھی پوری کوشش تھی کہ جس طرح بھی بن آئے مسلمانانِ ہند کا اعتماد ان محدّثین دہلی سے اٹھا دیا جائے اور دہلی کے اس علمی خاندان کو اس طرح بدنام کیا جائے کہ مسلمان پھر ایک جھنڈے کے نیچے کبھی جمع نہ ہو سکیں۔ انگریز ہندوستان میں (DIVIDE AND RULE) تفریق ڈالو اور حکومت کرو کی پالیسی لے کر آئے تھے اور ان کی کامیابی کا راز اسی تفرقہ بازی میں مضمر تھا۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے نہ صرف یہ کام کیا کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے خلاف رسالے لکھے، دہلی کے اس مرکز علمی کو بدنام کیا بلکہ تفریق بین المسلمین کے اس محاذ پر اپنی زندگی کے پچاس سال لگا دیئے۔ ملّت اسلامی کا کوئی خیر خواہ اس پر افسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انھوں نے اپنی زندگی آخر کس کام پر لگائی۔ آپ کے ایک معتقد قاری احمد پیلی بھیتی سوانح اعلیٰحضرت کے مقدّمے (کلام اوّل) میں لکھتے ہیں: ''۱۲۹۷ھ میں مولانا شاہ احمد رضا خاں نے قلم اٹھایا، کثرت سے کتابیں لکھیں، فتوے صادر کیے، حرمین شریفین کے سفر میں مشاہیر علماء حرمین سے علماء دیوبند کی تحریروں کے خلاف تصدیقات حاصل کیں جن کو حسام الحرمین کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا، مولانا احمد رضا خان پچاس سال مسلسل اسی جدّوجہد میں منہمک رہے یہاں تک کہ مستقل دو مکتبہ فکر قائم ہوگئے، بریلوی اور دیوبندی۔ دونوں جماعتوں کے علماء اور عوام کے درمیان تخالف و تصادم کا یہ سلسلہ آج بھی بند نہیں ہوا ہے۔''۔۔۔ جس طرح مولوی فضل رسول نے کہا تھا کہ عبادت کے لئے بُت بنانا کفر نہیں اس طرح مولوی احمد رضا خاں بھی ہندؤں کو وہابیوں سے بہتر قرار دیتے تھے۔ آپ نے نکاح کے بارے میں ایک فتویٰ جاری فرمایا: ''نکاح نام باہمی ایجاب و قبول کا ہے اگرچہ بامن پڑھاوے۔ چونکہ وہابی سے پڑھوانے میں اس کی تعظیم ہوتی ہے جو حرام ہے لہٰذا احتراز لازم ہے۔'' (احکام شریعت مولانا احمد رضا خاں حصّہ دوم صفحہ ۲۲۵) مولوی احمد رضا خان نے تفریق بین المسلمین کے لیے جو شدّت اختیار کی یہ بتا رہی ہے کہ اس کے پیچھے کسی بڑے مسلم کش سیاسی ظالم کا ہاتھ تھا۔ مولوی صاحب کا ایک اور فتویٰ ملاحظہ کیجیے۔ جو شخص وہابیہ دیوبندیہ کے کفر میں شک کرے اس کے بارے میں لکھتے ہیں: ''بلاشبہ اس سے دور بھاگنا اور اسے اپنے سے دور کرنا، اس سے بغض اس کی اہانت، اس کا ردّ فرض ہے اور توقیر حرام و ہدم اسلام، اسے سلام کرنا حرام، اس کے پاس بیٹھنا حرام، اس کے ساتھ کھانا پینا حرام، اس کے ساتھ شادی بیاہت حرام اور قربت زنا خالص، اور بیمار پڑے تو پوچھنے جانا حرام، مر جائے تو اس کے جنازے میں شرکت، اسے مسلمانوں کا سا غسل و کفن دینا حرام، اس پر نماز جنازہ حرام بلکہ کفر، اس کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھانا، اس کے جنازے کی مشایعت حرام، اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا حرام، اس کی قبر پر کھڑا ہونا حرام، اس کے لئے دعائے مغفرت یا ایصال ثواب حرام بلکہ کفر۔'' (عرفان شریعت صفحہ ۳۹) مولوی احمد رضا خاں صاحب نے یہاں گیارہ دفعہ لفظ حرام کی گردان کی ہے، آپ اس عدد سے ایک مسئلہ ثابت کر رہے تھے افسوس انہوں نے یہ نہ سوچا کہ خود ان کے حلقہ عقیدت کے بھی کتنے لوگ ہوں جو ان حرام کاموں سے نہ بچ سکیں گے۔''(شاہ اسمٰعیل محدّث دہلوی۔ شہید بالاکوٹ۔ از ڈاکٹر علامہ خالد محمود۔ صفحہ ۱۹ تا ۲۱)

''کسی انسانی گروہ کو اس کی شامت اعمال کی بنا پر اللہ عزّوجلّ گوناگوں طریقوں سے عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ عذاب کی بدترین شکل کی طرف اشارہ سورۂ انعام کی آیت نمبر ۶۵ کے ایک حصّہ میں یُوں کیا گیا ہے۔ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ ''ترجمہ: یا تمہیں فرقہ فرقہ کر دے اور ایک کو دوسرے (سے لڑا کر آپس کی) لڑائی کا مزہ چکھا دے''(مترجم مولانا فتح محمد جالندھری)۔ اس فرمانِ الٰہی کی تفسیر میں علّامہ پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری حفظہ اللہ تحریر

فرماتے ہیں "اس کے علاوہ سخت تر عذاب یہ ہے کہ آپس میں انتشار اور بے اتفاقی کی وبا پھوٹ پڑتی ہے۔ ایک قوم کے فرزند، ایک ملّت کے افراد مختلف ٹولیوں اور فرقوں میں بٹ جاتے ہیں۔ کہیں مذہب وجہ فساد بن جاتا ہے اور کہیں سیاست باعثِ انتشار۔ اپنوں کی عزّت اپنے ہاتھوں خاک میں ملا دینا بڑا کارنامہ تصوّر کیا جاتا ہے۔ اوروں کو رہنے دیجئے اپنے گھر کا حال دیکھئے۔ جب سے ہم نے صراطِ مستقیم سے انحراف کیا ہے ہم کن پستیوں میں دھکیل دیئے گئے ہیں۔ ایک خُدا، ایک رسُول، ایک کتاب اور ایک کعبہ پر ایمان رکھنے والے کس نفاق اور انتشار کا شکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حالِ زار پر رحم فرمائے۔" (تفسیر ضیاء القرآن جلد اوّل صفحہ ۵۶۲)۔ ایک شاعر نے اِسی مفہوم کو یوں بیان کیا ہے۔ ہر دل میں کدورتیں بھری ہیں محسن یہ عذاب کی گھڑی ہے۔ بد قسمتی سے پاکستان میں عذاب کی یہ گھڑی آچکی ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے چشمِ بینا دی ہے وہ اس لحہ بہ لحہ شدید تر ہوتے ہوئے عذاب کی ہولناکیوں کو دیکھ رہے ہیں اور اس کے جہنمی شعلوں کی تپش کو اپنے دلِ دردمند میں محسوس کر رہے ہیں۔" (دیباچہ۔ وحدت امت۔ اہل قبلہ کی تکفیر اور فقہی اختلافات کی بنا پر ملّت میں محاذ آرائی کے خلاف ایک مُدلّل اور مُستند تحریر۔ مصنّف: مولانا محمد اسحاق صاحب، خطیب جامع مسجد محمدی کریمیہ، فیصل آباد)

آل عمران 3:104 میں اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کا اظہار فرماتے ہوئے بتاتا ہے کہ جب ایسے حالات پیدا ہوں کہ لوگ آپس میں ایکدوسرے کے دشمن ہوں، فرقہ فرقہ ہوں اور اندرونی خانہ جنگیوں کے باعث تباہی کے دہانے پر کھڑے ہوں تو ان حالات کا مداوا انسان کے اپنے بس کی بات نہیں رہتی بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ایک مامور بھیجتا ہے جو گروہوں میں بٹے ہوئے اور ایکدوسرے کے خون کے پیاسے انسانوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیتا ہے۔ ہر فرقہ میں علماء و مشائخ کی موجودگی کے باوجود ان کے اختلاف کا باقی رہنا اور فرقوں کی تقسیم در تقسیم کا عمل یہ ثابت کرتا ہے کہ ان حالات کی درستگی "اتحاد بین المسلمین" کے نام نہاد داعیوں کے ذریعے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے امام الزماں کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے۔

جماعت احمدیہ پر فرقہ واریت کے الزام کا جواب

یہاں پر یہ بے جا نہ ہو گا اگر مخالفین کے جماعت احمدیہ پر فرقہ واریت کے الزام کا ذکر اور اُس کا رد کر دیا جائے۔ جماعت احمدیہ پر یہ اعتراض اور الزام بھی عائد کیا جاتا ہے کہ یہ ایک نیا فرقہ قائم کر کے پہلے سے منتشر اور فرقہ واریت کے شکار مسلمانوں کو مزید تقسیم کر رہی ہے۔ اس الزام کے برعکس جماعت احمدیہ مسلمانوں بلکہ تمام انسانیت کے اتحاد و یکجہتی کے لئے قائم کی گئی ہے اور اُسی سمت میں کام کر رہی ہے جیسا کہ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہامًا فرمایا گیا: ﴿تُو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی﴾ یعنی تو ملانے کے لئے آیا ہے، الگ الگ کرنے کے لئے نہیں آیا۔ یہ اعتراض خصوصی طور پر اُس گروہ کی طرف سے عائد کیا جاتا ہے جنہیں عام طور پر اہل قرآن کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ بات بالکل درست ہے کہ دین میں تفرقہ پیدا کرنا اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کرنا قرآن کریم کی رو سے سخت منع ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہے:

(30:32,33) وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۞ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ ---

اور مشرکوں میں سے نہ ہو۔ (یعنی) اُن میں سے (نہ ہو) جنہوں نے اپنے دین کو تقسیم کر دیا اور وہ فرقہ فرقہ ہو چکے تھے۔

(3:104) وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ ---

اور اللہ کی رسّی کو سب کے سب مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو۔

اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ جماعت احمدیہ کے قیام سے مسلمانوں کا ایک نیا گروہ اور نیا فرقہ معرضِ وجود میں آیا جس کا نام اس کے بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے 1901ء کی مردم شماری میں "مسلمان فرقہ احمدیہ" رکھا گیا۔ ان دونوں حقائق کے اعتراف کے بعد یہ دیکھنا باقی ہے کہ کیا کسی بھی قسم کا فرقہ یا گروہ بنانا غیر اسلامی فعل ہے اور

کیا واقعی جماعت احمدیہ قرآنِ کریم کی ان مندرجہ بالا آیاتِ کریمہ کی رو سے، جنہیں پیش کر کے قرآنی فکر کے نام نہاد دعویدار حضرات خصوصی طور پر جماعت احمدیہ پر فرقہ واریت پھیلانے کا الزام عائد کرتے ہیں، امر واقعہ کے طور پر ایک غیر اسلامی اور غیر قرآنی فعل کی مرتکب ہوئی ہے یا اس کی حقیقت کچھ اور ہے۔ فکرِ قرآنی کے ان نام نہاد علمبرداروں کا یہ بھی کہنا ہے کہ دیگر فرقوں کی طرح جماعت احمدیہ بھی کلمہ گو مسلمانوں کو کافر قرار دے کر اپنے پیشرؤوں کی سنّت پر چل رہی ہے۔ اس الزام میں کتنی صداقت ہے یا باقی الزامات کی طرح یہ بھی جھوٹ کا ایک پلندہ ہے یہ اس وقت ہمارے اس موضوع سے تعلق نہیں رکھتا۔ صرف اتنا کہنا کافی ہوگا کہ احمدیوں کو کلمہ گو ہونے کے باوجود انہی حضرات کے سرخیل ایک صاحب انہیں کافر قرار دینے کی پوری سعی فرماتے رہے اور اُن کے پیروکاروں کی طرف سے آج تک اس بات پر فخر کیا جاتا ہے کہ ایک مشہور مقدمہ میں جج صاحب کو انہی صاحب کی فکر سے رہنمائی ملی اور انہوں نے ایک غیر احمدی خاتون کا ایک احمدی سے نکاح انہی صاحب کے دلائل سے متاثر ہو کر فسخ کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ فرقے

جب ہم اپنے ارد گرد نظر دوڑاتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ اس زمین میں تنوع اور اختلاف پایا جاتا ہے، کہیں پہاڑ ہیں تو کہیں میدان، کہیں گھنے جنگل ہیں تو کہیں صحراء اور دلدلی علاقے، وہاں انسانوں میں بھی بہت سی بنیادوں پر اختلاف پائے جاتے ہیں۔ اس دنیا میں مختلف نسلوں اور قومیّتوں کے لوگ بستے ہیں جن کے رنگ اور زبانیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ جیسا کہ اُستاد ابراہیم ذوق نے کہا ہے:

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونقِ چمن　　اے ذوق! اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

بسا اوقات ایک ہی قوم کے لوگ مختلف قبائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ انسانوں کی عادات، طبائع اور ہنر مندیوں اور ذہنی و جسمانی لیاقتوں میں بھی تفاوت پایا جاتا ہے۔ مختلف قوموں کی تہذیب و تمدّن بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ معاشی اور اقتصادی طور پر بھی انسانوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ امیر، متوسط اور غریب کے ساتھ ساتھ معاشی طور پر نہایت نچلے درجے کے ایسے افراد بھی پائے جاتے ہیں جو کچھ بھی نہیں کماتے اور ہمیشہ دوسروں کے دست نگر رہتے ہیں۔ قوموں اور گروہوں کے ساتھ ساتھ یہ اختلاف افراد کے درمیان بھی پایا جاتا ہے اور ایک ہی گھر میں پلنے والے ایک ہی ماں باپ کی اولاد میں عادات، طبائع اور رجحانات کا فرق عام مشاہدہ میں دیکھا گیا ہے۔ غرضیکہ انسانی زندگی کے ہر شعبے میں تنوع اور تفاوت پایا جاتا ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے کسی باریک نظر اور گہرے مطالعہ کی ضرورت نہیں کہ یہ تمام اختلافات اور فرق پیدا کرنے میں انسان کا اپنا کوئی عمل دخل نہیں بلکہ یہ تمام اختلافات قدرتی اور فطری ہیں۔ یہ ہمارے ساتھ ہی پیدا ہوتے ہیں اور ہمارے ساتھ ہی پروان چڑھتے اور پھلتے پھولتے ہیں۔ گویا یہ تمام اختلافات خود اللہ تعالیٰ کے اپنے پیدا کردہ ہیں اور حیاتِ انسانی کا ایک ناگزیر حصّہ ہیں جن کے ساتھ ہمیں زندگی گزارنی ہے۔ اللہ تعالیٰ (المائدۃ 5:49) میں فرماتا ہے کہ اگر وہ چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک جیسا ہی پیدا کر دیتا لیکن اُن کو ایک دوسرے سے مختلف بنا کر وہ اُن کی آزمائش کرنا چاہتا ہے۔

قرآنِ کریم کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے درمیان گروہوں یعنی انسانوں کے مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہونے کے عمل کو اپنی طرف منسوب فرماتا ہے اور زبانوں اور رنگوں کے اختلاف کو اپنی آیات میں سے قرار دیتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے:

...وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ... (49:14)

اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ (30:23)

اور اس کے نشانات میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش ہے اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کے اختلاف بھی۔ یقیناً اس میں عالموں کے لئے بہت سے نشانات ہیں۔

انبیاءؑ کے قائم کردہ فرقے

سماجی، معاشی اور معاشرتی پہلوؤں میں فطری اور قدرتی اختلافات کو جاننے کے بعد جب ہم مذہبی تاریخ پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے پہلے تمام انسان، جن کی طرف انبیاءؑ مبعوث ہوتے ہیں، ایک ہی رنگ میں رنگے ہوتے ہیں۔ قومی اور معاشرتی اثر کے تحت وہ تمام لوگ ایک ہی طرح کے افعال کر رہے ہوتے ہیں اور ان کا کاروبارِ حیات ایک ہی ڈگر پر چل رہا ہوتا ہے۔ تب اُن کے درمیان ایک نبی مبعوث ہوتا ہے جو اُن کے status quo کو درہم برہم کرتے ہوئے اُنہیں اُن کی برائیوں کی طرف متوجہ کر کے انہیں دور کرنے کی نصیحت کرتا ہے۔ تب اُس مشترک دین اور اقدار و روایات رکھنے والی متحد قوم کے اندر ایک دراڑ پیدا ہو جاتی ہے اور اُس میں دو فرقے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک فرقہ اُس نبی کی دعوت پر لبیک کہتا ہے جبکہ دوسرا فرقہ اُس کا انکار کر کے اُس کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتا ہے۔ اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ انسانوں میں قدرتی اور فطرتی فرقوں کے ساتھ ساتھ ایسے مذہبی فرقے بھی پائے جاتے ہیں جو انبیاءؑ کی آمد سے اُن کی دعوت کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔

(2:214) كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ۠ ...

تمام انسان ایک ہی امّت تھے۔ پس اللہ نے نبی مبعوث کئے اس حال میں کہ وہ بشارت دینے والے تھے اور انذار کرنے والے تھے۔

یعنی انبیاء کے آنے سے پہلے لوگ اُمّتِ واحدہ یعنی ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں اور بظاہر ان میں کوئی تمیز نہیں ہو سکتی اور پتہ نہیں چلتا کہ ان میں خبیث کون ہے اور طیّب کون۔ یہ معاملہ چونکہ دل سے تعلق رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کو غیب پر مطلع نہیں کرتا کہ وہ کسی کے دل کی بات کو جاننے کا دعویٰ کرتے ہوئے اسے خبیث یا طیّب قرار دے لہٰذا ان کے درمیان ایک نبی مبعوث کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے علم پا کر طیّب کو خبیث سے الگ کرتا ہے۔

(3:180) مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠ ...

اللہ ایسا نہیں کہ وہ مومنوں کو اس حال پر چھوڑ دے جس پر تم ہو یہاں تک کہ خبیث کو طیّب سے نتھار کر الگ کر دے۔ اور اللہ کی یہ سنّت نہیں کہ تم (سب) کو غیب پر مطلع کرے۔ بلکہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے چُن لیتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب دعویٰ نبوت کیا تو بنی اسرائیل میں دو گروہ بن گئے۔ ایک نے انہیں مان لیا اور دوسرے نے ان کا انکار کر دیا۔

(61:15.)...فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ

پس بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لے آیا اور ایک گروہ نے انکار کر دیا۔

دو ہی گروہ ہیں حزب اللہ اور حزب الشیطان

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے کہ درحقیقت دو ہی گروہ ہیں حزب اللہ اور حزب الشیطان۔

5:57 وَمَن يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُونَ

اور جو اللہ کو دوست بنائے اور اس کے رسول کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے تو اللہ ہی کا گروہ ہے جو ضرور غالب آنے والے ہیں۔

[المجادلۃ-58:23] لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ اَوْ اَبْنَآءَھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ ؕ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ ؕ وَیُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۧ

تو کوئی ایسے لوگ نہیں پائے گا جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہوئے ایسے لوگوں سے دوستی کریں جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرتے ہوں، خواہ وہ اُن کے باپ دادا ہوں یا اُن کے بیٹے ہوں یا اُن کے بھائی ہوں یا اُن کے ہم قبیلہ لوگ ہوں۔ یہی وہ (باغیرت) لوگ ہیں جن کے دل میں اللہ نے ایمان لکھ رکھا ہے اور ان کی وہ اپنے امر سے تائید کرتا ہے اور وہ انہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں وہ اُن میں ہمیشہ رہتے چلے جائیں گے۔ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ یہی اللہ کا گروہ ہیں۔ خبردار! اللہ ہی کا گروہ ہے جو کامیاب ہونے والے لوگ ہیں۔

35:7 إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ

یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے۔ پس اسے دشمن ہی بنائے رکھو۔ وہ اپنے گروہ کو محض اس غرض سے بلاتا ہے تاکہ وہ بھڑکتی آگ میں پڑنے والوں میں سے ہو جائیں۔

[المجادلۃ-58:20] اِسْتَحْوَذَ عَلَیْھِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰھُمْ ذِکْرَ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ

شیطان ان پر غالب آ گیا۔ پس اُس نے اُنہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا۔ یہی شیطان کا گروہ ہیں۔ خبردار! شیطان ہی کا گروہ ہے جو ضرور نقصان اٹھانے والے ہیں۔

گروہوں والے آگ میں پڑنے والے ہیں

جہاں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی ایک حزب بتائی ہے وہاں مختلف گروہوں یعنی احزاب کا اپنا الگ الگ تشخص برقرار رکھتے ہوئے کسی کے خلاف جمع ہو جانے کی مذمت فرمائی ہے اور ان کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ آگ میں پڑنے والے ہیں

[ھود-11:18] اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ وَیَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ وَمِنْ قَبْلِہٖ کِتٰبُ مُوْسٰٓی اِمَامًا وَّ رَحْمَۃً ؕ اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ ؕ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِہٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُہٗ ۚ فَلَا تَکُ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْہُ ۗ اِنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔

پس کیا وہ جو اپنے ربّ کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہے اور اس کے پیچھے اس کا ایک گواہ آنے والا ہے اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بطور امام اور رحمت موجود ہے (وہ جھوٹا ہو سکتا ہے؟) یہی (اس موعود رسول کے مخاطبین بالآخر) اسے مان لیں گے۔ پس جو بھی احزاب میں سے اس کا انکار کرے گا تو آگ اس کا موعود ٹھکانا ہو گی۔ پس اس بارہ میں تُو کسی شک میں نہ رہ۔ یقیناً یہی تیرے ربّ کی طرف سے حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

13:37 وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَن يُنكِرُ بَعْضَهُ...

اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس سے جو تیری طرف اتارا جاتا ہے خوش ہوتے ہیں۔ اور متفرق گروہوں میں سے بعض ایسے ہیں جو اس کے بعض حصوں کا انکار کر دیتے ہیں...

19:38 فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِن بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِن مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ

پس ان کے اندر ہی سے گروہوں نے اختلاف کیا۔ پھر ہلاکت ہو گی اُن کے لئے جنہوں نے کفر کیا ایک بہت بڑے دن میں حاضری کے نتیجہ میں۔

23:54 فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ

پس انہوں نے اپنے معاملہ کو اپنے درمیان ٹکڑے ٹکڑے بانٹ لیا۔ سب گروہ، اس پر جو اُن کے پاس تھا، اِترانے لگے۔

30:33 مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ

(یعنی) اُن میں سے (نہ ہو) جنہوں نے اپنے دین کو تقسیم کر دیا اور وہ فرقہ فرقہ (ہو چکے) تھے۔ ہر گروہ (والے) جو اُن کے پاس تھا اُس پر اِترا رہے تھے۔

33:21 يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا وَإِن يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُم بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنبَائِكُمْ وَلَوْ كَانُوا فِيكُم مَّا قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا

وہ گمان کرتے ہیں کہ لشکر ابھی تک نہیں گئے۔ اور اگر لشکر (واپس) آجائیں تو وہ (حسرت سے) چاہیں گے کہ کاش وہ ویرانوں میں بدوؤں کے درمیان رہتے ہوتے (اور) تمہارے حالات معلوم کر رہے ہوتے۔ اور اگر وہ تم میں ہوتے بھی تو قتال نہ کرتے مگر بہت کم۔

33:23 وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ . . .

اور جب مومنوں نے لشکروں کو دیکھا تو انہوں نے کہا یہی تو ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس نے ان کو نہیں بڑھایا مگر ایمان اور فرمانبرداری میں۔

38:12 جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ 38:13 كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ

38:14 وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ أُولَئِكَ الْأَحْزَابُ

(یہ بھی) اَحزاب میں سے ایک لشکر (ہے) جو وہاں شکست دیا جانے والا ہے۔ اِن سے پہلے (بھی) نوح کی قوم نے اور عاد نے اور میخوں والے فرعون نے جھٹلا دیا تھا۔ اور ثمود نے بھی اور لوط کی قوم نے بھی اور گھنے درختوں والوں نے بھی۔ یہی ہیں وہ اَحزاب (جن کا ذکر گزرا ہے)۔

40:6 كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَالْأَحْزَابُ مِن بَعْدِهِمْ . . .

ان سے پہلے نوح کی قوم نے بھی جھٹلایا تھا اور ان کے بعد مختلف گروہوں نے بھی...

40:31 وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُم مِّثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ

اور اس نے جو ایمان لایا تھا کہا: اے میری قوم! یقیناً میں تم پر احزاب کے زمانے جیسا زمانہ آنے سے ڈرتا ہوں۔

43:66 فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِن بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ أَلِيمٍ

پس ان کے اندر ہی سے گروہوں نے اختلاف کیا۔ پس اُن لوگوں کے لئے جنہوں نے ظلم کیا ہلاکت ہو دردناک دن کے عذاب کی صورت میں۔

لفظ "فرقہ" کا تجزیہ

اس لفظ کا مادہ "ف رق" ہے جس کے بنیادی معنی ہیں الگ الگ ہونا جیسے سر میں مانگ نکال کر بالوں کو الگ الگ کر دینا۔ کسی چیز کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ کفّار کا قرآنِ کریم پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ "جُمْلَةً وَاحِدَةً" کی شکل میں کیوں نازل نہیں ہوا (الفرقان 25:33) جس کا ایک جواب تو اللہ تعالیٰ نے اسی آیت میں یہ دیا کہ: "لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَکَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا" تاکہ ہم اس کے ذریعے تیرے دل کو ثبات عطا کریں اور (اسی طرح) ہم نے اسے بہت مستحکم اور سلیس بنایا ہے۔ جبکہ دوسری جگہ فرمایا:

وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ٥ (بنی اسرائیل ۔ 17: 107)

اور قرآن وہ ہے کہ اسے ہم نے ٹکڑوں میں تقسیم کیا ہے تاکہ تُو اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھے اور ہم نے اسے بڑی قوّت اور تدریج کے ساتھ اتارا ہے۔

یعنی قرآنِ کریم کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے نازل کیا گیا تاکہ ایک تو رسول اللہ ﷺ پر بوجھ نہ بنے اور دوسرے لوگوں کو تدریجی طور پر احکامات ملتے رہیں۔ "ف رق" کے اس مادہ میں حق و باطل کو الگ الگ کر دینے کے معنی بھی پائے جاتے ہیں جیسا کہ قرآنِ کریم کو فرقان کہا گیا ہے یعنی حق و باطل میں فرق کرکے دکھانے والا۔

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا (الفرقان ۔ 25: 2)

بس ایک وہی برکت والا ثابت ہوا جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا تاکہ وہ سب جہانوں کے لئے ڈرانے والا بنے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو بنی اسرائیل پر اپنا خلیفہ مقرر کرکے گئے تھے لیکن بنی اسرائیل نے گئوپرستی شروع کر دی۔ واپس آکر حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام پر ناراض ہوئے تو انہوں نے بنی اسرائیل کو گئوپرستی سے سختی سے نہ روک سکنے کا یہ عذر پیش کیا:

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ٥

اس نے کہا اے میری ماں کے بیٹے! تُو میری داڑھی اور میرا سر نہ پکڑ۔ میں تو اس بات سے ڈر گیا کہ کہیں تُو یہ نہ کہے کہ تُو نے بنی اسرائیل کے درمیان تفرقہ ڈال دیا اور میرے فیصلے کا انتظار نہ کیا۔ (طٰہٰ ۔ 20:95)

اس آیت کو قرآنی فکر کے نام نہاد علمبر دار یہ کہہ کر پیش کرتے ہیں کہ دیکھو حضرت ہارون علیہ السلام نے گئوپرستی برداشت کرلی لیکن بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈالنا پسند نہ کیا۔ یہ استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ قرآنِ کریم کی روسے تو دونوں باتیں شرک ہیں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خدا کا نبی ایک شرک سے ڈر کر دوسرے شرک کو قبول کرلے۔ حضرت ہارون علیہ السلام دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مطیع نبی تھے اور ہر کام میں ان کے حکم کے منتظر رہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے بنی اسرائیل میں بغاوت کے ڈر سے ان پر سختی نہیں کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منتظر رہے جنہوں نے طورِ سیناء سے واپس آکر خدا کے حضور بنی اسرائیل کے گئوپرستی کے گناہ سے اپنی اور اپنے بھائی کی برئیت کا اظہار کیا۔ چونکہ حضرت ہارون علیہ السلام خود براہِ راست مامور نہیں تھے اور نہ ہی قرآنِ کریم میں ایسی کوئی وضاحت ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں براہِ راست کوئی وحی کی ہو اس لئے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں مومنین کو منکرین اور اطاعت گزاروں کو باغیوں سے جدا کرنے اور اُن کا ایک الگ گروہ بنانے کی سعی نہیں کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتظار کرتے رہے کہ وہ آکر خود کوئی قدم اٹھائیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب واپس تشریف لائے تو انہوں نے دیکھا کہ تمام کے تمام بنی اسرائیل گئوپرستی میں مبتلا ہوچکے ہیں اور اُن کے اور حضرت ہارون علیہ السلام کے سوا کوئی بھی حق پر قائم نہیں رہا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اُن کو اور اُن کے بھائی کو یعنی حضرت ہارون علیہ السلام کو دیگر قوم سے الگ شمار فرما۔ یعنی تب بنی اسرائیل میں دو فرقے بن گئے۔ ایک فرقہ میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام تھے اور دوسرے فرقہ میں باقی تمام بنی اسرائیل کے افراد۔

(5:26) قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ

اس نے کہا اے میرے ربّ! یقیناً میں کسی پر اختیار نہیں رکھتا سوائے اپنے نفس اور اپنے بھائی کے۔ پس ہمارے درمیان اور فاسق قوم کے درمیان فرق کردے۔

مہاجرین اور انصار کے گروہ

قرآن کریم میں جہاں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام "مسلمان" رکھا ہے وہاں خود مسلمانوں کے اندر اُن کی امتیازی خصوصیات کو بیان کرنے کے لئے اُنہیں دوسرے ناموں سے بھی پکارا ہے۔ جیسے مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ میں مسلمان عورتوں کو مہاجرات بھی کہا ہے۔

(60:11) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں مہاجر ہونے کی حالت میں آئیں تو اُن کا امتحان لے لیا کرو۔

قرآنِ کریم میں مومنین کو سابقون الاوّلون، مہاجرین اور انصار کے مختلف ناموں سے پکار کر ان کی شناخت کی گئی ہے

(9:100) وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ . . .

اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت لے جانے والے اوّلین...

ان ناموں سے بلائے جانے اور ذکر کئے جانے سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ مسلمانوں میں کوئی فرقہ بندی پیدا کی جارہی ہے بلکہ یہ نام محض شناخت کے لئے رکھے گئے ہیں۔

مومنین، منکرین اور منافقین کے گروہ

ان قدرتی اور فطری تفرقات اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مومنین اور منکرین کے گروہوں میں فرق کے علاوہ خود مومنین کے درمیان بھی درجوں کا فرق پایا جاتا ہے۔ اِن آیات میں اللہ تعالیٰ مومنین کے چار منعم علیہ گروہوں کا ذکر فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ؕ (4:70)

اور جو بھی اللہ کی اور اِس رسول کی اطاعت کرے تو یہی وہ لوگ ہیں جو اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے (یعنی) نبیوں میں سے، صدیقوں میں سے، شہیدوں میں سے اور صالحین میں سے۔ اور یہ بہت ہی اچھے ساتھی ہیں۔

اسی طرح مؤمنین منافقین مؤمنین اور منکرین بلکہ مؤمن اور مسلم کو بھی اُن کی الگ صفات کے باعث ایک دوسرے سے الگ الگ گروہ قرار دیا گیا ہے اور اندھے اور بینا، عالم اور جاہل، گھر میں بیٹھ رہنے والے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے وغیرہ وغیرہ کی مثالیں بیان کر کے پوچھا گیا ہے کہ کیا یہ ایک دوسرے کے برابر ہو سکتے ہیں۔

کس نوعیت کی فرقہ واریت غلط ہے؟

یہاں پھر یہ سوال بجا طور پر پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ سارے تفرقات اور اختلافات قدرتی اور فطری ہیں اور خود انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں تو پھر آخر وہ کس طرح کی فرقہ واریت ہے جس کی مذمّت فرمائی گئی ہے بلکہ اسے شرک قرار دیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیا دین اور نئی شریعت لے کر آتے ہیں یا پہلے سے موجود لیکن گم شدہ سچّائی کو دوبارہ بحال کرتے ہیں تو اس کے نتیجے میں جو نئی جماعت معرضِ وجود میں آتی ہے اور جو دین قائم ہوتا ہے اُس میں تفرقہ ڈالنا اور اس کی من مانی تشریحات کر کے اللہ تعالیٰ کی وحی و الہام کے ماتحت یا اس کے ارادے سے نہیں بلکہ اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کے نام پر جو اختلافات پیدا کئے جاتے ہیں اور گروہ بندیاں قائم کر کے دوسرے گروہوں کے افراد کو جو دین سے خارج قرار دیا جاتا ہے، وہ فرقہ واریت شرک اور قابلِ مذمّت ٹھہرائی گئی ہے۔

قرآنِ کریم میں گروہوں اور فرقوں کے لئے فرقہ؛ طائفہ، حزب اور شیعہ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں لیکن جہاں ان کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف کی گئی ہے وہاں ان کی مذمّت نہیں بلکہ انہیں دوسروں کے مقابلے میں کامیاب گروہ قرار دیا گیا ہے (المجادلۃ 58:20,23)؛ (الصف 61:15) اور مسلمانوں کے ہر فرقہ سے کچھ لوگوں کو تحصیل علم کے لئے نکلنے کی ترغیب دی گئی ہے (التوبۃ 9:122) اور جہاں ان کی نسبت عام انسانوں کی طرف کی گئی ہے وہاں اس کی مذمّت کرتے ہوئے اُس سے منع فرمایا گیا ہے۔ ایک طرف مسلمانوں کو "شیعہ" بننے یعنی گروہوں میں بٹنے سے منع فرمایا گیا ہے (الرّوم 30:33) جبکہ دوسری طرف حضرت ابراہیمؑ کو حضرت نوحؑ کے "شیعہ" یعنی گروہ میں سے قرار دیا گیا ہے۔ (الصّافات 37:84)

قابلِ مذمّت فرقہ واریت کی علامات

قابلِ مذمّت اور شرک پر مبنی فرقہ واریت کی سب سے پہلی علامت یہ ہوتی ہے کہ اُس کی بنیاد نبی کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ اس کے بعد اُس کے ایسے پیروکاروں کے ہاتھ سے رکھی جاتی ہے جو اصل دین سے گمراہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ اس کی دوسری بڑی علامت یہ ہوتی ہے کہ اصل دین تو تمام ادیان کے پیشواؤں کے احترام کا سبق دیتے ہوئے اور ان میں موجود سچائیوں کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے اور اُن میں مشترک کلمات کی بنیاد پر اُن کو اتحاد کی دعوت دیتا ہے،

(3:65) قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ...

تُو کہہ دے اے اہل کتاب! اس کلمہ کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔۔۔

جبکہ اس کے برعکس فرقہ پرست لوگ اپنے پاس موجود جزوی سچائی کو ہی مکمل دین و ایمان سمجھ کر اُس پر خوش ہوتے رہتے ہیں،

(30:33)... كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ

ہر گروہ (والے) جو اُن کے پاس تھا اُس پر اِترا رہے تھے

اور دوسرے فرقوں کی جزوی سچائی کو بھی تسلیم نہیں کرتے بلکہ اُسے مکمل کفر قرار دیتے ہیں:

(2:114) وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ ...

اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ (کی بنا) کسی چیز پر نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود (کی بنا) کسی چیز پر نہیں

ایسی فرقہ واریت کی ایک اور اہم علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے اختلافات کے حل کے لئے کلام اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے بلکہ انسانوں کی من گھڑت تشریحات کو کلام الٰہی پر فوقیت دیتے ہیں، اس سے عملی طور پر منہ موڑ لیتے ہیں اور اس کے بعض حصّوں کو اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق نہ پا کر لوگوں سے چھپا دیتے ہیں۔ جب انہیں دعوت دی جاتی ہے کہ اختلافات کو کلام اللہ کی روشنی میں حل کریں تو وہ منہ پھیر کر چلے جاتے ہیں:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (آلِ عمران 3:24)۔

کیا تُو نے اُن کی طرف نظر نہیں دوڑائی جنہیں کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا۔ انہیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے پھر بھی ان میں سے ایک فریق پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے اور وہ اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔

اس فرقہ واریت کی ایک اور اہم علامت یہ بھی ہوتی ہے کہ کلام اللہ کو چھوڑ کر لوگ اپنے علماء و مشائخ کو اپنا پیشوا اور معبود بنا لیتے ہیں اور وہ انہیں دین کے نام پر جو بھی کہتے ہیں یہ آنکھیں بند کر کے مان لیتے ہیں۔ یہ علماء لوگوں کو مندرجہ ذیل چار غلط عقائد میں الجھا کر اُنہیں راہِ حق سے ہٹا کر بہکا دیتے ہیں اور اپنی حکومت اُن پر قائم کر لیتے ہیں:

1. وحی والہام کا دروازہ اب بالکل بند ہے اور اللہ تعالیٰ کسی سے بھی اب کلام نہیں کرتا :
2. رسالت منقطع ہے اور اب کوئی نیا رسول نہیں آسکتا:
3. پرانا نبی آسکتا ہے :
4. ہمارے دور کا مدعی نبوّت سخت گمراہ انسان ہے۔

ان تمام تصریحات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسانوں میں یہ فرقہ سازی اگر اللہ تعالیٰ اور اُس کے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے ہو تو وہ ایک فطری اور احسن عمل ہے لیکن اگر وہی عمل انسانوں کی طرف سے کیا جائے تو وہ شرک اور قابلِ مذمّت بن جاتا ہے۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور نبی مبعوث ہوئے تھے اس لئے آپ کی دعوت کے نتیجے میں جو "مسلمان فرقہ احمدیہ" وجود میں آیا، جیسا کہ آپؑ نے 1901ء کی مردم شماری میں اپنی جماعت کا یہ نام رکھا، وہ سنّت اللہ اور سنّتِ انبیاء کے عین مطابق تھا جبکہ دوسرے مسلمان فرقے مثلاً شیعہ، سُنّی، وہابی، دیوبندی، بریلوی، چکڑالوی وغیرہ چونکہ انسانوں کے قائم کردہ ہیں اس لئے غیر قرآنی اور غیر اسلامی ہیں۔ جماعت احمدیہ دوسرے مسلمان فرقوں کی طرح افراط و تفریط کا شکار نہیں بلکہ دین کو اُس کی تمام جزئیات کے ساتھ مانتے ہوئے ایک متوازن راہ پر گامزن ہے۔ اُس میں نماز پڑھنے کے طریقوں اور فقہی اختلافات پر جھگڑے نہیں ہوتے۔ وہ جہاں خلفائے راشدینؓ کے اعلیٰ مرتبے کی قائل ہے اور تمام صحابہ کرامؓ کی عظمت و سعادت کی قائل ہے وہاں وہ حُبِّ اہلِ بیت کو بھی ایمان کی ایک کڑی قرار دیتی ہے۔ جیسا کہ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: {جان و دلم فدائے جمالِ محمدؐ است خاکم نثار کوچہء آلِ محمدؐ است} جماعت احمدیہ جہاں شخصی تقلید کی بجائے قرآن و سنّت کو دینِ اسلام کا ماخذ قرار دیتی ہے وہاں فقہائے اربعہؒ کی باتوں کو بھی ردّ نہیں کرتی بلکہ فقہ کے میدان میں ان کی قابل قدر کاوشوں کو اپنے لئے مینارۂ نور سمجھتی ہے اور جدید دور کے فقہی مسائل کے حل کے لئے انہیں بنیاد بناتی ہے۔ وہ جہاں شرک اور بدعت سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے خالص توحید کی قائل ہے وہاں حُبِّ رسول ا اور اولیائے کرامؒ کی محبت و عزّت کو بھی اسلام اور ایمان کا ایک ناقابلِ تنسیخ معیار سمجھتی ہے۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بزرگانِؒ دین اور اولیائے کرامؒ کے مقدس وجودوں کو اسلام کے زندہ مذہب ہونے کی ایک بھرپور علامت قرار دیا ہے۔ حدیث کو قرآن پر قاضی نہ سمجھنا اور ہر معاملے میں رہنمائی کے لئے قرآنِ کریم کو اوّلین مآخذ سمجھنا اور حدیثوں کو بطور ثبوت کے یقین رکھنا بھی جماعت احمدیہ کا ایک خاص وصف ہے جو اسے قرآن و حدیث کے معاملے میں غلو کرنے والوں سے ممتاز کرتا ہے۔ یعنی جماعت احمدیہ نہ تو حدیثوں کا انکار کرتی ہے اور نہ ہی انہیں قرآن پر حجت قرار دیتی ہے۔ اسی طرح ناسخ و منسوخ اور قتلِ مرتد جیسے معاملوں میں وہ اہلِ قرآن کے گروہ کی تائید کرتی ہے۔ جماعت احمدیہ پر فرقہ واریت کے الزام کی تردید مندرجہ ذیل روایت سے واضح ہو جاتی ہے:

روایت از حضرت امام دین صاحب ولد محمد صدیق صاحب سکنہ سیکھواں ضلع گورداسپور حال وارد محلہ دارالرحمت قادیان۔ سنہ بیعت 1891 / 1890

"جب کرم دین نے جہلم میں حضرت صاحب پر دعویٰ دائر کیا تو طلبی ہوئی تو آپ جہلم کی طرف روانہ ہوئے۔ بٹالہ کے سٹیشن پر بہت ساری جماعت جمع ہو گئی۔ سب دوست حضور کے ہمراہ گاڑی پر سوار ہوئے تھے۔ مواہب الرحمٰن کتاب عربی زبان میں جو حضور نے تالیف کی تھی راتوں رات چھپوا کر ہمراہ لی تھی۔ اس میں یہ پیشگوئی تھی کہ خدا تعالیٰ ہمیں فتح دے گا۔ وہ جاتے وقت راستہ میں تقسیم کرنی شروع کر دی تھی۔ جاتے وقت حضور مع جماعت لاہور منشی چراغ دین صاحب کے مکان پر ٹھہرے۔ جب شام کے بعد مجلس بیٹھ گئی تو ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور لوگ کہتے ہیں جب سے آپ نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو لوگوں میں چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی ہے تو آپ نے جواب میں کہا کہ کوئی شخص درزی کے مکان پر جاوے تو درزی تھان کپڑا پھاڑتا ہے تو اس کی یہ غرض ہوتی ہے کہ تھان کپڑا کا ضائع کر رہا ہے بلکہ قابل استعمال بناتا ہے ورنہ تھان بیکار پڑے ہوتے ہیں سو اس طرح ہم ان کو قابل استعمال بناتے ہیں۔ یعنی صحیح طریق پر چلانا چاہتے ہیں۔"
(رجسٹر روایات صحابہ جلد نمبر 5 صفحہ نمبر 63)

ان تمام وضاحتوں سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ جماعتِ احمدیہ نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیا بلکہ جس گروہ اور حزب نے بھی دین کا ایک جزو لے کر اسے کُل سمجھا ہوا ہے ان تمام اجزاء کو اکٹھا کر کے دینِ اسلام کو پھر سے یکجا کر دیا ہے۔ اس جماعت کے بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطور حکم عدل مسلمان فرقوں کے اختلافات ایسے فیصلے فرمائے ہیں جنہوں نے انسانوں کے پیدا کردہ تفرقات کو مٹا کر ایک الٰہی جماعت کے قیام کی راہیں ہموار کی ہیں۔ چنانچہ اس کے قیام سے لے کر آج تک مسلمانوں میں سے اس میں سُنّی بھی شامل ہو رہے ہیں، شیعہ بھی، غیر مقلد اہلحدیث حضرات بھی شامل ہو رہے ہیں اور مقلّدین بھی۔ ایسی جماعت پر فرقہ بازی کا الزام کا باعث سوائے تعصّب اور جہالت کے اور کیا ہو سکتا ہے۔